ناشر

دارالدعوۃ والارشاد، یوسف گوڑہ، حیدرآباد (تلنگانہ اسٹیٹ)

پہلا ایڈیشن: ۱۴۳۵ھ = ۲۰۱۴ء

نام کتاب : جدید طبی مسائل

مصنّفین : مفتی ابوبکر جابر قاسمی، 09885052592

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی، فون: 09550081116

صفحات : 263

کمپوزنگ : حافظ محمد حسام الدین حنیف، فون: 07386561390

تصحیح وسیٹنگ : مفتی محمد عبداللہ سلیمان مظاہری، قبا گرافکس، حیدرآباد،

فون: 09704172672,8801198133

دار الدعوة والارشاد

یوسف گوڑہ، حیدرآباد (تلنگانہ اسٹیٹ)

ملنے کے پتے

- مدرسہ خیر المدارس، بورابنڈہ، حیدرآباد، فون: 23836868 - 040
- دکن ٹریڈرس، پانی کی ٹانکی، مغلپورہ، حیدرآباد، فون: 66710230 - 040
- مکتبہ کلیمیہ، یوسفین ویڈنگ مال، نامپلی، حیدرآباد
- مکتبہ نعیمیہ دیوبند، یوپی۔

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''من لم یتفقه فی الدین فلا یتجر فی سوقنا'' (۱) ''جو دین کا علم نہ حاصل کرے وہ ہمارے بازار میں دکان نہ کھولے''، ہر پیشہ والا اپنے ہنر سے متعلق علم اور حلال وحرام کے مسائل معلوم کرلے، اتباعِ شریعت کے بغیر نہ ہی اس کی کمائی حلال ہوگی، اور نہ ہی آخرت کی کامیابی ملے گی۔

دین کی مختلف محنتوں کی وجہ سے امت میں شعور پیدا ہو رہا ہے کہ اپنے اپنے پیشہ کے مسائل کو معلوم کریں، اس کے لئے فقہی سیمینار ہو رہے ہیں، علماء کرام سر جوڑ کر متعدد ممالک میں نئے نئے مسائل کے حل کو تلاش کر رہے ہیں، مختلف تنظیمیں خاص عنوان کو لے کر کام کر رہی ہیں، عوام الناس ان سے رجوع ہو رہے ہیں، حضرت مولانا عمر صاحب پالن پوری رحمہ اللہ نے علماء کرام کے ایک مجمع سے درخواست کی تھی کہ مسلمان تجار سے مل کر، ان کے کاروبار کی مروجہ شکلوں کو معلوم کر کے چھوٹے چھوٹے رسائل تیار کریں، ان کے حلال وحرام کو واضح کیا جائے، شہرِ حیدرآباد میں عالمی سطح پر علاج سستا ہے، ڈاکٹرس ومیڈیکل کالجس سارے ملک کے بنسبت کافی تعداد میں ہیں، اس طبقہ کے ساتھ راقم الحروف کے تعلقات کی وجہ سے یہ احساس بڑھتا گیا کہ اس پیشہ سے وابستہ مسائل کو جمع کیا جائے، کیوں کہ اردو میں اس سلسلہ میں بہت کم کام ہوا ہے؛ چنانچہ ابتداء ارادہ ہوا کہ محمد بن محمد مختار شنقیطی حفظہ اللہ کی ''أحکام الجراحة الطبیة'' کا ترجمہ کروایا جائے (جو ہو بھی گیا تھا بعد میں مولانا حذیفہ صاحب وستانوی، ناظم تعلیمات جامعہ اشاعت العلوم، اکل کواں کے ترجمہ کردہ اوراق دستیاب ہوئے) پھر اس کے بعد جامعۃ الامام محمد

تفسیر قرطبی: ۳۵/۵، دار الکتب المصریة، القاهرة

بن سعود کی کانفرس بعنوان ''قضایا فقهیه طبیه معاصره'' عصری طبی مسائل کے مقالات کی تلخیص کردی گئی تھی، پھر مزید عربی میں مطبوعہ رسائل وکتب کے مواد کو شامل کردیا گیا، اکیڈیموں کے فیصلوں اور تحقیقات بھی پیش نظر تھیں، اختصار کر کے مدلل کرنے کی کوشش کی گئی، خصوصا جہاں ہمارے ہندو پاک کے اکابر کی رائے مل گئی تو اسے اہتمام سے نقل کر دیا گیا، اہل علم جانتے ہیں کہ جدید مسائل میں اونٹ کسی کروٹ پر بڑے عرصہ کے بعد بیٹھتا ہے؛ اس لئے ہر مسئلہ میں طرفین کے دلائل کو توحتی الوسع مکمل نقل کر دیا گیا؛ مگر زبان عام فہم رکھنے کی کوشش کی گئی۔ الحمد اللہ کئی مفتیان کرام کی نظر ثانی ہوئی، بالخصوص حضرت مولانا مفتی عبد اللہ صاحب اور حضرت مولانا مفتی طاہر صاحب دامت برکاتہم (مفتی مظاہر العلوم، سہارنپور، خلیفۂ مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ) نے اپنے مشوروں اور کلماتِ بابرکت سے نوازا، میرے رفیق درس وتدریس مولانا مدثر حسین صاحب رضوان (خیر المدارس، حیدرآباد) نے بہت باریک بینی سے تصحیح فرمائی۔ جزاهما الله أحسن الجزاء۔

کچھ عرصے پہلے ہماری تصنیف **''مسلمان ماہرینِ فنون کی ایمانی صفات اور علمی خدمات''** میں ہم نے تفصیل سے مسلمان اطباء کے کارنامے، انسانیت نوازی، دین پسندی کے واقعات لکھ دیئے ہیں، خواہشمند حضرات اس کتاب کا ضرور مطالعہ فرمائیں، اس کتاب سے مسائل اور اس مضمون سے فضائل کی روح اور دینی جذبہ انشاء اللہ پیدا ہوگا۔

میں اور میرے رفیقِ تصنیف مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی صاحب کو مکمل اپنی علمی تہی دامنی کا احساس ہے، ہرگز ہم اس کے اہل نہ تھے، اپنے بڑوں اور مفتیانِ کرام کی اصلاح کے سخت محتاج ہیں، اللہ کے یہاں یہ کام قبول ہوجائے اور امتِ مسلمہ کے لئے نافع ہوجائے۔

محمد ابوبکر جابر قاسمی

حضرت الاستاذ جامع المنقول والمعقول مفتی عبداللہ صاحب مظاہری دامت برکاتہم بانی ومہتمم جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ، ضلع بھروچ، گجرات

Estd. 1405 A.H. / 1985 A.D. Regd. No. B-914 — التأسیس: ١٤٠٥ھ/١٩٨٥ء - رقم التسجیل: B/٩١٤

جامعہ مظہر السعادۃ ہانسوٹ
JAMIAH MAZHAR-E-SA'ADAT
HANSOT-GUJARAT

DARUL ULOOM
HANSOT

از: مفتی عبداللہ المظاہری
٢٢/جمادی الاولیٰ/١٤٣٥ھ
٢٤/مارچ/٢٠١٤ء

محترمی مفتی ابوبکر ومفتی رفیع الدین صاحبان زید مجدکما!
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!
بعد تسلیمات! امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہونگے!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طب وعلاج کے سلسلہ میں جو احکامات دیئے ہیں وہ کتاب الطب والرقی میں بیان کئے گئے ہیں۔ بہت سی کتب اس عنوان سے منظر عام پر آچکی ہے۔ نیز اسلامک فقہ اکیڈمی نے بھی اس عنوان پر خوب عمدہ کام کیا ہے۔

مسلمان علاج ومعالجہ کے سلسلہ میں، بہت سے خفیہ امراض کے سلسلہ میں، مختلف قسم کی بیماریوں کے علاج کے سلسلہ میں تذبذب کا شکار ہوتے ہیں۔ اعضاء جسم کے مختلف امراض کی شکار عورتیں خاص طور سے اس سلسلہ میں شریعت مطہرہ کا منشا جاننا چاہتی ہیں۔ ان کی فطری حیاء وشرم انہیں صحیح علاج سے باز رکھتی ہیں۔

ماشاء اللہ آپ کی اس کتاب "جدید طبی مسائل" نے مسائل کے احکام کو واضح کر دیا ہے۔ جس سے شریعت کے صحیح حکم تک رسائی ہو جاتی ہے۔ تذبذب وشک وشبہ دور ہو جاتا ہے۔ اور مریض کو اطمینان قلب حاصل ہو جاتا ہے کہ میں اس علاج کے سلسلہ میں شرعی اعتبار سے کام کر رہا ہوں۔

اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی اس کاوش کو قبول فرما کر مفید ثابت فرمائے۔ آمین

دعوات صالحہ میں یاد فرمائیں۔

والسلام
عبد
(مفتی) عبداللہ المظاہری
٢٢/جمادی الاولیٰ/١٤٣٥ھ

At & Po Hansot, Dist. Bharuch, PIN : 393 030 Gujarat (India) Tel : +91-2646-262 050 / 262 031
Fax : +91-2646-262927 E-mail : muftipatel@yahoo.com Website : saadathansot.com

محترمی مفتی ابوبکر و مفتی رفیع الدین صاحبان زید مجدکما

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد تسلیمات! امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے۔

نبی کریم ﷺ نے طب وعلاج کے سلسلہ میں جو احکامات دیئے ہیں، وہ "کتاب الطب والرقی" میں بیان کئے گئے ہیں، بہت سی کتب اس عنوان سے منظر عام پر آچکی ہیں، نیز اسلامک فقہ اکیڈمی نے بھی اس عنوان پر خوب عمدہ کام کیا ہے، مسلمان علاج ومعالجہ کے سلسلہ میں، بہت سے خفیہ امراض کے سلسلہ میں، مختلف قسم کی بیماریوں کے علاج کے سلسلہ میں تذبذب کا شکار ہوتے ہیں، اعضاء جسم کے مختلف امراض کی شکار عورتیں خاص طور سے اس سلسلہ میں شریعت مطہرہ کا منشا جاننا چاہتی ہیں، ان کی فطری حیاء وشرم انہیں صحیح علاج سے باز رکھتی ہیں۔

ماشاء اللہ آپ کی اس کتاب **"جدید طبی مسائل"** نے مسائل کے احکام کو واضح کردیا ہے، جس سے شریعت کے صحیح حکم تک رسائی ہوجاتی ہے، تذبذب وشک وشبہ دور ہوجاتا ہے۔ اور مریض کو اطمینان قلب حاصل ہوجاتا ہے، کہ میں اس علاج کے سلسلہ میں شرعی اعتبار سے کام کررہا ہوں۔

اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی اس کاوش کو قبول فرما کر مفید ثابت فرمائے، آمین دعواتِ صالحہ میں یاد فرمائیں۔

والسلام (مفتی) عبداللہ المظاہری

۲۲/ جمادی الأولی/ ۱۴۳۵ھ، پیر۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

حضرت مولانا مفتی طاہر صاحب دامت برکاتہم
مفتی مظاہر العلوم سہارنپور، خلیفۂ مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہیؒ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ، اما بعد !

بیماری اور اس کا علاج ومعالجہ گویا انسانی زندگی کے لوازمات میں سے ہے، علاج ومعالجہ کے لئے بھی شریعت نے جائز وناجائز کی حدود مقرر فرمائی ہیں اور اس سلسلہ کے احکامات بیان فرماتے ہیں؛ لیکن بہت سے مسلمان؛ بلکہ بہت سے دیندار حضرات بھی اس کے لئے جائز وناجائز کو دیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے، گویا مریض وڈاکٹر دونوں مرفوع القلم ہیں، مگر یہ خیال غلط ہے شریعت حقہ نے اس موقعہ کے لئے بھی قواعد مقرر فرمائے اور انسان کو آزاد نہیں چھوڑا ہے........... ہاں یہ ضرور ہے کہ ڈاکٹری اور سرجری کی موجودہ ترقیات نے معالجات میں بہت سی نئی نئی صورتیں پیدا کردی ہیں، ان سے جہاں بہت سے طبی فوائد حاصل ہوئے، اس کے ساتھ بہت سے مسائل حلال وحرام کے متعلق پیدا ہوگئے، مثلاً مختلف قسم کے آپریشن (جن میں بعض ضروری اور بعض غیر ضروری ہوتے ہیں) اعضاء انسانی کی پیوندکاری، ایک انسان کا خون دوسرے انسان کے بدل میں داخل کرنا، ضبط تولید کی مختلف صورتیں، مختلف اقسام کے چیکپ وغیرہ...........

ظاہر ہے کہ قرآن وسنت میں ان مخصوص صورتوں کے صریح احکام تو مذکور نہیں ہوسکتے؛ کیوں کہ یہ صورتیں قرونِ اولی میں موجود نہ تھیں؛ لیکن قرآن کریم اور شریعتِ اسلامیہ کا کمال یہ ہے کہ ان کے مقرر کردہ اصول وقواعد میں غور وفکر سے کام لیا جائے تو ہر

نئ صورت کا حکم اس میں موجود نظر آتا ہے، شرط یہ ہے کہ قرآن وسنت کے علوم کو ان کے ماہرین سے پڑھا ہو، پھر اُن میں پورے غور وفکر سے کام لیا ہو، اور اس غور وفکر میں آخرت کی ذمہ داری کے احساس کے ساتھ شرعی حدود میں رہ کر ضرورتوں کو پورا کرنا مقصود ہو خواہشات کو پورا کرنے کے لئے نصوص میں کھینچا تانی اور تاویلات کے در پے نہ ہو۔

الحمد للہ علماء حق نے اس پر بھی توجہ فرمائی، اور معالجہ کی نئ صورتوں کے احکام، شریعت کے مقرر کردہ اصول وقواعد کی روشنی میں بیان فرمائے ،عربی زبان میں اس موضوع پر علماء کے با قاعدہ رسائل بھی ہیں اور مقالے بھی، البتہ اردو زبان میں اس سے متعلق زیادہ مواد نہیں ہے،عزیزانِ گرامی مفتی ابوبکر قاسمی اور مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی نے رسالہ ہذا میں اس ضرورت کو بڑی حد تک پورا کیا ہے، یہ رسالہ معالجہ سے متعلق بیانِ مسائل، علماء کے مابین اختلافی مسائل میں نقلِ اختلاف، اختصار کے ساتھ دلائل کا تجزیہ ،قول راجح کی نشاندہی وغیرہ امور پر مشتمل ہے، زبان سہل وسلیس ہے،عوام وخواص ہر دو کے لئے نفع بخش ہے۔

دعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ قبولیت سے نوازے، اس کے نفع کو عام وتام فرمائے، حضرت مولفین کے ذخیرہ آخرت بنائے۔

العبد طاہر عفا اللہ عنہ

مفتی مظاہر العلوم سہارنفور

۱۴۳۵/۱۲/۳ھ

اہمیت اور ضرورت

سماج اور معاشرے میں طبیب اور ڈاکٹر کا ہونا نہایت ضروری ہے، حالات اوراحوال کے لحاظ سے بھی اطباء کی اہمیت اور ضرورت بہت ہی بڑھ جاتی ہے، اگر اطباء کی ضرورت کی تکمیل نہ کی جائے تو لوگوں کی زندگیوں پر خطرات کے بادل منڈلانے لگیں، اسی مخلوق کے ساتھ شفقت اور ان سے حرج اور مشقت کے ازالہ کے لئے شریعت نے ''علم طب'' کے سیکھنے کی اجازت مرحمت کی ہے

امام نوویؒ کہتے ہیں کہ: ''وأمّا العلوم العقلية فمنها ما هو فرض كفاية كالطب والحساب المحتاج إليه '' (بہرحال علوم عقلیہ ان میں سے کچھ تو فرضِ کفایہ ہیں جیسے طب اور بقدرِ ضرورت حساب)(۱)

امامِ غزالیؒ فرماتے ہیں نے بھی علمِ طب کے سیکھنے کو فرضِ کفایہ قرار دیا ہے۔(۲)

طب کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر مسلمان اطباء کی ضرورت اور اہمیت کافی بڑھ جاتی ہے؛ تاکہ میدانِ طب میں بھی ہم صرف غیر مسلم اطباء پر اعتماد اور تکیہ کئے نہ رہیں، چونکہ اپنے امراض کے سلسلے میں ان کی جانب رجوع سے بہت سارے دینی اور دنیوی نقصانات ہو سکتے ہیں۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ: ''لا أعلم علماً بعد الحلال والحرام أنبل من الطب '' (۳) میں حلال وحرام کے بعد طب سے زیادہ شریف ترین پیشہ نہیں جانتا

---

(۱) روضة الطالبين للنووي:فصل :ومن فروض الكفاية :۱۰/۲۲۳،المكتب الاسلامی ، بیروت ، دمشق ، عمان ، الطبعة الثالثة ،۱۴۱۲/۱۹۹۱م

(۲) حوالۂ سابق (۳) سير أعلام النبلاء :۱۹/۴۲،مؤسسة الرسالة ، بيروت

خود امام شافعیؒ علمِ طب کے ماہر تھے۔

”روی عن بعض الأطباء فی زمانه أنّه قال: ورد الشافعیؒ مصر، فذاکرنی الطب حتی ظننت أنَه لا یحسن غیره“(۱)

”ان کے زمانے کے بعض اطباء سے منقول ہے کہتے ہیں کہ: امام شافعیؒ مصر تشریف لائے تو میں نے ان سے طب کے متعلق مذاکرہ کیا تو مجھے یہ گمان ہوا کہ ان سے بہتر طب کوئی اور نہیں جانتا“

امام موفق الدین بغدادیؒ کہتے ہیں کہ: ”کان مع عظمته فی علم الشریعة وبراعته فی العربیة بصیراً بالطب“ (۲) ان کے علمِ شریعت میں بلند پایہ ہونے اور علومِ عربیت پر مہارت کے ساتھ ان کو علمِ طب کی بھی بصیرت حاصل تھی۔

اسی طرح ابنِ تیمیہؒ، ابن قیمؒ اور امام ذہبیؒ بھی علمِ طب کے ماہر تھے۔

خصوصاً علم طب میں اس وقت آپریشن اور عملِ جراحی کی اہمیت بہت زیادہ ہوگئی ہے، چونکہ اس وقت جنگوں، حادثات کی کثرت، کمپنیوں اور وسائل نقل وحمل کی شکل میں انسانوں کو بے شمار زخموں سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔

علمِ طب میں جہاں ایک طرف حاجت مند، کراہتے، درد وتکلیف سے بلکتے ہوئے مریضوں کے درد کا مداوا اور علاج کیا جاتا ہے، ان کی جان بچائی کی تدبیر کی جاتی ہے، اور ان کو راحت بہم پہونچائی جاتی ہے، وہیں طبیب علم طب کے سیکھنے کے دوران اللہ عزوجل کی قدرت کی نشانیوں اور اس کے حیرت انگیز عجائبات کا مشاہدہ کرتا ہے، اعضائے انسانی کی عجیب ترکیب وتطبیق اور ان کی موضوعیت اور موزونیت اس کو مبتلائے حیرت کئے دیتی ہے، کہ ہر عضو اپنی جگہ صد فیصد فٹ اور موزوں ہوتا ہے، اس کی جگہ دوسرے عضو کے وجود کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، اس کی وجہ سے اس کے ایمان میں مزید

---

(۱) المنهج النبوی للسیوطی: ۹۰
(۲) الطب من الکتاب والسنّة للبغدادی: ۱۸۷

اضافہ ہو جاتا ہے، اس کی ذاتِ باری کے ساتھ وابستگی، اس کے اسماء اور صفات پر اس کا علم اور یقین اور مضبوط اور مستحکم ہو جاتا ہے۔

اسی کو اللہ عزوجل نے یوں فرمایا:

”وَفِی الْأَرْضِ اٰیَاتٌ لِلْمُوْقِنِیْنَ ، وَفِیْ أَنْفُسِکُمْ ، أَفَلَا تُبْصِرُوْنَ“ (۱)

اور یقین لانے والوں کیلئے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ اور خود تمہارے اندر سو کیا تم کو سوجھتا نہیں۔

(۱) سورۃ الذاریات :۲۰-۲۱

طب آداب واحکام

۱- پیشۂ طب میں مہارت:

پیشۂ طب میں مہارت کے لئے ایک تو علمی صلاحیت ولیاقت اور دوسرے مشق وتمرین کی ضرورت ہوتی ہے، مناسب لیاقت اور مشق وتمرین ہی مناسب دوا اور علاج کی فراہمی میں معاون ومددگار ہوتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"نعم یا عباد الله تداووا ، فانّ اللّٰہ عزّوجلّ لم ینزل داء الاّ أنزل له شفاء ، علم من علم وجهل من جهل "(۱)

ہاں اے اللہ کے بندو! دوا اور علاج کرو، چونکہ اللہ عزوجل نے کوئی بیماری ایسی نازل نہیں کی ہے جس کی شفاء نازل نہ کی ہو، اس کا علم بعض لوگوں کو تو ہوا اور بعض لوگ اس سے جاہل رہے۔

اس حدیث میں طب کے میدان میں جدید اکتشافات، بحث وتمحیص اور زود اثر اور فعال دواؤں کی تیاری پر زور دیا گیا ہے، اور ڈاکٹر کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ اپنے فن سے متعلق نئی اور جدید انکشاف پر مطلع ہو؛ چونکہ صحیح اور مناسب حال دواء ہی بیماری کو دفع کرسکتی ہے۔

حضور ﷺ کا یہ بھی ارشادِ گرامی ہے:

"انّ لکلّ داء دواء فاذا أصیب الداء الدواء برئ باذن الله "(۲)

---

(۱) مجمع الزوائد : باب خلق الداء والدواء ، حدیث: ۸۲۷۶" علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے سوائے اس قول کے "عمله من علمه وجهله من جهله " اس کو احمد، طبرانی نے روایت کیا ہے اور طبرانی کے رجال ثقہ ہیں"

(۲) تحفة المحتاج : فصل :۲/۷، دار حراء ، مکة المکرمة

ہر بیماری کے لئے دوا ہے اور جب دوا بیماری کو لگتی ہے تو اللہ کے حکم سے شفا ہو جاتی ہے۔

اور حضور ﷺ نے یہ بھی تاکید کی ہے کہ ڈاکٹر کو چاہیئے کہ اپنے علاج ومعالجہ کے سلسلے میں اپنے پیشہ کے ماہرین سے رجوع کرتا رہے، ورنہ اگر وہ اپنی ناقص معلومات کی بنیاد پر علاج کرے گا تو یہ چیز مریض کے لئے جان لیوا اور مہلک ثابت ہوگی۔

حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے ”من تطبّب ولم يعلم منه الطب قبل ذلك فهو ضامن “(۱) جو شخص جہالت کے ساتھ طبابت کرے تو وہ شخص ضامن ہوگا۔

اور ایک جگہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”انّ اللّٰه يحبّ اذا عمل أحدكم عملاً أن يتقنه “ (۲) ”جب تم سے کوئی شخص کسی کام کو انجام دے تو اس میں مہارت اور پختگی حاصل کرے“۔

صحت شریعت میں نہایت ہی مطلوب اور محمود چیز ہے، صحت مند، توانا شخص ہی عبادتِ خداندی اور اوامرِ خداوندی کو بہترین طریقہ سے انجام دے سکتا ہے، اسلام نے شخصی اور اجتماعی صحت کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا ہے، شخصی صحت ہی اجتماعی صحت کی ضامن ہوتی ہے، اسلام نے صحتِ جسمانی کی اہمیت وافادیت کو جو اجاگر کیا ہے اس کا اندازہ ان آیات سے لگایا جا سکتا ہے، اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں فرمایا:

﴿قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ﴾ (۳)

---

(۱) سنن ابی داؤد : باب فيمن تطبب بغير علم فأعنت، حدیث:۴۵۸۶، حاکم نے اس کو صحیح الاسناد کہا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے: المستدرك : أما حديث شعبة، حدیث:۷۴۸۴

(۲) مسند أبي يعلى :مسند عائشة ،حدیث:۴۳۸۶، حسین سلیم اس نے اس کی سند کو لین کہا ہے، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو ابو یعلی نے روایت کیا ہے، اس میں مصعب بن ثابت ہیں، ان کی ابن حبان نے توثیق کی ہے اور ایک جماعت نے ان کو ثقہ کہا ہے (مجمع الزوائد، باب نصح الأجير واتقان العمل، حدیث:۶۴۶۰) البانی نے اس کو حسن کہا ہے۔

(۳) القصص:۲۶

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"المؤمن القویّ خیر وأحبّ الی اللہ من المؤمن الضعیف فی کلّ خیر" (۱) "طاقتور مؤمن اللہ عز وجل کے یہاں کمزور مؤمن کے مقابل ہر معاملہ میں بہتر اور پسندیدہ ہے"

صحتِ جسمانی کی حفاظت کے لئے نبی کریم ﷺ نے دوا اور علاج کی اجازت مرحمت کی ہے: "داووا فانّ الذی خلق الداء خلق الدواء" (۲) "دوا اور علاج کرو؛ کیونکہ جس ذات نے بیماری پیدا کی ہے اسی نے دواء بھی پیدا کی ہے"۔

۲-نیت کی درستگی:

سب سے پہلی چیز جو طبیب اور ڈاکٹر کے لئے اہم اور ضروری ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنی نیت درست کرے اور اللہ کی رضا اور خوشنودی کو اپنا مطمحِ نظر بنائے، چونکہ نیت کی درستگی یہ دنیوی اعمال کو بھی آخرت والے اعمال بنا دیتی ہے۔

چونکہ جو طبیب اپنے پیشۂ طب سے رضائے خداوندی کا طالب ہوتا ہے تو وہ مریض کی صحت اور نگہداشت کے لئے کوئی کسر نہ اٹھا رکھے گا اور صحیح اور نئی معلومات کی روشنی میں اس کا علاج کرے گا، اور حتی المقدور مریض کی صحت کی بحالی کے لئے کوشاں ہوگا، صرف پیسہ اور کاروبار یہ ڈاکٹر کے پیشِ نظر نہ رہے، ورنہ پھر علاج میں کمی اور کسر رہ جائے گی۔

۳- اخلاق کی پاکیزگی:

طبیب کے لئے ایک اہم اور ضروری چیز اخلاق کی پاکیزگی اور درستگی ہے نبی کریم ﷺ

---

(۱) اکمال المعلم شرح صحیح مسلم: باب فی الامر بالقوة: ۸/۷۷

(۲) مسند احمد: مسند انس بن مالك: حدیث: ۱۲۵۹۶، مؤسسة الرسالة، بیروت، شعیب الأرنؤط نے اس کو صحیح لغیرہ کہا ہے اور اس سند کو حسن قرار دیا ہے، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں، سوائے عمران العمّی کے، ان کی ابن حبان وغیرہ نے توثیق کی ہے اور ابن معین وغیرہ نے ان کو ضعیف کہا ہے۔ (مجمع الزوائد: باب خلق الداء والدواء: حدیث: ۸۲۷۵)

نے فرمایا: ”انّ من خیار کم أحسنکم أخلاقاً “(۱)”تم میں بہتر لوگ وہ ہیں جو اخلاق و عادات میں بہتر ہوں“۔

۴- مواقعِ شبہات سے دور رہے:

طبیب اور ڈاکٹر کے لئے یہ بھی اہم اور ضروری چیز ہے کہ مواقعِ شبہات سے دور رہے، یعنی اسکی شرافت و عظمت سے فروتر اس کی کوئی سرگرمی نہ ہو، کہ اس کی وجہ سے اس کو پھر کبھی عذر و معذرت سے کام لینا پڑے اور اس سے اس پیشہ کا وقار گھٹ جائے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: ”کنّا ندع تسعة اعشار الحلال مخافة أن نقع فی الحرام “ (۲)”ہم نو فیصد حلال چیزیں حرام میں پڑنے کے اندیشے سے چھوڑ دیتے تھے“۔

لہٰذا ڈاکٹر کو چاہئے کہ وہ اپنے پیشۂ طب کے ساتھ اسی سے متعلق کوئی ایسا پیشہ اختیار نہ کرے کہ اسے اپنے طبابت کے دوران اس پیشہ اور کاروبار کے مفاد کو ملحوظ رکھنا پڑے، اس طرح کہ وہ اپنے طبابت کے ساتھ میڈیکل اسٹور بھی چلائے اور مریض کے لئے ایسی دوائیں تجویز کرے جس میں اس کا نفع زیادہ ہوتا ہو؛ حالانکہ ان ادویہ کی تجویز کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ مریض کے نفع کو ملحوظ رکھے۔

۵- صبر و ضبط سے کام لے:

یہ حقیقت ہے کہ پیشۂ طب ایک عظیم تر پیشہ ہے، اس کی شرافت و عظمت کو بتلانے کے لئے صرف یہ بتلا دینا کافی ہے کہ اللہ عز و جل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بطورِ معجزہ کے مختلف پیچیدہ امراض کی شفاء ان کے دستِ مبارک میں رکھی تھی: ﴿وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ (ال عمران:۴۹) عالم، جاہل، واقف، ناواقف ہر قسم کے لوگوں سے اسے واسطہ پڑتا ہے، ان سے کچھ کڑوی کسیلی بھی سننی پڑتی ہے، اس پر صبر و ضبط سے کام لے، اسی صبر و ضبط کی تعلیم دیتے ہوئے اللہ عز و جل نے فرمایا: ﴿وَإِنْ

(۱) بخاری، باب صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ۳۵۵۹، دار طوق النجاة

(۲) إحیاء علوم الدین: کتاب تفریق الصدقات و کتاب الوقف، حدیث: ۹۵/۲، دار المعرفة، بیروت

تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ﴾ (ال عمران:۱۸۶) یعنی صبر وضبط سے وہی کام لیتے ہیں جو اولوالعزمی اور ہمت واستقامت کے پہاڑ ہوتے ہیں۔

۶- جدید طبی معلومات پر عبور حاصل کرے

طبیب کو چاہئے کہ وہ جدید علمی وطبی اکتشافات کا علم رکھے، نئ نئ معلومات کو حاصل کرے؛ تاکہ اپنے بیماروں اور مریضوں کا بہتر اور اچھا علاج کرسکے، اوران کونئ اکتشافات کے نتیجے میں حاصل ہونے والے علوم اور تجربات کی روشنی میں علاج مہیا کرسکے۔

طبیب کو چاہئے کہ وہ نئے اکتشافات اور دریافت کا کھوجی اور متلاشی ہو؛ تاکہ وہ نئے طریقۂ علاج کے ذریعہ مریضوں کے حق میں سہولت بہم پہنچا کر ان کا دل موہ لے،علم یہ شرف وعزت کا سبب ہوتا ہے اور لاعلمی اور جہالت یہ ناکامی، رسوائی اور ذلت کا پیش خیمہ ہوتی ہے،حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کہتے ہیں: ''من عمل بغیر علم کان ما یفسد اکثر ممّا یصلح'' (۱) جو بغیر علم کے عمل کرتا ہے تو اس کے نقصانات اور بگاڑ کی مقدار اس کے منافع اور اصلاحات کے مقابل زیادہ ہوتی ہے۔

۷- ہر وقت اللہ سے مدد کا طالب ہو:

مسلمان ڈاکٹر کو چاہئے کہ وہ بیماروں کے علاج میں اللہ سے مدد اور معونت طلب کرتا رہے، اپنے کام کو ''بسم اللہ'' سے شروع کرے کہ جو اللہ کرے وہی ہوتا ہے جو وہ نہ چاہے تو کچھ بھی نہیں ہوتا، اس طرح اس کے دل میں ایک طرح کا سکون اور اطمینان حاصل رہے گا اور وہ علاج ومعالجہ کے سلسلے میں محض اپنی ذات پر اعتماد کے بجائے ذاتِ خداوندی کو بھی اپنے کام کا شریک بنالے گا، اس طرح اس کا توکل اور یقین بھی بڑھتا جائے گا،صرف اپنے قوتِ بازو اور اپنی طاقت پر اعتماد اور اپنے تجربہ اور معلومات پر اکتفا یہ اس کے لئے لائق اور شایانِ شان نہیں ہے، ورنہ پھر اللہ عزوجل اس کو اپنے اوپر اعتماد

---

(۱) شعب الإیمان للبیهقی، فصل فی فضل السکوت عن کل ما لا یعنیه ، حدیث:۵۰۲۱،دار الکتب العلیمیه بیروت

اور بھروسہ کرنے کی وجہ سے اس کو خود اس کی ذات کے حوالہ کردیں گے اور پھر وہ عاجز اور بے بس ہو کر رہ جائے گا۔

علامہ ابنِ تیمیہؒ جب ان کے لئے کسی کتاب کا سمجھنا مشکل ہوتا تو یوں کہا کرتے "اَللّٰهُمَّ يَا مُعَلِّمَ آدم علیہ السلام وابراهيم علیہ السلام علمني ويا مفهِّمَ سليمان علیہ السلام فهِّمنِيْ " (۱) "اے اللہ! اے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سکھانے والے مجھے بھی سکھلا دے اور اے وہ سلیمان علیہ السلام کو سمجھانے والے مجھے بھی سمجھ عطا فرما"۔

۸- لوگوں کے ساتھ ان کے مقام و مرتبہ کا لحاظ سلوک کرے:

جس ڈاکٹر کے پاس لوگ آئیں تو وہ انہیں ان کا مقام دے، حدیث میں ہے "جب تمہارے پاس کسی قوم کا شریف شخص آئے تو س کا اکرام اور اس کی عزت کرو"

دنیا اور آخرت میں ہر شخص برابر نہیں ہوتا، عالم اور جاہل برابر نہیں ہوسکتے اور نہ ہی سخی اور بخیل برابر ہوسکتے ہیں، اس کا مطلب یہ نہیں کہ غریب وفقیر کو کوئی اہمیت نہ دے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کے ساتھ اچھا سلوک اور برتاؤ کرے ،لوگوں میں سے ہر شخص کو اس کا مقام دے۔

دورِ رسالت میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ کے پاس لائے، اور فرمایا: اے اللہ کے رسول ﷺ! "ان اباسفيان رجل يحبّ الفخر" (ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو کوئی اعزاز چاہئے) تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ومن دخل دار ابی سفيان فهو آمن" جو شخص ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے اسے بھی امن ہے۔(۲)

(۱) مجلة البحوث الاسلامية ، الاسباب التى تعين على التغلب :۱۶۰/۸۷

(۲) معرفة السنن والاثار : المسلم يدخل دار الحرب فيشترى : حدیث:۵۹۸۴، علامہ بوصیری فرماتے ہیں: ہمارے شیخ ابوالفضل العسقلانی نے کہا ہے کہ: یہ حدیث صحیح ہے۔(اتحاف المهرة بزوائد العشرة :۸۹/۵)

۹- مریض کی بات بغور سنے:

ڈاکٹر کو چاہئے کہ مریض کی بات بغور سنے اور اس کو بات کرنے کا موقع فراہم کرے اور گفتگو کے دوران اس کی بات کو نہ کاٹے، یہ بہت بڑا اخلاقی وصف ہے، آپ ﷺ بھی مخاطب کو بات کرنے کا موقع فراہم کرتے تھے، ایک دفعہ عتبہ بن ربیعہ حضور ﷺ کے پاس آیا، اس نے کہا: اے بھتیجے! نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اسمع ابوالولید (ابو الولید! میں سن رہا ہوں) آپ ﷺ نے عتبہ سے کچھ کہا: پھر جب وہ فارغ ہوگیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "قد فرغتَ یا اباالولید" (ابوالولید کیا تم فارغ ہو گئے) اس نے کہا: ہاں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: میری بات سنو، پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کو سورۂ ''فصلت'' پڑھ کر سنائی۔

طبیب کو بھی مریض کے اپنے تمام احوال اس کے سامنے رکھنے کا موقع دینا چاہئے، کہ کچھ بات اس کے دل میں رہ جائے جس کا وہ اظہار نہ کر سکے اور اس کو اس کا ملول ہو اور وہ بعد میں مطمئن نہ ہو۔

۱۰- تواضع اختیار کرے:

ڈاکٹر کو چاہئے کہ وہ متواضع رہے، اور وہ اللہ عزوجل کے اس کو اس خدمتِ انسانی کے پیشہ سے جوڑنے پر اس کا شکر بجالائے، کہیں شیطان اسے اپنی ذات پر اعتماد کا سبق نہ پڑھادے کہ اسی سے شفایابی اور صحت یابی ہوئی ہے، اس کی ذہانت وفطانت نے مریض کے اچھے ہونے میں کام کیا ہے، بلکہ اسے عنایتِ خداوندی اور فضلِ ربانی سمجھے، کہ اللہ عزوجل نے اس کے ہاتھ میں شفا رکھی ہے، اس تواضع سے اس کی معلومات میں اور اس کی عزت اور شرافت میں مزید اضافہ ہوگا۔

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ: شیطان کی ایک تدبیر یہ ہوتی ہے کہ وہ صاحبِ رتبہ وحیثیت شخص کے دل میں یہ خیال ڈالے کہ وہ غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ خندہ پیشانی اور خوش روی کا مظاہرہ نہ کرے، بلکہ ان کے ساتھ سختی، تندی اور ترش روی کا مظاہرہ کرے، ورنہ اس کا وقار گھٹ جائے گا اور وہ لوگ اس پر جری ہوجائیں گے۔

............اس طرح کے خیالات کے ذریعہ وہ اس کو تو لوگوں کی دعاؤں اور ان کی محبت سے محروم کردیتا ہے اور لوگوں کو اس کے نفع سے محروم کردیتا ہے:

”انه يأمرك أن تلقىٰ المساكين وذوى الحاجات بوجه عبوس ولا تريهم بشرا ولا طلاقة فيطمعوا فيك“(۱)

۱۱- احکامِ شرعیہ کی ضروری جان کاری حاصل کرے:

ڈاکٹر کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اسے عبادات وغیرہ سے متعلق احکام معلوم ہوں؛ چونکہ لوگ کبھی ڈاکٹر سے وہ مسائل جو عبادات صحت اور مرض سے متعلق ہوتے ہیں اس کا سوال کرتے ہیں، جانکاری نہ ہونے کی صورت میں خود یہ بھی اور مریض بھی ممنوعاتِ شرعیہ کے مرتکب ہوسکتے ہیں؛ لہٰذا بیماری کی حالت میں جو رخصتیں عبادات کے حوالے سے ہیں یا جہاں وہ رخصتیں چسپاں نہیں ہوتیں اس کا علم رکھے کہ وہ بیمار جانکاری کے نہ ہونے کی وجہ سے ان عبادات کو ترک کرکے نہ بیٹھ جائے۔

۱۲- جھوٹی گواہی نہ دے:

طبیب کو جب گواہی کی یا کسی طبی جانچ اور رپورٹ کو پیش کرنے کی ضرورت ہو تو حقیقت پر مبنی رپورٹ پیش کرے، قرابت داری، اعزاء پروری، دوستی، محبت وغیرہ یہ چیزیں خلافِ واقعہ رپورٹ دینے پر اسے مجبور نہ کریں اور جھوٹی گواہی نہ دے۔

نبیٔ کریم ﷺ نے ایک دفعہ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے کہا:”ألا أنبئكم بأكبر الكبائر“(کیا میں تم کو کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ نہ بتاؤں، صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: کیوں نہیں؟ اللہ کے رسول ﷺ! نے فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، پھر آپ ﷺ تھوڑی دیر خاموش رہے اور فرمایا: ”وقول الزور“ (جھوٹی گواہی) اور سن لو جھوٹی گواہی، حضور ﷺ اس کو مکرر فرماتے رہے یہاں تک کہ یہ خدشہ ہونے لگا کہ آپ ﷺ خاموش نہ ہوں گے۔(۲)

(۱) اغاثة اللهفان : فصل ومن مكائده أنه يأمرك :۱۲۰/۱، دار المعرفة ، بيروت ،الطبعة الثانية : ۱۳۹۵-۱۹۷۵

(۲) بخاری: باب من اتكأ بين يدى أصحابه ،حدیث:۶۲۷۳

ایسے ہی اگر کبھی مریض طبی رپورٹ طلب کرے تو یوں ہی اسے منع نہ کردے؛ چونکہ یہ رپورٹ شہادت کے درجہ میں ہوتی ہے اور اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ﴾ (البقرة : ۲۸۲)

۱۳- بیمار کے راز پوشیدہ رکھے:

ویسے تو ہر مسلمان کے لئے یہ لازم اور ضروی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے راز پوشیدہ رکھے، ڈاکٹروں کے لئے تو یہ نہایت ضروری اور اشد چیز ہے؛ چونکہ بیمار ڈاکٹر کے سامنے رضا کارانہ طور پر اپنے امراض کو ظاہر کرتا ہے، ڈاکٹر کو چاہئے کہ بیماری کی جو کوئی بھی معلومات اسے ہوں وہ اسے راز میں رکھے، اس کے امور اور امراض کا دوسروں سے اظہار نہ کرے۔

نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: " من ستر مسلما سترهُ الله فی الدنیا والاٰخرة " (۱) "جو شخص کسی مسلمان کی عیب پوشی کرے تو اللہ عزوجل دنیا اور روزِ قیامت اس کی پردہ پوشی کریں گے"۔

ہاں اگر احوال ایسے ہوں کہ بیمار کے امراض کے چھپانے میں زیادہ ضرر اور نقصان کا اندیشہ ہو تو اس کے مقابلہ میں بیماری کے اظہار کے چھوٹے ضرر کو برداشت کیا جائے گا، مثلاً: یہ کہ کوئی شخص کسی وبائی مرض میں مبتلا ہے جس سے دوسروں کے متأثر ہونے کا اندیشہ ہو تو خصوصی لوگوں کو اس کی اطلاع دینا یا شوہر ایڈز وغیرہ میں مبتلا ہو تو اس کی بیوی کو اس سے باخبر کرنا درست ہے۔

۱۴- کسی شرعی یا علمی جواز کے بغیر علاج سے نہ رکے:

ڈاکٹر کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ بغیر کسی عذرِ شرعی یا علمی کے کسی کے علاج سے رک جائے، اور ایسی دوا تجویز کرے جس سے ظنِّ غالب شفاء کا ہو، ایسے ہی حرام ادویہ جیسے نشہ آور چیزیں تجویز نہ کرے اگر مباح سے اس جگہ کام چل سکتا ہو۔

جب نسخہ لکھے تو واضح تحریر میں لکھے کہ میڈیکل والے کو دوائی دینے میں غلطی نہ ہو۔

---

(۱) بخاری: باب لا يظلم المسلم المسلم، حدیث: ۲۴۴۲

ڈاکٹر کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ بیمار کو دوا کا طریقۂ استعمال، اوقات، اور دوا کے استعمال کے دوران رونما ہونے والے اثرات بتلا دے۔

غیر ضروری دوا تجویز نہ کرے، طبی اصول کے مطابق دوا تجویز کرے۔

۱۵- بغیر کسی ضرورت کے حدودِ شرع کو نہ تجاوز کرے:

ڈاکٹر کو چاہئے کہ ممنوعاتِ شرعیہ کو بقدرِ ضرورت استعمال کرے، بیمار کی شرمگاہ بقدرِ ضرورت دیکھنا اور اس کا مس (چھونا) کرنا جائز ہے،، جب ڈاکٹر جانچ پڑتال کر چکے تو اب اس کے بعد بغیر کسی ضرورت کے اس کی شرمگاہ کا دیکھنا اور اس کا مس کرنا بالکل ناجائز اور حرام ہوگا چونکہ فقہی قاعدہ ہے "ما جاز لعذرٍ بطل بزواله" جو چیز عذر کی وجہ سے جائز ہوتی ہے وہ عذر کے ختم ہونے پر اس کا جواز بھی ختم ہو جاتا ہے۔(۱)

اس بارے میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ﴾ (النور:۳۰)

۱۶- مریض کی بھلائی کے لئے اس کی جان ختم نہ کردے:

ڈاکٹر کے لئے جائز نہیں کہ وہ مریض کی بھلائی کے لئے یا بجذبۂ رحم اس کی جان لے لے، چونکہ یہ بھی قتلِ نفس شمار ہوگا جس کو اللہ عزوجل نے حرام کہا ہے، لہٰذا ڈاکٹر کو کسی بھی صورت میں مریض کی جان کو ختم کر دینے کا اختیار نہ ہوگا، مثلاً کوئی بیمار شخص جو اپنی زندگی اور بیماریوں سے تنگ آچکا ہے تو اس کی تکلیف اور موت وزیست کی کشمکش کو ختم کرنے کے لئے اور اس کی اس ڈانواں ڈول زندگی پر ترس کھا کر اس کی جان ہی ختم کردے، خواہ یہ اس مریض کے مطالبہ پر ہو یا اس کے رشتہ داروں کے مطالبہ پر، بہر صورت اس طرح جان کو ختم کر دینا جائز نہیں۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلے ایک شخص کو ایک زخم تھا، اس نے اس زخم کی تاب نہ لا کر ایک چھری لی اور اس سے اپنا ہاتھ کاٹ لیا، خون رکا نہیں اور اس سے اس کی موت واقع ہوگئی، اللہ عزوجل نے فرمایا: بندے نے بذاتِ خود میرے پاس آنے میں

(۱) الاشباہ والنظائر :۱/۸۶،دار الکتب العلمیة ،بیروت

جلدی کی؛ لہٰذا میں نے اس پر جنت حرام کردی: ”بادرنی عبدی بنفسه حرمّت عليه الجنة “(۱)

۱۷- بیمار کو حکمت اور نرمی کے ساتھ مرض بتلائے:

اگر مریض ڈاکٹر سے بیماری کے بارے میں دریافت کرے تو پوری دانش مندی اور حکمت عملی کے ساتھ اس بیماری کا اظہار کرے، بیمار کا ربط اور تعلق اللہ عزوجل سے قائم کرے، اس کے ساتھ لطف و مہربانی کا رویہ اختیار کرے، اس کی ڈھارس بندھوائے، ان امور کی اہمیت کو بتلاتے ہوئے نبئ کریم ﷺ نے فرمایا:

”من فرّج عن مسلم كربة من كرب الدنيا ، فرّج الله عنه كربة من كربات يوم القيامة “(۲)

”جو شخص کسی مسلمان سے دنیا کی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت دور کرے تو اللہ عزوجل اس کے آخرت کی پریشانیوں میں سے کسی پریشانی کو دور کریں گے“

۱۸- خندہ پیشانی اور خوش خلقی کا مظاہرہ کرے:

ڈاکٹر کو چاہئے کہ خلیق، ملنسار، ہنس مکھ اور خوش مزاج ہو، مریضوں سے خندہ پیشانی اور کھلے مزاج سے ملے، اچھی طرح ان کے احوال دریافت کرے، حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ”تبسّمك فی وجهه أخيك صدقة “(۳) تمہارا اپنے بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملنا صدقہ ہے۔

اپنی آواز پست رکھے، زیادہ زور شور سے نہ بولے؛ چونکہ ارشادِ خداندی ہے: ﴿وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِك﴾ (لقمان:۱۹) اپنی آواز پست کر۔

چونکہ اگر بلند آواز اور زور سے بولنا کمال کی چیز ہوتی تو اللہ عزوجل نے اس

---

(۱) بخاری تعلیقاً : باب ما ذکر عن بنی اسرائیل : حدیث:۳۴۶۳

(۲) المعجم الأوسط : من اسمه احمد ،حدیث:۱۷۸

(۳) ترمذی : صنائع المعروف ،حدیث:۱۹۵۶،ابوعیسی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔

وصف کو گدھے کے لئے بیان کیا نہ ہوتا۔

۱۹- بیماروں کے سامنے دوسرے ڈاکٹروں پر تنقید نہ کرے:

ڈاکٹر کو اپنے حوالے سے غور وفکر چاہئے ، اپنے امور میں مہارت ، دقت اور کاموں پر اسے دھیان کرنا چاہئے ، نہ یہ کہ اپنے دیگر ڈاکٹروں کی نقائص واوصاف کو بیان کرنے میں لگا رہے:﴿وَلا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضاً﴾(الحجرات :۱۲)

دو اہم ملاحظے:

(۱) اس کتاب میں ''ضرورت'' اور ''حاجت'' کا لفظ اصطلاحی معنی میں استعمال ہوا ہے نہ کہ عرفی معنی میں ، اہل علم ''ضرورت'' اور ''حاجت'' کی تفصیلات جانتے ہیں۔

(۲) جو آپریشن ناجائز ہے اس کی اجرت بھی ناجائز ہے ، کتاب الاِجارۃ میں یہ اصول مشہور ہے۔

۱- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعاً﴾ (المائدہ: ۳۲)

اللہ عزوجل نے اس آیت کریمہ میں اس شخص کی تعریف وتوصیف کی ہے جو بقائے نوع انسانی کے لئے کام کرتا ہے، اور انسانیت کو ہلاکت سے بچاتا ہے۔

آپریشن بھی نوع انسانی کو ہلاکت سے بچانے کا ایک عمل ہے، چونکہ بہت سارے امراض وہ ہوتے ہیں جس میں انسان کو آپریشن اور عمل جراحی کی ضرورت ہوتی ہے بصورت دیگر اس کی ہلاکت کا اندیشہ ہوتا ہے۔

۲- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم احتجم فی رأسه" (۱) "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر میں پچھنا لگایا"۔

۳- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: "أنه عاد مریضاً ثم قال: لا ابرح حتی تحتجم، فإنی سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "ان فیه شفاء" (۲) کہ انہوں نے ایک بیمار کی عیادت کی؛ پھر فرمایا: میں اس کے پچھنا لگانے تک یہاں سے نہیں جاؤں گا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس میں شفاء ہے۔

---

(۱) بخاری باب الحجامة علی الرأس، حدیث: ۵۳۷۳

(۲) المستدرك: کتاب الطب، حدیث ۷۳۶۶، بخاری: باب الحجامة من الداء، حدیث ۵۳۷۲، حاکم نے اس کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور علامہ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

۴- حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: "ان أمثل ما تداویتم به الحجامة والقسط البحری" (۱)

ان احادیث میں پچھنا لگانے کی ترغیب دی گئی ہے، اور اس سے دواء اور علاج کے صحیح ہونے کو بتلایا ہے، اور پچھنا لگانے کے لئے جسم کے ایک خاص حصہ کو شق کرنا اور چیرنا پڑتا ہے، جس سے خونِ فاسد کا اخراج کیا جاتا ہے۔

موجودہ دور کے آپریشن کی نوعیت بھی اسی طرح کی ہوتی ہے بلکہ آپریشن اس کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔

۵- مسلم شریف کی ایک حدیث ہے: "بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم الى أبى بن كعب طبيبا، فقطع منه عرفاً ثم كواه عليه" (۲)

یہاں پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طبیب کے رگ کے کاٹنے اور اس پر داغنے کو منع نہیں کیا اور لوگوں کا کاٹنا بھی دراصل یہ موجودہ دور کے آپریشن ہی کی ایک شکل ہے۔

۶- حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوۂ احد میں زخمی ہونے کا ذکر ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور سے خون دھونے لگیں جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ دیکھا کہ پانی کی وجہ سے خون مزید بڑھتا جارہا ہے تو انہوں نے ایک حصیر کو جلایا، اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم پر لگادیا: "عمدت الى حصير حرقتها، والصقتها على جرح رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم" (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اس طرح کے خون کو روکنے کے عمل کو جائز رکھا۔

۷- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جس کو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

---

(۱) بخاری: باب الحجامة من الداء، حدیث ۵۶۹۶

(۲) مسلم باب لکل داء دواء، حدیث ۲۲۰۷

(۳) بخاری: باب المجن ومن يتترس بترس، حدیث: ۲۷۴۷

”الفطرة خمسٌ اوخمس من الفطرة الختان، والاستحداد، وتقليم الأظفار وقص الشارب “(۱)

اس حدیث میں ذکر کردہ ختنہ بھی آپریشن کی ایک شکل ہے، جس کو شریعت نے مشروع کیا ہے اور اس کو امور فطرت میں شمار کیا ہے۔

آپریشن کا جواز اجماع سے

موجودہ آپریشن کی کامل اور مکمل، اور ترقی یافتہ شکل تو گذشتہ ادوار میں نہیں ملتی، البتہ آپریشن کی قبیل کے کچھ نمونے پہلے ہی سے موجود تھے، رگوں کا کاٹنا، پچھنا لگانا، اعضاء کا قطع کرنا، اس قسم کے آپریشن کو اسلاف نے غلط باور نہیں کیا ہے، اور نہ اس کا انہوں نے انکار کیا ہے؛ بلکہ انہوں نے اس کے جواز اور اباحت کی بات کہی ہے۔

چنانچہ امام ابوالولید محمد بن احمد بن رشد (الجد) کہتے ہیں۔

”لااختلاف أعلمه فى أن التداوى بما عدا الكى من الحجامة وقطع العروق وأخذ الدواء مباح فى الشريعة غير محظور“(۲)

اس بارے میں مجھے کسی اختلاف کا پتہ نہیں ہے کہ داغنے کے علاوہ پچھنا لگانا، رگوں کا کاٹنا اور دوا وعلاج کرنا شریعت میں مباح اور جائز ہے، ممنوع نہیں ہے۔

گذشتہ دور کے علماء نے آپریشن کے بارے میں مستقل کتابیں لکھی ہیں تالیفات میں محمد بن زکریا الرازی کی ”کتاب الحاوی “ ہے اور زہراوی کی ” التصريف لمن عجز عن التأليف“ ہے محمد علی القریلانی کی کتاب ” الأسقام والأبرام فی علاج الجراحات والأورام“ ہے۔

شریعت نے مشقت اور تکلیف کے دفع کرنے اور بندے سے تکلیف دور کرنے کا خاص اہتمام کیا ہے، اور بندے کے لئے سہولت اور آسانی پیدا کی ہے۔

---

(۱) بخاری: باب قص الشارب ،حدیث:۵۵۵

(۲) المقدمات المهمات لا بن رشد ۳/ط الاولى مطبعة السعادة بمصر

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ﴾ (الحج:۷۸)

﴿ يُرِيدُ اللَّهُ أَن يُخَفِّفَ عَنكُمْ وَخُلِقَ الإِنسَانُ ضَعِيفًا ﴾ (النساء:۲۸)

امام شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ:

"لا یمنع قصد الطبیب لسقی الدواء المر، وقطع المتاكلة وقلع الاضراس الوجعة، وبط الجراحات، وأن يحمى المريض ما يشتهيه ،وان كان يلزم منه اذية المريض؛لأن المقصود إنما هو مصلحة التى هى أعظم وأشد فى المراعاة من مفسدة الايذاء التى هى بطريق اللزوم وهذا شأن الشريعة أبداً"(۱)

"طبیب کو کڑوی دوا پلانے، اور خارش زدہ ہاتھ کو کاٹنے، اور تکلیف دہ دانت اکھاڑنے اور زخموں کے چیرنے سے نہیں روکا جائے گا، اور وہ بیمار کو خواہش کے مطابق کھانے سے بھی روک سکتا ہے اگرچہ مریض کو اس سے تکلیف ہو اس لئے کہ یہاں جو مصلحت پیش نظر ہے وہ اس تکلیف کے مفسدہ سے بڑھ کر ہے"

(۱) الموافقات للشاطبی کتاب الاحکام:۱۲۷/۲،دارالمعرفة بیروت

جائز آپریشن

یہ عمل جراحی جس کی شریعت نے اجازت دی ہے اور اس کو جائز کہا ہے یا تو اس کا مقصد مریض کا علاج کرنا ہوگا یا ولادت کا آپریشن ہوگا جس میں حاملہ عورت یا اس کے بچہ کی جان بچانا ہوگا یا اس عمل جراحی کا مقصد مریض کی بیماری اور اس کے مرض کی نوعیت کی جانچ ہوگی۔

یا اس آپریشن کا مقصد اجزاء جسمانی کی ترکیب اور اس کے علاج کے طریقوں کی معلومات حاصل کرنا ہوگا، جیسا کہ علی اختلاف الاقوال پوسٹ مارٹم میں ہوتا ہے۔

آپریشن کی بنیادیں:

آپریشن والی بیماری کی جانکاری کے لئے میڈیکل ٹسٹ کا ثبوت، اس میڈیکل ٹسٹ اور طبی جانچ کا ثبوت ان وجوہات کی وجہ سے ہے:

۱- جب شریعت نے آپریشن کی اجازت دی ہے تو اس کے ساتھ ساتھ اس کے لوازمات اور اس سے متعلق ضروری چیزوں کی بھی اجازت خود بخود ثابت ہوجائے گی۔

۲- آپریشن اور عمل جراحی کا جواز اس کے اسباب اور دواعی کے پائے جانے پر موقوف ہے اور اس کا پتہ چلے گا طبی جانچ کے ذریعہ تو طبی جانچ بھی جائز اور مشروع ہوگی۔

۳- اس طبی اور ٹسٹ کے ذریعہ ہی عمل جراحی اور آپریشن کے ضروری یا غیر ضروری ہونے کا پتہ چلے گا، ضرورت کے نہ ہونے کی صورت میں اس کے اضرار و نقصانات سے بچایا جاسکے گا؛ اس لئے کہ اگر ڈاکٹر بغیر کسی طبی جانچ کے

محض ظن اور تخمین کی بنیاد پر آپریشن کریں گے تو اس سے لوگوں کی جان کو خطرہ ہوگا۔

اور اس طرح لوگوں کو بے جا ہلاکت اور مصیبت میں ڈالنا ہوگا جو شرعاً ممنوع ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ (البقرہ:۱۹۵)

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾ (النساء:۲۹)

مرض کی تفتیش اور تحقیق کے لئے سترعورت کھولنے کا حکم:

بعض آپریشن والے امراض کی تفتیش کے لئے مریض کا ستر کھولتے ہیں خصوصاً ان امراض میں جو پیشاب کی راہوں اور اعضاء تناسل، اور ڈیلیوری وولادت سے متعلق ہوتے ہیں بعض اوقات ان جگہوں کا ایکسرا ضروری ہوتا ہے، اور بسا اوقات اس کے لئے پیچھے یا آگے کی راہ سے کچھ کلر (رنگ) اندر داخل کرتے ہیں جس سے ایکسرا واضح آتا ہے۔

اس قسم کے احوال میں مریض کا اپنی شرمگاہ کھولنے کا شرعی حکم کیا ہے؟

اور ڈاکٹر اور اس کی مددگار ٹیم کا اس بارے میں کیا رویہ ہونا چاہیے؟

اصل شریعت کا حکم تو یہ ہے کہ مرد یا عورت کا دوسروں کے سامنے اپنی شرمگاہ کا کھولنا حرام ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے:"لا ینظر الرجل الی عورة الرجل ولا المرأة الی عورة المرأة"(۱) نہ مرد، مرد کی شرمگاہ دیکھے اور نہ عورت، عورت کی شرمگاہ دیکھے۔

اور فقہاء نے سترعورت کھولنے کی حرمت کا فتوی نقل کیا ہے

ابن جزی کہتے ہیں:" العورة یجب سترها عن أعین الناس إجماعا"(۲) سترعورت کا لوگوں کی نگاہوں سے چھپانا بالاجماع واجب ہے۔

(۱) مسلم باب تحریم النظر الی العورات ،حدیث:۲۶۶

(۲) قوانین الاحکام الشرعیة لا بن جزی:۲۹

امام عزالدین بن عبدالسلام کہتے ہیں:

"ستر العورات والسوء ات واجب ، وهو من أفضل المروء ات وأجمل العادات ولا سيما في النساء الاجنبيات"(۱)

''ستر عورت اور شرمگاہ کا چھپانا واجب ہے، اور یہ انسانیت ، مروت اور بہترین عادات کے قبیل کی چیز ہے،خصوصاً اجنبی عورتوں سے اس کو چھپانا''

آگے کہتے ہیں:

"لكنهٔ يجوز للضرورة والحاجات" (۲) یعنی صرف ضرورت اور حاجت کے تحت انسان کو اپنی شرمگاہ کھولنے کی اجازت ہے۔

شرعی قاعدہ ہے: "الضرورات تبيح المحظورات" (۳)

حاجت اور ضرورت یہ ممنوعات کو مباح کر دیتی ہے۔

ایک قاعدہ ہے:"الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة أو خاصَّة" (۴) حاجت کو ضرورت کے درجہ تسلیم کیا جائے گا خواہ وہ حاجت عمومی ہو یا خصوصی۔

ضرورت کے تحت شرمگاہ کو دیکھنے کی اجازت یا تو میاں بیوی کو ہوتی ہے یا ڈاکٹروں کو علاج ومعالجہ کے لئے ؛ لہٰذا ضرورت کے تحت ڈاکٹر اور اس کے معاون عملہ کو بقدر ضرورت اس وقت دیکھنے کی اجازت ہوگی جب کہ یہ ضرورت کسی دوسرے ذریعہ سے پوری نہ ہوسکتی ہو۔

اس لئے ڈاکٹر اور اس کے ساتھ معاون عملہ اسی جگہ کو دیکھے جس کے دیکھنے کی

---

(۱) قواعد الاحكام لا بن عبدالسلام :۱۲۵/۲،مكتبة الكليات الأزهرية القاهره

(۲) حوالہ سابق (۳) الأشباه والنظائر لا بن نجيم :۸۵

(۴) الأشباه والنظائر لا بن نجيم:۸۹

ضرورت ہو، اور اسی وقت کیوں کہ اصل حکم تو شرعاً شرمگاہ کو کھولنے اور اس کو دیکھنے دونوں کے حرام ہونے کا ہے۔

چوں کہ شرعی قاعدہ ہے:" ما اُبیح للضرورة یُقدَّ بقدر الضرورة" (۱) اس لئے ضرورت کے بقدر ہی دیکھے۔

سن کرنے کے احکام:

عمل جراحی اور آپریشن کے لئے ایک پرخطر مرحلہ سن کرنے کا بھی ہوتا ہے، اس سے جسم انسانی کو آپریشن کے لائق اور اس کے لئے قوت برداشت کرنے کے قابل بنایا جاتا ہے، یہ آپریشن کے مراحل میں سے نہایت پرخطر مرحلہ ہوتا ہے جس میں جان کے چلے جانے کا اندیشہ بھی ہوتا ہے۔

عربی میں اس عمل کو "تخدیر" کہتے ہیں جس کے معنی سست کرنے اور بے حرکت کرنے کے آتے ہیں۔

اطباء کی اصطلاح میں ایسا علم ہے جس کا مقصد ان ذرائع کو معرفت اور اس کا استعمال ہے جس کی وجہ سے مریض میں جزو یا مکمل حس ختم ہو جاتی ہے جس کا مقصد آپریشن ہوتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ سن کرنا اس لئے ہوتا ہے کہ عمل جراحی اور آپریشن کے دوران ڈاکٹر پرسکون طریقہ پر اپنا کام انجام دے، مریض کی تکلیف کے باعث حرکت اور مزاحمت اس کے عمل کے لئے خلل انداز ہو، اور اس مزاحمت میں اس کو کہیں مزید نقصان نہ ہو جائے۔

اور یہ سن کرنا دو طرح کا ہوتا ہے ایک تو پوری طرح جسم کو سن کرنا، اور یہ مرکزی اعصاب میں ہوتا ہے جس سے ادراک اور شعور اور سمجھ بوجھ بالکل ختم ہو جاتی ہے، اور جسم کی مکمل حس ختم ہو جاتی ہے اور یہ شخص بالکل گہری نیند میں چلا جاتا ہے، اس کو کچھ بھی حس نہیں ہوتی ہے۔

---

(۱) الأشباه والنظائر لا بن نجيم:۱/۷۳

اوراس کے اعضاء مکمل طور پر ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔

اور یہ سن کرنا کبھی جسم کے خاص حصہ میں ہوتا ہے جہاں کا آپریشن مطلوب ہوتا ہے۔

سن کرنے کا عمل تین احوال میں ہوگا:

پہلی حالت: سن کرنے کا عمل بالکل ضروری اور لازمی ہو جیسے دل، دماغ، آنکھ، کان، اعصاب، سینہ، پیٹ اور پیشاب کی راہوں کا آپریشن ہے، تو اس صورت میں آپریشن کرنا جائز ہے۔

شرعی قاعدہ ہے: ”الضرورات تبیح المحظورات“(۱)

دوسری حالت: یہ ہوتی ہے کہ یہ سن کرنا ضرورت اور حاجت کے درجہ میں ہو، یعنی بغیر سن کئے ہوئے بھی عمل جراحی کی جاسکتی ہے؛ لیکن اس میں مریض کو بہت ساری تکالیف اور بے چینیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

تو اس صورت میں بھی سن کرنا اس فقہی قاعدہ کی وجہ سے جائز ہوگا۔

”الحاجة تنزل منزَلة الضرورة عامة كانت أو خاصَّة“(۲)

تیسری حالت: نشہ کا استعمال نہ لازمی ہو اور نہ ہی حاجت کے درجہ میں ہو، اور آپریشن میں کوئی زیادہ تکلیف بھی نہ ہوتی ہو، معمولی تکلیف میں کام ہوجاتا ہو جس پر صبر وضبط سے کام لیا جاسکتا ہے، جیسے: دانت نکالنا وغیرہ۔ تو اس صورت میں تھوڑے سے نشہ کے استعمال کی اجازت ہوگی، اس لئے کہ فقہاء نے دوا اور علاج کے لئے، تھوڑے سے نشہ اور فتور پیدا کرنے والی چیز کے استعمال کی اجازت دی ہے۔

چنانچہ امام ابن عابد بن شامیؒ کہتے ہیں:

”قدمنا فی الحظر والاباحة عن التاتار خانية انه لا بأس بشرب ما يذهب العقل لقطع نحوأكلة، اقول ينبغي

(۱) الأشباه والنظائر لا بن نجيم: ۷۸/۱ (۲) الأشباه والنظائر لا بن نجيم: ۷۸/۱

تقييدهٗ بغير الخمر"(۱)

"ہم نے کتاب الحظر والاباحہ میں تاتارخانیہ کے حوالہ سے پہلے لکھا ہے کہ عضو کو کھانے والی بیماری میں اس عضو کو کاٹنے کے لئے عقل کو زائل کرنے والی چیز کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، میں کہتا ہوں اس کو شراب کے علاوہ دیگر چیزوں کے ساتھ مقید کرنا چاہیے"

اس عبارت میں علامہ شامیؒ نے یہ بتلایا کہ:

عضو کو کھانے والی بیماری میں اگر آپریشن اور عمل جراحی کی ضرورت ہو تو عقل کو زائل کرنے والی چیز پلائی جاسکتی ہے۔

صاحب تبصرۃ الأحکام کہتے ہیں:

"إذا كان شارب الخمر أوالنبيذ حرّاً مسلما مكلفا وشربهٗ مختاراً من غير ضرورةٍ ولا عذر فانهٗ يجلد ثمانين...... ثم قال بعد ذالك ، والظاهر جواز ما سقى من المرقد لأجل قطع عضو ونحوه، لأن ضرر المرقد مأمون، وضرر العضو غير مأمون"(۲)

"اس عبارت میں صاحب تبصرۃ الاحکام نے اس وقت نشہ آور چیز کے استعمال کی اجازت دی ہے جب کہ عضو کو کاٹنا ہو، اور اس کے لئے بالکل بے ہوش کرنے کی بھی ضرورت نہ ہو"

اس کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ اس نشہ آور چیز کے استعمال کا جو ضرر ہے، وہ اس عضو کو اسی حالت میں برقرار رکھنے کے نقصان سے کم ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

---

(۱) حاشية ابن عابدين : كتاب الصيد:۶/۴۶۱

(۲) تبصرة الاحكام لابن فرحون: فصل من حكم المردف: ۲/۲۴۷،مكتبة الكليات الازهرية الطبعة الأولىٰ-۱۴۰۶ھ۱۹۸۶ء

”ولو احتیج فی قطع الید المتأکلة الی زوال عقله هل یجوز ذلك؟ یخرج علی الخلاف بالتداوی بالخمر قلت الاصح الجواز“(۱)

”امام نووی نے یہاں فرمایا ہے کہ عضو کو کھا جانے والی بیماری میں ہاتھ کو کاٹنے کے لئے عقل کو زائل کرنے والی چیز کا استعمال کرنا جائز ہے“

بہر حال ضرورت اور حاجت کے درجہ میں اور عمل جراحی و آپریشن کے لئے سن کرنے اور عقل کو زائل کرنے والی چیز کے استعمال کی اجازت ہے۔

سن کرنے اور عقل کو زائل کرنے والی اشیاء کے استعمال کے احکام:

موجودہ دور میں سن کرنے کے لئے جو ادویہ استعمال ہوتی ہیں ان میں سے کچھ ادویہ تو وہ ہیں جو مکمل جسم میں فتور پیدا کرتے ہیں جیسے کلوروفوم، اثیر، اکسیڈ، ازوٹسر وغیرہ۔ اس قسم کا نشہ کا استعمال پیٹ، گردن، اور سینہ کے آپریشن کے لئے دیا جاتا ہے۔

اس قسم کے جدید ادویہ تو اسلاف اور قدیم فقہاء کے دور میں نہیں تھے؛ لہٰذا بعینہٖ ان ادویہ کا حکم ان کے یہاں نہیں ملتا، البتہ اس قسم کی نشہ آور چیزیں بلاد اسلامیہ میں حشیش کے نام سے پہچانی جاتی ہیں اور فقہاء نے حشیش اور دیگر نشہ آور چیزوں کی حرمت کی تصریح کی ہے۔

شیخ علاء الدین حصکفیؒ فرماتے ہیں:

”ویحرم اکل البنج والحشیشة والأفیون؛ لأنه مفسد للعقل، ویصد عن ذکر اللّٰه وعن الصلوة“ (۲)

بھنگ، افیون کا کھانا حرام ہے؛ چونکہ یہ عقل میں فتور کے باعث ہوتے ہیں، اللہ کے ذکر اور نماز سے روکتے ہیں۔

---

(۱) روضة الطالبین للنووی: باب حد شارب الخمر: ۱۷۱/۱المکتبة الاسلامی بیروت دمشق عمان الطبعة الثالثة: ۱۴۱۲ھ ۱۹۹۱ء

(۲) الدرالمختار للحصکفی مع حاشیة ابن عابدین: ۴۵۸/۶،دارالفکر بیروت

شیخ عبدالباقی زرقانی لکھتے ہیں:

" المخدر ما غيب العقل دون الحواس مع نشوة وطرب كالأفيون وكذا حشيشة على الصحيح، بخلاف المرقد وهو ما غيَّبها كحب البلاذر والدَّكتوراة، فظاهر الأمر ولا حدَّ على مستعملها ولا يحرم منها الا ما أثر فى العقل"(۱)

نشہ آور چیز وہ ہے جو عقل کی غیوبت کی باعث ہو، نہ کہ حواس کی غیوبت کی، اس میں کچھ فرحت بھی ہو جیسے افیون، اسی طرح صحیح قول کے مطابق حشیش ہے، البتہ جو نیند آور ہو وہ ہے جو عقل کی غیوبت کی باعث ہو جیسے بلاذر اور دکتوراۃ کے دانے، تو ظاہر یہ ہے کہ اس کے استعمال کرنے والے پر حد جاری نہ ہوگی اور اس میں جو عقل پر اثر کرے وہی حرام ہے۔

ان فقہی عبارات سے پتہ چلا کہ حشیش اور اس کے علاوہ دیگر نشہ آور چیزیں جب کہ وہ عقل کو زائل کر دیں تو ان کا حکم شراب کا حکم ہوگا جس کی حرمت کی تصریح قرآن وحدیث میں موجود ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "كل مسكر حرام"(۲) "ہر نشہ والی چیز حرام ہے"۔

یہ تمام نشہ آور چیزوں کو شامل ہے خواہ وہ پینے کی چیز ہو یا کھانے کی، جامد ہو یا مائع نباتات کی قبیل سے ہو یا مصنوعی یا دونوں کا مکسچر بہر حال حرام ہوں گی۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہر مسکر اور مفتر سے منع فرمایا ہے: "نهى رسول الله ﷺ عن كل مسكر ومفتر "(۳)

---

(۱) شرح الزرقانی علی مختصر خلیل :۱/۲۳ب۲۴

(۲) مسلم باب بیان ان کل مسکر خمرٌ حدیث۲۰۰۲

(۳) ابوداؤد: باب النهی عن المنکر ،حدیث:۳۶۸۶

علامہ ابن حجر ہیثمیؒ فرماتے ہیں: "وهذا الحديث فيه دليل على تحريم الحشيشة بخصوصه فانها تسكر وتخدر وتفتر " (۱) "اس حدیث میں خصوصا حشیش کے حرام ہونے کی دلیل ہے، چونکہ وہ نشہ لاتی ہے اور فتور پیدا کرتی ہے"۔

یہ تو نشہ آور چیزوں کا حکم شرعی کا بیان تھا اس کے علاوہ موجودہ دور کے اطباء بھی اس کے نقصانات اور خرابیوں پر اتفاق کیا ہے اس کے خلاف عالمی سطح پر منفی مہم چلائی ہے، اس کی وجہ سے بہت سارے خطرناک امراض کینسر وغیرہ پیدا ہوتے ہیں اس کے علاوہ وہ انسان کو بالکل ناتواں اور کمزور کردیتا ہے وہ بالکل شکست خوردہ اور نفسیاتی اعتبار سے بیماریوں کا مجموعہ بن جاتا ہے۔

مختلف نوعیت کے آپریشن کے احکام:

کاٹنا: اصلاً یہ حرام ہے اس لئے کہ یہ جسم میں بگاڑ اور خراب ہے: بعض اوقات اعضاء کی قطع وبرید لازمی ہوتی ہے، اور کبھی صرف ضرورت اور حاجت کے درجہ کی۔ ان صورتوں میں فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے: حدیث نبوی سے بھی اس کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ: "بعث رسول الله ﷺ إلى أبي بن كعب طبيباً، فقطع منه عرقاً، ثم كوّاهٗ عليه "(۲)

فقہاء اربعہ نے بھی اس کی اجازت دی ہے۔

فقہاء حنفیہ: فتاوی ہندیہ میں ہے: " من لهٗ سلعة زائدة فقطعها، ان كان الغالب الهلاك فلا يفعل، والا فلا بأس به" (۳) جس کو پھوڑا یا زائد غدود ہو، اگر غالب گمان ہلاکت کا ہو تو اس طرح نہ کرے؛ ورنہ کوئی حرج نہیں۔

اور اس میں یہ بھی ہے " لا بأس بقطع العضو ان وقعت فيه الأكلة؛

(۱) الفتاوى الكبرى الفقهية للهيثمي: باب الشربة والمحذرات :۲۳۳/۴، المكتبة الاسلامية

(۲) مسلم باب لكل ماء دواء، حدیث: ۲۲۰۷

(۳) الفتاوى الهندية: الباب الحادى العشرون فيما يسع: ۳۶۰/۵، دار الفكر بيروت الطبعة الثانية: ۱۳۱۰ھ

لئلّا تسری" (۱) اور اس میں یہ بھی ہے" انہٗ اذا تعارض مفسد تان روعی أعظمهما ضرراً بارتکاب أخفهما" (۲) اور کوئی حرج نہیں عضو کے کاٹنے میں اگر اس میں گوشت گلنے کی بیماری ہو جائے تا کہ وہ پورے جسم میں سرایت نہ کرے۔

فقہاء مالکیہ: شیخ محمد یوسف المالکیؒ کہتے ہیں:

"لواستأجر علی قطع سن صحیحة أوقطع عضوصحیح لم یجز، ولو کانت الید المتأکلة والسن متوجعة جازت" (۳)

"اور اگر وہ کسی شخص کو صحیح دانت یا صحیح عضو کے کاٹنے کے لئے اجرت پر لے تو اس کا یہ کرنا درست نہیں، اور اگر ہاتھ میں گوشت کے گلنے کی بیماری ہو جائے یا دانت میں درد ہو جائے تو جائز ہے"

فقہاء شافعیہ: شیخ زکریا ن انصاریؒ کہتے ہیں:

"وحل قطع جزئه، لأنه اتلاف جزء لاستبقاء الکل کقطع الید الملأکلة" (۴)

"اور جائز ہے اس کے ایک جز کو کاٹنا...... چونکہ یہ اس جز کا اتلاف اور اس کی بربادی ہے کل جسم کو باقی اور صحیح و سالم رکھنے کے لئے جیسے گوشت گلنے والی بیماری میں ہاتھ کو کاٹنا"

علامہ جلال الدین محلیؒ فرماتے ہیں:" والأصح جوازهٗ لأنهٗ اتلاف بعض لاستبقاء الکل کقطع الید للأکلة" (۵) اور صحیح یہی ہے کہ یہ جائز ہو، اس لئے کہ یہ بعض کو تلف کرنا ہے کل کے بقا اور صحت کے لئے جیسے گوشت گلنے والی

(۱) حوالہ سابق (۲) الأشباه والنظائر لا بن نجیم: ۷۶/۱

(۳) التاج والاکلیل: باب فی ارکان الاجارة وحکمها: ۵۴۵/۷ دار الکتب العلمیة الطبعة الأولیٰ ۱۴۱۶ھ ۱۹۹۴ء)

(۴) فتح الوهاب للانصاری: کتاب الأطعمة ۵۷۱/۲ دار الفکر للطباعة والنشر الطبعة ۱۴۱۴ھ ۱۹۹۳ء

(۵) شرح المحلی للمنهاج للمحلی: ۲۶۴/۱۴

بیماری میں ہاتھ کو کاٹنا۔

فقہاء حنابلہ: ابن قدامہ المقدسیؒ کہتے ہیں: "أما قطع الأكلة فانهٗ يخاف الهلاك بذلك العضو فأبيح لهٗ ابعادهٗ ودفع ضرر المتوجة منهٗ" (۱) گوشت گلنے والی بیماری میں اس عضو کو کاٹنا تو اس عضو کی وجہ سے ہلاکت کا اندیشہ ہے تو اس کو دور کرنا جائز ہے، اور اس کی جانب سے پیش آنے والے ضرر اور نقصان کو دور کیا جاسکتا ہے۔

اور ابو محمد بن علی بن حزم الظاہری نے اس بارے میں اہل علم کا اجماع نقل کیا ہے:

"واتفقوا انهٗ لايحل لأحدٍ ان يقتل نفسهٗ ولا يقطع عضواً من أعضائِهٖ، ولا أن يؤلم نفسهٗ فی غير التداوی بقطع العضو الألم خاصَّةً" (۲)

اور ان لوگوں نے اتفاق کیا ہے کہ کسی کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہلاک کرے اور اپنے اعضاء میں سے کسی عضو کو کاٹے اور نہ ہی اپنے آپ کو علاج و معالجہ کے علاوہ میں اپنے عضو کو کاٹ کر اپنے آپ کو تکلیف میں مبتلا کرے۔

احادیث اور فقہاء کی عبارتوں سے پتہ چلا کہ اعضاء کو کاٹنا ضرورت کے تحت جائز ہے۔

کیا بواسیر کاٹا جاسکتا ہے؟

ضرورت کی حالت میں بواسیر کو بھی کاٹا جاسکتا ہے۔

علامہ یونس بن ادریس البہوتیؒ کہتے ہیں: "يكره قطع الباسورة، ومع خوف تلفٍ بقطعهٖ يحرم وبتركهٖ يُباح" (۳)

مطلب یہ ہے کہ پہلی حالت بواسیر کے کاٹنے کے حرام ہونے کی ہے کہ اس کے

---

(۱) المغنی لابن قدامه: فصل لم يجد المضطر الا آدميا: ۴۲۰/۹، مكتبة القاهره

(۲) مراتب الاجماع لابن حزم الظاهری: السبق والومی: ۱۵۷/۱، دارالكتب العلميه بيروت

(۳) كشف القناع للبهوتی

کاٹنے کی وجہ سے ہلاکت کا اندیشہ ہو۔ دوسری حالت یہ ہے کہ: بواسیر کے کاٹنے کا عمل مباح ہو، جب کہ اس کے چھوڑنے میں ہلاکت کا اندیشہ ہو۔ اس کے علاوہ احوال میں مکروہ ہے۔

کیا زائد انگلی کاٹی جا سکتی ہے؟

زائد انگلی کاٹنے کے بارے میں وسعت اور گنجائش ہے، عالمگیری میں ہے:

"اذا اراد الرجل أن يقطع اصبعاً زائدة اوشيئاً آخر، قال ابونصر رحمهٗ اللّٰه تعالىٰ: ان كان الغالب على من قطع مثل ذالك الهلاك؛ فانهٗ لا يفعل، وان كان الغالب هو النجاة، فهوفى سعة من ذالك"(۱)

"جب آدمی یہ چاہے کہ زائد انگلی کاٹے یا کوئی زائد چیز تو ابونصر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اگر غالب کاٹنے والے کی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو نہ کاٹے، اور اگر غالب نجات کا اندیشہ ہو تو اس کو اس کی گنجائش ہے"

ڈاکٹر محمد عثمان شبیر (استاذ الكلية الشريعة والدراسات الاسلامية بجامعة الكويت) یہ زائد انگلی کے کاٹنے کو جائز کہتے ہیں اور اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ یہ خلقت اور پیدائش میں ایک طرح کا نقص ہے: "بحجّة انّها عيب ونقص فى الخلقة "(۲)

یہ زائد انگلی کاٹنا اللہ تعالیٰ کی خلقت میں تبدیلی کے تحت بھی نہیں آتا

علامہ تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم رقمطراز ہیں:

"وأما قطع الاصبع الزائدة ونحوها فانهٗ ليس تغيراً لخلق اللّٰه وانهٗ قبيل ازالة عيب أومرض فاجازةٗ اكثر

(۱) الفتاوى الهندية: كتاب الكراهية الباب الحادى والعشرون فيما يسع من جراحات بنى آدم: ۳۶۰/۵ رشيدية، وكذافى فتاوى قاضى خان على هامش الفتاوى الهندية: كتاب الحظر والاباحة، فصل فى الختان ج۳/۴۱۰ رشیدیہ

(۲) أحكام جراحة التجميل فى الفقه الاسلامى، ضمن دراسات فقهية فى قضايا طبيّة المعاصرة، ط/ دار النفائس، الأردن، ط/۱۴۲۱ھ)

العلماء خلافا لبعضهم" (۱)

"زائد انگلی کا کاٹنا اور اس طرح کے دیگر امور یہ اللہ کی خلقت میں تبدیلی کے قبیل سے نہیں ہیں، یہ عیب کے زائل کرنے یا مرض کو ختم کرنے کے قبیل سے ہے، اس کو اکثر علماء نے جائز کہا ہے، اس میں بعض لوگوں کا اختلاف ہے"

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ فرماتے ہیں:

"فان الظاهر أن المراد بتغير خلق الله سبحانهٗ وتعالیٰ حيوانا على صورته المعتادة لا يغير فيه؛ لأن ما خلق على خلاف العادة مثلاً كاللحية للنساء أوالعضو الزائد ليس تغييرهٗ تغيير خلق الله"(۲)

"چونکہ ظاہر اس سے مراد اللہ کی خلقت کی تبدیلی سے یہ ہیکہ اگر حیوان اپنی عادی صورتحال پر برقرار ہے تو اس میں تغییر واقع نہ ہوگی، جو چیز خلاف عادت مثلا عورت کے لئے داڑھی یا عضو زائد ہو تو اس میں تغییر اور تبدیلی یہ اللہ کی خلقت میں تبدیلی کے قبیل سے نہیں ہے"

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہی کا بھی یہی فتوی ہے۔(۳)

کیا کسی عضو کے ضرورت سے زیادہ حصہ کو کاٹا جا سکتا ہے؟

کچھ احوال ایسے ہوتے ہیں جس میں ڈاکٹر کو اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ مرض آگے سرایت کر جائے گا۔

اس لئے وہ احتیاطًا مرض کی جگہ سے آگے کا تھوڑا سا حصہ کاٹ دیتے ہیں: علامہ شنقیطیؒ کہتے ہیں:

"والعلم عندالله انهٗ لاحرج فی هذه الزيادة، بشرط أن

(۱) تکملہ فتح الملہم:۱۹۵/۴
(۲) بذل المجهود:۷۲/۵-۷۳
(۳) فتاوی محمودیہ:۳۳۸/۱۸

يغلب على ظن الطبيب امكان السريان، وأن يكون الجزء المقطوع فى موضع يصعب فتحة يليه "(۱)

"صحیح علم تو اللہ کو ہے کہ اس زیادہ حصہ کے کاٹنے میں کوئی حرج نہیں اس شرط کے ساتھ کہ ڈاکٹر کو گمانِ غالب یہ ہو کہ یہ دوسری جگہ میں سرایت کر جائے گا اور جس عضو کو کاٹا جا رہا ہے وہ ایسی جگہ ہے جہاں کاٹنا مشکل ہے"

بیماری کو سرے سے ختم کرنا:

بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں کہ اسے جڑ پیڑ سے ختم کرنا ضروری ہے جیسے سوجن اور گلٹی اور کینسر کے علاج میں ہوتا ہے۔اس طرح بیماریوں کو جڑ پیڑ سے نکال پھینکنا جائز ہے۔

اس لئے کہ ضرورت اس کی داعی ہے جیسے بیمار زدہ عضو کو نکالنا جائز ہے اسی طرح یہ بھی ہے نیز ان امراض کا وجود مریض کے لئے بالکل نقصاندہ ہوتا ہے اور شریعت کا قاعدہ ہے:" الضرر يزال "(۲)

چیرنا:

آپریشن کا ایک عمل جلد کو چیرنا ہے، آپریشن میں چیرنا لازمی اور ضروری ہوتا ہے ضرورت اور حاجت کے وقت چیر پھاڑ کرنا یعنی موجودہ نقصان کو دور کرنا جیسے پیر ہاتھ کی انگلیوں کے درمیان میں در آنے والے چمڑے کا نکالنا۔

اسی طرح جب بچہ دانی کے پھٹنے کا ظن غالب ہو تو اس کو چیرنا یا آئندہ پیش آنے والے نقصان کو دور کرنا ضروری ہوتا ہے۔

اس قسم کا آپریشن جائز اور مشروع ہے؛ اس لئے کہ یہاں ضرورت اس کی متقاضی ہے، ولادت کے لئے آپریشن بھی اس کی ایک قسم ہے۔

ولادت کے لئے تین طرح کا آپریشن کیا جاتا ہے:

---

(۱) احكام الجراحة الطبية للشنقيطي: ۳۱۲، دار الصحابہ، جدہ (۲) الاشباه: ۸۵

۱۔ جراحة الحمل المنتبذ، بچہ کا رحم دانی سے باہر آنا۔
۲۔ جراحة استخراج الجنین الرحمی، رحم میں موجود بچہ کا نکالنا۔
۳۔ الجراحة القیصریة فی حال التمزق الرحمی، رحم دانی کے پھٹنے کی حالت میں آپریشن۔

یہ تینوں آپریشن جائز اور مشروع ہیں چوں کہ یہاں ایک محترم جان کو بچانا مقصود ہوتا ہے یہ جان کا بچانا اللہ عز وجل کے اس قول کے عموم میں داخل مانا جائے گا۔

﴿ وَمَنۡ أَحۡيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحۡيَا النَّاسَ جَمِيعًا﴾ (المائدہ)

پہلی صورت میں بچہ رحم کے باہر ایک جھلی میں ہوتا ہے، وہاں اس کی حیات کی ضمانت نہیں دی جاسکتی جھلی پھٹ سکتی ہے جس سے ماں اور بچہ دونوں کی موت کا خطرہ ہوتا ہے۔

دوسری صورت میں بچہ کے پیٹ میں کامل اور مکمل ہونے کے بعد ماں مرجاتی ہے، ڈاکٹر مردہ ماں کے پیٹ کو شق کر کے بچہ کو نکال لیتے ہیں۔

تیسری صورت میں بچہ کے کامل اور مکمل ہونے کے بعد رحم اس قدر بڑا ہونا شروع ہوتا ہے کہ اس کے پھٹنے اور ماں کے موت سے دوچار ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔

مذکورہ بالا تین صورتوں میں سے دوسری صورت میں علماء فقہاء اختلاف ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ حاملہ عورت مر جائے اور پیٹ میں بچہ کے زندہ ہونے کی امید ہے کیا آپریشن کر کے بچہ کو نکالنا جائز ہے؟

اس بارے میں دو قول ہیں:

پہلا قول: اس کے پیٹ کو پھاڑیں گے اگر بچہ کے زندہ ہونے کی امید ہو۔

یہ امام ابوحنیفہؒ، محمد بن حسن، شوافع اور ظواہر کا مذہب ہے۔(۱)

دوسرا قول: اس کے پیٹ کو نہیں پھاڑیں گے۔

علامہ شنقیطیؒ کہتے ہیں میری نظر میں جو بات صحیح معلوم ہوتی ہے صحیح علم اللہ ہی کو

(۱) روضة الطالبین للنووی: ۱۴۳/۲

ہے۔وہ پہلا قول ہے۔

اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

﴿ وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا﴾(المائدہ: ۳۲)

اس آیت سے ابن حزم الظاہری نے المحلّٰی میں استدلال ہے کیوں کہ پیٹ کے چیرنے میں اگر اللہ نے چاہا تو بچے کی زندگی ہوسکی ہے؛ لہٰذا یہ آیت کے مقصود میں داخل ہے۔

”ولو ماتت امرأة حامل والولد حيٌ يتحرك ، قد تجاوز ستة أشهر ؛فانهٗ يشق بطنها طولاً ويخرج الولد، لقوله تعالىٰ :”ومن أحياها فكأنما أحيا الناس جميعا“(المائده) ،ومن تركهٗ عمداً حتى يموت فهو قاتل نفسٍ“ (۱)

”اور اگر حاملہ عورت مر جائے اور لڑکا حرکت کر رہا ہو اور چھ مہینے سے زائد کا ہو گیا ہو تو اس کے پیٹ کو لمبائی میں پھاڑا جائے گا اور اس بچے کو نکال لیا جائے گا ، اللہ عزوجل کے اس ارشاد کی وجہ سے ”اور جو اس کو زندگی دے تو اس نے تمام لوگوں کو زندگی دی)اور جو شخص اس کو جان بوجھ کر اس کے مرنے تک چھوڑے رکھے تو وہ اس کا قاتل شمار ہوگا“

بعض حنفی فقہاء نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے: ”عن الامام أبي حنيفة انهٗ أمر بشق بطن الحامل“(۲) حضرت امامِ ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حاملہ عورت کے پیٹ کو پھاڑنے کا حکم دیا ہے ۔اُمر کا لفظ وجوب اور ضروری ہونے کو بتلاتا ہے۔

جب امام محمد بن حسن الشیبانیؒ سے اس مسئلہ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا:

---

(۱) المحلّٰی لابن حزم: مسالة حمل الغش ۳۹۶/۳،دارالفکر بیروت

(۲) الأشباه والنظائر لا بن نجيم: ۸۸

"یشق بطنها ویخرج الولد لا یسع الاّ ذلك" (۱)اس کے پیٹ کو پھاڑا جائے گا اور اس کے بچے کو نکال لیا جائے گا اور کرنا بھی یہی چاہئے۔

اس عبارت کے آخری حصہ سے شق اور پھاڑنے کے عمل کا ضروری ہونا معلوم ہوتا ہے۔

اس بارے میں مذہب شافعیؒ کا ذکر کرتے ہوئے صاحب مغنی المحتاج لکھتے ہیں:

"ویجب شق جوفها لا خراجہ قبل دفنها وبعده" (۲)اورضروری ہے اس بچے کے نکالنے کے لئے اس عورت کے پیٹ کا پھاڑنا اسکو دفن کرنے سے پہلے اور اس کے بعد بھی۔

علامہ شمس الدین محمد بن احمد بن شہاب الدین الزلی الشافعیؒ کہتے ہیں:

"أو دفنت امرأة بجنین ترجی حیاتہٗ بأن یکون لہٗ ستة أشهر فأکثر فیشق جوفها ویخرج، اذ شقہٗ لازمٌ قبل دفنها أیضاً"(۳)

''اگر حاملہ عورت جس کے جنین کے زندہ ہونے کی امید ہو یعنی وہ چھ مہینے یا اس سے زیادہ کا ہو تو اس کے پیٹ کو پھاڑا جائے گا یا اس کے دفن کرنے سے پہلے اس کا پھاڑنا لازم اور ضروری ہے''۔

عقلی دلائل:

۱- قیاس: یہاں مردے کے ایک جزء کو تلف کر کے زندہ کو حیات دی جارہی ہے یہ اس کے مشابہ ہو گیا کہ آدمی کو کبھی مجبوراً مردار کے عضو کو کھانے کی نوبت آجائے تو اس

---

(۱) الفتاوی الهندیة: الفصل الأول فیما یسع من جراحات بنی ادم :۵/۱۵۷،دارالفکر بیروت الطبعة الثانیة ۱۳۱۰ھ

(۲) حواشی الشروانی والعبادی علی تحفة المحتاج :فصل فی الدفن وما یتبعہٗ: ۳/۲۰۵،المکتبة التجاریة الکبری بمصر، وداراحیاء التراث العلمی

(۳) نهایة المحتاج للرملی: نقل المیت قبل دفنها من بلد الی بلد: ۳/۴۰،دارالفکر بیروت الطبعة الأخیرة ۱۴۰۳ھ ۱۹۸۳ء

کی اجازت ہے۔(۱)

دوسرا طریقہ استدلال

یہاں دونوں کے حقوق متعارض ہوگئے، زندہ کے حق کو مقدم کہا جائے گا اس لئے کہ وہ زیادہ قابل احترام ہے: "انہٗ تعارض حقاهما فقدم حق الحی لكون حرمته أولى"(۲) جب دو مفسدوں میں تعارض ہوجائے تو ان میں بڑے مفسدے کی رعایت کی جائے گی ان میں سے چھوٹے نقصان کا ارتکاب کرتے ہوئے۔

فقہاء کی ان عبارتوں سے حاملہ مردار عورت کے پیٹ کا پھاڑنا اور بچہ کو نکال لینا ضروری ہے اور اگر ڈاکٹر اس عمل سے رکتا ہے تو وہ قاتل شمار ہوگا بعض فقہاء اس کے قائل ہیں:

"بل نصَّ بعضهم على أنهٗ اذا امتنع الا نسان من فعل الشق متعمداً فانهٗ يعتبر قاتلاً " (۳)

(۱) المهذب الالى اسحق فیروز آبادی ۱۳۸/۱

(۲) المبدع لابن مفلح القراءة على القبر ۲۸۰/۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت، الطبعۃ الاولی ۱۴۱۸ھ ۱۹۹۷ء

(۳) أحكام الجراحة الطبية الشنقيطى

حاجت درجہ کا آپریشن

بعض مرتبہ فطری اور طبعی ولادت میں کچھ رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہے کبھی نومخرج میں ہڈیاں تنگ ہوتی ہیں یا مخرج کی بعض آنتوں کا پھیلنا مشکل ہوتا ہے۔اس طرح کی ضرورت کے موقع پر آپریشن کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

شرط یہ ہے کہ اس ضرورت کو اطباء محسوس کریں اور وہی اندازہ کریں کہ فطری ولادت کی سکت عورت میں ہے یا نہیں، محض فطری تکالیف سے بچانے کے خاطر عورت یا شوہر کے مطالبہ پر آپریشن کی اجازت نہ ہوگی۔

سوراخ کرنا:

آپریشن کی ایک قسم سوراخ کرنا ہے بعض مرتبہ اس کی ضرورت پیش آتی ہے جیسے بچوں میں پیدائشی طور پر جو مسخ اور بگاڑ ہوتا ہے اس کو دور کرنے کے لئے۔بچوں کے آپریشن میں پیدائشی طور پر بند مقعد کے اس حصہ کو کھولا جاتا ہے یا مرد یا بچوں کی پیشاب کی راہ کو کھولا جاتا ہے۔(۱)

سوراخ کرنا اصلاً بگاڑ اور خراب ہے لہذا حرام ہونا چاہیے؛لیکن ضرورت اور حاجت کے وقت اس کی اجازت ہوسکتی ہے۔

کٹے ہوئے عضو کو لوٹانا:

اس قسم کے آپریشن میں کٹے ہوئے عضو کو نہایت دقت نظری اور باریک بینی کے ذریعہ بحال کیا جاتا ہے،صرف ایک کٹی ہوئی انگلی کو بحال کرنے کے لئے کم از کم چھ گھنٹے لگتے ہیں۔(۲)

---

(۱) افاق جدیدۃ فی الجراحۃ للقشیری :۱۲۲، مطابع الوطن بالکویت

(۲) القدیم والجدید فی جراحۃ التقویم ۱۴۵۔۱۴۱ للدکتور سید محمد دھب دارالمعارف مصر

یہ دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے:

۱) عضو کے کٹے ہوئے زیادہ عرصہ نہ گذرا ہو۔

۲) عضو کسی حد کے نافذ کرنے یا قصاص میں نہ کٹا ہو۔

یہاں بھی چوں کہ ضرورت داعی ہے اس لئے اس کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔

۱- علاوہ ازیں بعض اہل علم نے اس کے جواز کی صراحت کی ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ بھی اسی کے قائل ہیں:

"فقد سئل من اعادة العضو المقطوع من الجسد؟ فقال لا بأس أن يعيد الى مكانه وذلك ان فيه الروح مثل الأذن فيعيد ها بطراوته"(۱)

"چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ سے جسم کے کٹے ہوئے عضو کے متعلق پوچھا گیا؟ تو فرمایا: کوئی حرج نہیں کہ اس کو اس کی جگہ بحال کر دیا جائے، چونکہ اس میں روح موجود ہے، جیسے کان کٹ جاتا ہے تو اس کے تر و تازہ ہوتے ہوئے اس کو دوبارہ بحال کر دیا جاتا ہے"

امام شافعیؒ کا صحیح قول بھی جواز ہی کا ہے جس کی صراحت امام نوویؒ نے کی ہے۔

"ولكن المذهب طهارته وهو الأصح عند الخراسانيين" (۲)

امام ابن عربیؒ کٹے ہوئے کو جوڑنے کی ممانعت کا قول ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وهذا غلط، وقد جهل من خفي عليه ان ردّها وعودها لصورتها لا يوجب عودها بحكمها؛ لأن النجاسة فيها كانت للانفصال، وقد عادت متصلة واحكام الشريعة ليست صفات العين"(۳)

---

(۱) الا نصاف للمرادوی:۳۸۹/۱

(۲) المجموع للنووی :باب طهارة البدن وما يصلّى فيه: ۱۳۹/۳، دار الفکر بیروت

(۳) تفسیر القرطبی سورة المائده: ۱۹۹/۶ دار الكتب المصرية القاهرة

''یہ بات غلط ہے، وہ شخص جاہل جس پر یہ بات مخفی ہو کہ ان اعضاء کا لوٹانا اور اس کا اس کی پہلی حالت میں بحال کرنا اس کا حکم اس عضو کے پہلے کے حکم کی طرح نہیں ہوگا، چونکہ اس میں نجاست اس کے علاحدہ ہونے کی وجہ سے تھی، پھر یہ اعضاء دوبارہ بحال ہوگئے، شریعت کے احکام چیزوں کی صفات نہیں ہوتی، بلکہ یہ احکام ہوتے ہیں جو اس کے تعلق سے اللہ عزوجل کے قول اور اس کے خبر سے متعلق ہوتے ہیں۔

یہاں کٹے ہوئے عضو پر نجس ہونے کا حکم علحدہ ہونے کی حالت میں ہے، جب دوبارہ بحال کر دیا گیا تو طہارت کا حکم دوبارہ عود کر آجائے گا۔

۲- امام قرطبیؒ نے امام شافعی اور سعید بن المسیبؒ سے اس کے عدم جواز کا قول ذکر کیا ہے۔

دلیل یہ دی ہے کہ عضو کٹے ہوئے ہونے کی حالت میں نجس ہوگیا، نجس عضو کو دوبارہ بحال کرنے کے نتیجہ میں تمام عبادتیں باطل ہو جائیں گی۔(۱)

۳- راجح قول جواز ہی کا ہے۔

ٹوٹی ہوئی چیز کو جوڑنا:

بعض مرتبہ جسم میں موجود شگاف اور پھٹن کا علاج کرنا ہوتا ہے، اس کے لئے اس کو بند کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، یا بسا اوقات شگاف اور پھٹن کو باقی رکھنے میں بہت زیادہ نقصانات درپیش ہوتے ہیں اس لئے ضرورت کے پیش نظر اس کی اجازت دی گئی ہے۔

فقہی قاعدہ ہے: ''الحاجة تنزل منزلة الضرورة''(۲)

مسئلہ: کیا عورت کے پردۂ بکارت کو بحال کیا جا سکتا ہے؟

اس میں دو قول ہیں:

---

(۱) تفسیر القرطبی ۱۹۹/۶ و روضة الطالبین للنووی ۹۷/۶

(۲) الاشباه والنظائر ۷۸/۱، السادسة : الحاجة تنزل منزلة :۷۸/۱، دار الکتب العلمیة ،بیروت

۱) پردۂ بکارت کو دوبارہ بحال کرنا بالکل جائز نہیں۔(۱)

دوسرا قول اس میں کچھ تفصیل ہے:

۲) اگر یہ پردۂ بکارت کسی حادثہ یا کسی ایسے فعل کی وجہ سے زائل ہو جو شرعاً معصیت شمار نہیں ہوتا اور نہ شرعی نکاح میں وطی کی گئی ہو تو دیکھیں گے۔

الف: اگر گمان غالب یہ ہو کہ نوجوان لڑکوں کو رسوم ورواج کی وجہ سے ظلم وستم کا سامنا کرنا پڑے گا تو اس طرح کا آپریشن اور مصنوعی پردۂ بکارت بنانا ضروری ہوگا۔

ب: ڈاکٹر کو اگر اس طرح کی تکلیف کا گمان غالب نہ ہو تو پردۂ بکارت کی بحالی کا عمل مستحب ہوگا۔

۲) پردۂ بکارت اگر وطی کی وجہ سے پھٹ گیا ہو جیسا کہ صحیح عقد نکاح میں اور مطلقہ عورت میں ہوتا ہے یا اس زنا کی وجہ سے جو لوگوں میں مشہور ہو گیا ہو، تو پردۂ بکارت کا بنانا حرام ہوگا۔

۳) اگر پھٹن کی وجہ زنا ہو جو لوگوں میں مشہور نہ ہو تو ڈاکٹر کو اختیار ہے چاہے تو پردۂ بکارت کے لئے آپریشن کرے یا نہ کرے اگر کرے تو بہتر ہوگا۔ اگر پردہ بکارت کی بحالی سے وہ گناہ پر اصرار کرے گی تو پردہ بکارت کا بحال کرنا حرام ہوگا۔(ڈاکٹر نعیم یاسین)

۳) اگر زنا بالجبر سے پردہ بکارت زائل ہو گیا ہو تو مصر کی دارالافتاء کی رائے کے مطابق اس کا پردۂ بکارت بحال کیا جا سکتا ہے۔(۲)

علامہ محمد بن محمد المختار الشنقیطیؒ فرماتے ہیں کہ جو رائے راجح معلوم ہوتی ہے (واللہ اعلم بالصواب) وہ یہ ہے کہ پردۂ بکارت کے جوڑنے کی مطلقا اجازت نہ ہو۔ اس لئے کہ:

الف: پردۂ بکارت کی وجہ سے کبھی نسب میں اختلاط ہو سکتا ہے۔ یعنی حلال اور حرام کا اختلاط ہو جائے گا اور یہ شرعاً حرام ہے۔

---

(۱) شیخ عزالدین الخطیب الهیثمی (۲) الموسوعة الطبية الفقهية :۱۵۶-۱۵۷

ب:	پردۂ بکارت کے جوڑنے میں برائی کا اظہار ہے۔

ج:	پردۂ بکارت کو جوڑنے میں زنا کے ارتکاب کی راہیں آسان ہو جائیں گی۔

د:	پردۂ بکارت کو جوڑنے کے لئے کئی حرام باتوں کا ارتکاب کرنا پڑے گا۔

اس میں شوہر کو دھوکہ دینا ہے، اور حقیقت کو چھپانے کے لئے لڑکی والوں کو جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔ پردۂ بکارت جوڑنے کے لئے ڈاکٹر کو حمل گرانے اور جنین کو ساقط کرنے کے لئے مجبور ہونا پڑے گا۔(۱)

داغنا:

کھال کو جلانا، یا گرم آلات کا استعمال کرنا یا بجلی کا شاک دینا، اس کا استعمال بچہ دانی کے سرے کے زخموں کے علاج کے لئے ہوتا ہے یہ علاج جائز اور مشروع ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث دلالت کرتی ہے: "بعث إلى أبي بن كعب طبيبا، فقطع منه عرقاً ثم كواهٗ عليه" (۲)

ضرورت کے وقت داغنا مشروع ہے، ممانعت اس وقت ہے جب کہ اس کی ضرورت نہ ہو، علامہ شنقیطیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی اجازت ہے اور اس کی ضرورت بہت کم درپیش ہوتی ہے۔

ٹانکے دینا:

عموماً ڈاکٹر پیٹ میں تکلیف زدہ عضو یا سینہ یا دل کے آپریشن سے فارغ ہو کر اس پھٹے ہوئے، چیرے ہوئے حصہ کو سیتے ہیں۔ آپریشن کے بعد کھلا ہوا حصہ یوں ہی چھوڑا جائے تو یہ مریض کی موت پر منتج ہوگا اس لئے اس عمل کی اجازت دی جا سکتی ہے۔

محمد بن الحطاب المالکیؒ کہتے ہیں:

"من أجيف ولا يستطيع على خيط وابرة لخياطة جراحة الّا من عند رجل فمنعه حتى مات فانّه يضمن ديته" (۱)

---

(۱)	غشاء البكارة من منظور اسلامى: من بحوت ندوة الروية الاسلامية

(۲)	مسلم باب لكل داء دواء ،حدیث: ۲۲۰۷

(۳)	مواهب الجليل: للحطاب :فرع قال رب الصيد ند منى منذ: ۳/۲۲۴، دار الفکر، بیروت

چیکپ آپریشن:

مطلب یہ ہے کہ مرض کی صحیح معلومات حاصل کرنے کے لئے آپریشن کرنا کہ اس کے ذریعہ صحیح علاج ممکن ہوسکے: "کل جراحة تجری للحصول علی معلومات عن المرض، لایمکن الحصول بالوسائل الاخری علیھا" (۱)
یہ ہروہ عملِ جراحی ہے جو بیماری کی معلومات کے لئے کی جائے، جس بیماری کے بارے میں معلومات کرنا دیگر وسائل کے ذریعہ ناممکن ہو۔

یہ آپریشن کی اجازت اس وقت دی جائے گی جب کہ طبی جانچ یعنی ایکسیرے وغیرہ کے ذریعہ اس بیماری کا پتہ نہ چل سکے۔

(۱) الموسوعة الطبیة الحدیثیة ۹۸۳/۵

احتیاطی آپریشن

اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آئندہ مستقبل میں پیش آنے والے امراض ونقصانات کے لئے پیشگی آپریشن کرنا، پس اگر ان امراض ونقصانات کے پیش آنے کا گمان غالب ہے تو آپریشن کیا جاسکتا ہے ورنہ محض وہم وگمان کی بنیاد پر اعضاء جسمانی میں کسی جزء کو نکال پھینکنا درست نہیں ہے۔

چربی نکالنے کے احکام

کبھی جسم کے کسی خاص حصہ میں چربی بہت بڑھ جاتی ہے، اس کو آپریشن کے ذریعہ نکالا جاتا ہے پس اگر یہ چربی نکالنے کی کاروائی موٹاپے یا جوڑوں یا پیٹھ کے درد کی وجہ سے کی جارہی ہے تو اس کی اجازت ہے۔

بشرطیکہ دیگر طریقے پرہیز اور ورزش وغیرہ کارآمد نہ ہو، اور چربی کے نکالنے کی صورت میں اس کے باقی رکھنے میں جتنا نقصان ہوسکتا ہے اس سے زائد نہ ہو۔ اور یہ چربی کا نکالنا جسم کے حسن اور خوبصورتی کی برقراری کے لئے نہ ہو۔

دلائل:

یہ آپریشن دوا اور علاج کے تحت ہوگا۔

بعض فقہاء نے حقنہ (دبلے پن کے علاج) کی اجازت دی ہے چوں کہ اس سے دیگر امراض بھی پیدا ہوسکتے ہیں ”یجوز الحقنة للتداوی للمرأة وغیرها وکذا الحقنة لأجل الهزال ؛ لأن الهزال اذا فحش یؤدی السّل“ (۱) موٹا کرنے کے لئے جب دوا اور علاج جائز ہے تو چربی نکال کر موٹاپے کو زائل کرنے کی بھی اجازت ہوگی اس لئے کہ یہ بھی دوا اور علاج ہی کی قبیل سے ہے لہذا دونوں مشروع ہیں۔

(۱) فتاوی قاضی خان ۳/۴۰۳

ختنہ کے لئے آپریشن:

اس کا مقصود اس جلد اور چمڑے کو کاٹنا ہوتا ہے جو عضو تناسل کے حشفہ (سپاری) کو ڈھنکا ہوتا ہے، یا عورتوں میں فرج کے اوپری حصہ میں گوشت کا ٹکڑا ہوتا ہے اسے کاٹا جاتا ہے۔

یہ نہایت پرانا عمل ہے دین حنیف کے بقیات میں سے ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اللہ عزوجل کے اس ارشاد: ﴿وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ﴾ (البقرہ:١٢٤) ان دس کلمات میں انہوں نے ختنہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

بعض مفسرین نے اس بات پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے ختنہ کیا ہے۔ "علی أنه اول من اختتن" (١) سب سے پہلے جنہوں نے ختنہ کیا وہ ابراہیم علیہ السلام ہیں، حدیث میں ہے: "الفطرة خمسٌ الاختتان" (٢) پانچ چیزیں فطرت میں داخل ہیں۔

ایک روایت میں ہے: "الختان سنة الرجال ومكرمة للنساء" (٣)

امام ابومحمد علی بن حزم الظاہری کہتے ہیں کہ: "اتفقوا على أن من اختتن فقد أصاب واتفقوا على اباحة الختان للنساء" (٤) فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جس نے ختنہ کیا اس نے صحیح کیا اور اس پر بھی ان کا اتفاق ہے کہ عورتوں کے لئے ختنہ مباح ہے۔

ایک جگہ علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:

"ان الختان سنة كما جاء في الخبر وهو من شعائر

(١) تفسیر القرطبی:٩٨/٢ سورہ البقرہ١٢٤ دار الکتب المصرة القاهرة

(٢) بخاری، باب قص الشارب، حدیث:٥٥٥٠

(٣) السنن الکبری للبیهقی، باب السلطان یکره علی الاختتان، حدیث:١٧٥٦٥ بیہقی کہتے ہیں اس کی سند ضعیف ہے اور محفوظ وموقوف ہے۔

(٤) مراتب الاجماع لابن حزم: السبق والرمی، دار الکتب العلمیة بیروت

الاسلام وخصائصه حتی لواجتمع أهل بلدٍ علی ترکه یحاربهم الامام لا یترك بالضرورة"(۱)

''ختنہ سنت ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے، اور یہ شعائر اسلام اوراس کے خصائص کے قبیل سے ہے، اگر کسی شہر والے اس کے چھوڑنے پر اتفاق کرلیں توان سے مقاتلہ کرے گا''۔

پستانوں کا آپریشن:

یہ آپریشن خواہ پستانوں کو بڑے کرنے کے لئے ہو یا چھوٹے کرنے کے لئے ہو، اگر کسی بیماری وتکلیف دور کرنے کے لئے ہے تو جائز ہے۔ ورنہ محض پستانوں کو خوبصورت بنانے یا فیشن پرستی کے لئے ہوتو ناجائز اور حرام ہے۔

جنس کی تبدیلی کے لئے آپریشن:

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس آپریشن سے مذکر کو مؤنث یا مؤنث کو مذکر سے بدل دیا جاتا ہے۔ یہ آپریشن شرعی اعتبار سے بالکل حرام ہے۔

جس کے مندرجہ ذیل وجوہات ہیں:

۱- یہ محض اپنی خواہش کی تکمیل کی غرض سے اللہ کی خلقت میں تبدیلی ہے، نیز یہ اللہ کے فیصلہ کے ساتھ مقابلہ ہے۔

۲- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:" لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المتشبهین من الرجال بالنساء، والمتشبهات من النساء بالرجال"(۲)

لعنت کی وعید خطرناک موقع پر استعمال کی جاتی ہے:"لأن الوعید باللعن یعتبر من ضابط الکبائر"(۳)

اس سرجری اور آپریشن کا مقصود بھی مرد کو عورت کی مشابہت اختیار کرنا اور عورت کو

---

(۱) البحر الرائق: مسائل فی المسابقة والقمار ۸/۵۵۴ دار المعرفة بیروت، دار الکتاب الاسلامی

(۲) بخاری باب المتشبهین بالنساء، حدیث: ۵۵۴۶ (۳) تفسیر القرطبی: ۵/۱۶۰

مرد کی مشابہت اپنانا ہوتا ہے۔

۳- اس میں کشف عورت کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے یہ کوئی ایسی لازمی اور ضروری چیز نہیں ہے کہ ستر کھولنے کی اجازت دی جائے۔

۴- امام قرطبی فرماتے ہیں کہ:"لا یختلف فقهاء الحجاز وفقهاء الكوفين ان خصاء بنی آدم لا یحل ولا یجوز لأنهٗ مثلة"(۱)

جب خصی کرنا حرام ہے کہ جس میں صرف ایک عضو کی منفعت ختم ہوتی ہے تو مکمل جنس کی تبدیلی کتنی خطرناک ہوسکتی ہے؛ لہٰذا اس قسم کے آپریشن کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔(۲)

اس تعلق سے لجنۃ الدائمہ کا فتوی ہے کہ:

۱- کہ اس مرد شخص کی جنس کی تبدیلی جس کی مکمل خلقت مردانہ انداز میں ہوئی ہو یا وہ عورت جس کی مکمل تخلیق عورت پن کے ساتھ ہوئی ہو تو دوسری جنس میں تبدیل کرنا جائز نہیں۔

دوسرے یہ کہ اس طرح کی جنس کی تبدیلی کی کوئی بھی کوشش یہ بہت بڑا جرم شمار ہوگی جس کو انجام دینے والا مجرم گردانا جائے گا جس کو سخت سزا ہوگی؛ چونکہ یہ اللہ کی خلقت میں تبدیلی ہے اور اللہ عزوجل نے اس تغیر اور تبدیلی کو حرام قرار دیا ہے: "ولآمرنهم فليغيرن خلق الله"۔

اور جس کے اعضاء میں مرد و عورت دونوں کی علامتیں ہوں تو اس میں غالب اعضاء کا اعتبار ہوگا، اگر اس میں مذکر کی علامتیں ہوں تو اس کے مذکر پن میں اشتباہ پیدا کرنے والی چیزوں کو ختم کرنے کا علاج کرنا جائز ہے، اور جس میں انوثت کی علامتیں غالب ہوں تو اس کی عورت پن میں اشتباہ پیدا کرنے والے امور کو ختم کرنا جائز ہے۔(۳)

---

(۱) تفسیر القرطبی سورۃ النسا: ۱۱۹، جلد ۵/۳۹۱ دار الکتب المصرية القاهرة الطبعة الثانية ۱۳۸۴ھ ۱۹۶۴ء

(۲) جدید مسائل کا حل ۴۸۱ بحوالہ فتاوی محمودیہ

(۳) قرار هيئة كبار العلماء: رقم ۱۷۶، وتاریخ ۱۷/۳/۱۴۱۳ھ

تبدیلی جنس کے بعد کس کے احکام جاری ہوں گے؟

یہ بات تو طئے ہے کہ کسی بھی مرد یا عورت کا اپنی جنس تبدیل کرنے کی کوشش کرنا قطعا حرام اور قابل لعنت ہے، احادیث شریفہ میں ایسے مردوں اور عورتوں پر سخت لعنت آئی ہے؛ لیکن اب یہ مسئلہ زیر غور ہے کہ جنس تبدیل کرانے والے شخص پر کس کے احکام جاری ہوں گے، جنس بدلنے کے بعد احکام جاری کئے جائیں گے یا اس کو پرانی حالت پر برقرار مانتے ہوئے اسی کے مطابق احکام جاری کریں گے؟ یہاں یہ واضح رہنا چاہئے کہ معتبر اور ماہر ڈاکٹروں سے تحقیق کے بعد یہ بات ثابت ہوئی کہ مکمل طور پر مرد یا عورت کی جنس کی تبدیلی قطعا ناممکن ہے، یعنی ایسا نہیں ہوسکتا ہے کہ جنس کی تبدیلی سے مرد میں قوت ولادت ورضاعت پیدا ہوجائے یا عورت میں قوت رجولیت پیدا ہوجائے ، اسی طرح اعضاء جنسیہ میں بھی حقیقتا تبدیلی ناممکن ہے، البتہ بعض آثار میں تبدیلی ہوسکتی ہے ، مثلاً عورت کے چہرے پر بال نکل آئیں یا مرد کے سینے میں ابھار یا آواز میں لچک آجائے وغیرہ ، بریں بناء مسئلہ کا اصل حکم یہ ہے کہ تبدیلی جنس کے بعد جس شخص میں جو صفات غالب ہوں اس کا شمار اسی جنس سے ہوگا، یعنی مرد کی علامتیں ہیں تو مرد رہے گا اور اگر عورت کی علامتیں ہیں تو عورت رہے گی ، اور اگر ایسی صورت پیدا ہوجائے کہ فیصلہ کرنا مشکل ہو کہ مرد ہے یا عورت تو اس کا حکم خنثی مشکلک کے درجہ میں ہوگا، فقہ میں اس کے متعلق علاحدہ احکام بیان کئے گئے ہیں (فتوی جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد شائع کردہ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند جو۲۰۱۲)

پوسٹ مارٹم (چیر پھاڑ)(Anatomy)

پوسٹ مارٹم کے دو اغراض ہیں:

۱- اطباء کو آپریشن اور سرجری سیکھنے کے لئے عملی مشق کی ضرورت کے پیش نظر۔

۲- جرائم، جنایات، اور اس جرم سے متعلق تفصیل اور قتل کے اسباب کو معلوم کرنا ہوتا ہے۔

شریعت چوں کہ مثلہ اور مردہ جسم کے ساتھ کھلواڑ کی اجازت نہیں دیتی تو اس

پوسٹ مارٹم کا کیا حکم ہوگا؟

بہت ساری فقہ اکیڈمیوں اور دارالافتاء سے اس کے جواز کا فتوی جاری ہوا ہے۔

انہوں نے پوسٹ مارٹم کی اجازت کسی شرعی مصلحت کے وقت دی ہے۔

اگر اس میں مسلمانوں کا مفاد ہو، اور اس کے ذریعہ طبی کالجوں میں علم طب سیکھنے، اور مردہ اجسام پر بحث اور ریسرچ کی جاتی ہو، اس سے اعضاء انسانی کی ساخت اورامراض و بیماریوں کی شناخت ہوتی ہو بیماری اور بیماریوں کی جگہوں کی کمی اور نقصانات کا علم ہوتا ہے اور اس کا بہترین علاج کیا جاتا ہو تو جائز ہے۔(۱)

اس طرح جنایات و جرائم کا پتہ لگانے کے لئے بھی پوسٹ مارٹم نہایت ضروری ہے تا کہ جرم کی شناخت کے ذریعہ صاحب حق کو اس کا حق مل سکے اس وقت بھی شریعت نے اس کی اجازت دی ہے۔قرآن وحدیث میں تو پوسٹ مارٹم کے بارے میں کوئی واضح حکم موجود نہیں ہے لیکن کتب فقہ میں اس کے نظائر ملتے ہیں:

۱- مردے کے جسم کو بغرض تعلیم ایسے ہی چیرا اور پھاڑا جا سکتا ہے جیسے مردہ حاملہ عورت کے پیٹ کو پھاڑا جاتا ہے جب کہ اس کے پیٹ میں موجود بچہ کی زندگی کی امید ہوتی ہے۔

۲- بغرض تعلیم مردے کے جسم کا پوسٹ مارٹم ایسے ہی کیا جا سکتا ہے جیسے حاملہ عورت کی جان کا اندیشہ ہو تو پیٹ کے بچہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے نکالنے کی اجازت ہے۔(۲)

۳- مردے کے جسم کا بغرض تعلیم چیر پھاڑ کرنا ایسے ہی جائز ہے جیسے مردے کے جسم کو اس کے غصب کردہ مال کے نگلنے کی صورت میں اس کے پیٹ کو پھاڑنا جائز ہے۔(۳)

---

(۱) د۔ محمد علی البار: علم التشریح عند المسلمین:۱۰

(۲) مجله البحوث العلمية پہلی جلد چوتھا شمارہ ص۱۹-۲۳

(۳) مجلة الأزهر جلد٦ شماره محرم ۱۳۵۴ھ ص:۴۷۳

ان تین صورتوں میں زندہ لوگوں کی مصلحت اوران کے مفاد کے لئے مردے کو چیر پھاڑ کرنے کی اجازت دی گئی ہے یہی تمام مصلحتیں آپریشن سیکھنے کے لئے اورانسانی جسم کے امراض کی ترتیب کا پتہ لگا کراس کے مطابق زندہ لوگوں کا علاج کرنا پیش نظر ہوتا ہے۔،اس سلسلے میں ان تینوں صورتوں کے جواز کا فتوی ہیئة کبار العلماء المملكة العربية السعودیہ نے بھی دی ہے۔(۱) اسلامی فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کا فیصلہ بھی یہی ہے۔

البتہ پوسٹ مارٹم کا مذکورہ بالا اغراض کے لئے اجازت چند شرائط کے ساتھ مقید ہے:

۱) پوسٹ مارٹم اس شخص کی موت کے مکمل یقین کے بعد ہو۔

۲) پوسٹ مارٹم کی شدید ضرورت ہو، جیسے تعلیم کے لئے ، امراض کا پتہ لگانے کے لئے ، یا جرائم پر اطلاع کے لئے۔

۳) اس شخص نے مرنے سے پہلے یا اس کے اقرباء نے اس کی اجازت دی ہو۔

۴) مردے کی بے حرمتی اور مثلہ نہ ہو۔

۵) پوسٹ مارٹم کے بعد اس کے تمام اعضاء یکجا کئے جائیں اوراس کو احترام کے ساتھ دفن کیا جائے۔(۲)

اس سلسلہ میں محققین علماء عرب کی اس وقت رائے جواز کی ہے،جن کے ناموں کی فہرست طویل ہے اور تقریبا عرب فقہ اکیڈمیوں کے فیصلہ بھی مذکورہ بالا اغراض کے لئے پوسٹ مارٹم کی اجازت کے لئے ہی ہیں۔

بعض علماء اور محققین نے بغرض تعلیم بھی پوسٹ مارٹم کو ناجائز کہا ہے۔

ان میں عرب علماء کے ساتھ ہندوستان سے حضرت مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی بھی شامل ہیں۔(۳)

---

(۱) من فتاوى اللجنة الدائمة (۴) من الفتوى رقم: ۳۶۸۵

(۲) الموسوعة الطبية الفقهية: ۲۰۰، الدكتور محمد كنعان، دار النفائس ، بيروت

(۳) قضايا فقهية معاصرة للسنبهلي: ۶۶/ دار القلم بدمشق ودار العلوم بيروت

دلائل:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:﴿ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ اٰدَمَ ﴾الآیة (سورة الاسرا: ۷۰) ''اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو محترم ومکرم قرار دیا''، یہ عزت وتکریم مردہ وزندہ ہر حالت میں ہوگی مردے کے جسم کا پوسٹ مارٹم یہ انسانیت کی تکریم کے خلاف ہے۔

وہ دلائل جس سے مثلہ کا ناجائز ہونا معلوم ہوتا ہے انہی میں ایک حدیث بریدہ رضی اللہ عنہ ہے جس میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:"اغزوا ولا تغلوا ، ولا تغدروا، ولا تمثلوا" (۱) اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستے میں لڑائی کرو اور کفار سے مقابلہ کرو، لڑائی کے دوران غلو نہ کرو اور نہ دھوکہ دو اور نہ ہی مثلہ کرو۔

مسلمان کے جسم کا پوسٹ مارٹم اس کے جسم کا مثلہ کرنا ہے، اس حدیث کی ممانعت کے عموم میں داخل ہے۔(۲)

امام مالکؒ موطا میں بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تحریر فرماتے ہیں : "کسر عظمه میتاً ککسرہ وھوحیٌّ قال مالك تعنى فی الاثم" (۳) (مردے کی ہڈی توڑنا زندہ کی ہڈی توڑنے کے مثل ہے) امام مالک فرماتے ہیں کہ: یعنی گناہ میں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہٗ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

> "وحاصلهٗ ان عظم المیت لهٗ حرمة مثل حرمة عظم الحی لکن لا حیوة فیه فکان کاسرهٗ فی انتهاك الحرمة ککاسر عظم الحی، ویعدم القصاص والأرش لا نعدام المعنی الذی یوجبه من الحیاة ،قال الطیبی: اشارة الی

(۱) مسلم :باب تامیر الامام الأمراء ،حدیث:۱۷۳۱

(۲) قضایا فقهیة معاصرة للسنبهلی :۶۴

(۳) موطا امام مالك : کتاب الجنائز ص۲۲۱،قدیمی وابن ماجه کتاب الجنائز ص۱۱۶قدیمی

انه لایُهان میتا کمالا یهان حیّاً"(۱)

اس کا حاصل یہ ہے کہ مردے کی حرمت زندہ کی ہڈی کی حرمت کے مثل ہے، لیکن چونکہ اس میں حیات نہیں ہے، تو اس کا توڑنے والا اس کی حرمت کے ختم کرنے میں زندہ کی ہڈی کو توڑنے والے کے مثل ہے، البتہ قصاص اور دیت اس لئے واجب نہیں ہوتی ہے کہ اس میں زندگی کا معنیٰ نہیں پایا جاتا، طیبی کہتے ہیں کہ: اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مردار کی اہانت نہ کی جائے جس طرح زندہ کی اہانت نہیں کی جاتی۔

ردالمحتار میں ہے:

" الادمی مکرم شرعاً وإن کان کافراً والمراد تکریم صورتہٖ وخلقتہٖ وکذا لم یجز کسر عظام میتٍ کافرٍ" (۲)

"آدمی شرعاً مکرم اور محترم ہے گرچہ کافر ہی کیوں نہ ہو، مطلب اس کی صورت اس کی خلقت کی تکریم اور عزت ہے، اسی طرح مردہ کافر کی ہڈی توڑنا بھی جائز نہیں ہے"۔

رہی بات طبی اغراض وتجربات کے لئے مردوں کا چیرنا پھاڑنا یہ بھی وجہ جواز نہیں بن سکتی؛ اس لئے کہ نوع انسانی جس طرح زندہ ہونے کی حالت میں قابل احترام ہے اسی طرح مردہ ہونے کی حالت میں قابل احترام ہے مردہ کی لاش کو چیرنے پھاڑنے میں اس کی توہین ہے۔(۳)

طبی تجربہ بعض دیگر حیوانات پر بھی ممکن ہے جن کے اعضاء انسانی اعضاء سے قریب ہیں:

"اس طرح قتل کی واردات پر اطلاع، قاتل کی تعیین، پوسٹ مارٹم کے ذریعہ مکمل حاصل نہیں ہوتی۔ اس لئے شرعاً اس کی اجازت نہ ہوگی"(۴)

---

(۱) أوجز المسالك: ۵۰۷/۲ (۲) رد المحتار: باب البیع الفاسد: ۱۴۵/۴

(۳) فتاوی محمودیہ ۳۵۵/۶ بحوالہ جدید مسائل کا حل ص ۴۸۰

(۴) منتخبات نظام الفتاوی ج۔ص ۴۱۲ بحوالہ جدید مسائل کا حل ۴۷۹

کیا قانونی اعتبار سے پوسٹ مارٹم کرانا ضروری ہوتو کیا پوسٹ مارٹم کیا جا سکتا ہے؟

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نے لکھا ہے:

اگر کسی غیر مسلم حکومت میں نعشوں کے پوسٹ مارٹم کا قانون رائج ہوتو مسلمانوں کو کوشش کر کے اس قاعدے کو منسوخ کرنا چاہئے اور جب منسوخ نہ ہو اور حکومت جبرا یہ کام کرے تو مسلمان معذور ہوں گے۔(۱)

پوسٹ مارٹم کا پیشہ اختیار کرنا کیسا ہے؟

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:

جس شخص کو ملازمت کی ضرورت سے ایسی چیز پھاڑ کا اتفاق ہو وہ اس فعل کو ناجائز سمجھے ، اور استغفار کرے اور جب تک دوسری نوکری قابل بسر میسر نہ ہو یہ نوکری نہ چھوڑے کہ ''من ابتلی ببلیتین فلیختر أھونھما''یعنی جو شخص دو مصیبتوں میں گرفتار ہو جائے تو وہ کم تر درجہ کی مصیبت کو اختیار کرے۔(۲)

مختلف ڈاکٹرس حضرات سے مذاکرہ کے بعد احقر اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ سیکھنے کے لئے بھی انسانی لاش کا ہونا ضروری نہیں، بلکہ مصنوعی لاشوں کے ذریعے ونیز ماہر ڈاکٹرس کے ماتحت بھی رہ کر سیکھا جا سکتا ہے، آج کل کالجوں میں جن لاشوں کو تعلیم کی غرض سے لا کر رکھا جاتا ہے، ان کے ساتھ بڑی بے حرمتی، بلکہ طلباء کھلواڑ کرتے ہیں، لاشوں کی ستر پوشی کے لئے کپڑا ابھی نہیں ڈالا جاتا، اور اس کے ہر عضو پر تجربہ کرنے کے بعد ہڈیوں کو فروخت کر دیا جاتا ہے، پتہ چلا کہ انسانی لاش کا ہونا پوسٹ مارٹم میں ضروری نہیں، مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب دامت برکاتہم کی رائے ہی راجح معلوم ہوتی ہے۔

عورت کے جسم کا پوسٹ مارٹم کرنا:

اگر قتل کی واردات پر اطلاع، اور وبائی امراض کی جانکاری کے لئے عورت کے جسم کا پوسٹ مارٹم کرنا پڑے تو اس کے ماہر طبیبات کے حوالہ کرنا چاہیے۔

(۱) کفایۃ المفتی: ۱۸۹/۴ (۲) کتاب المسائل: ۵۶۲/۱، مکتبۃ الحق

اگر ماہر طبیبہ نہ ہو جس کی وجہ سے مرد کو پوسٹ مارٹم کرنا ناگزیر ہو تو اس عورت کے شوہر یا کسی محرم کا وہاں رہنا ضروری ہے، اور ڈاکٹر مردہ عورت کو بقدر ضرورت دیکھے، اور مس کرے، اور یہ چھونا بھی دستانے پہن کر ہو اس دوران مرد، عورت ڈاکٹروں کا اختلاط نہیں ہونا چاہیے۔(۱)

رابطۂ عالمِ اسلامی کے مجمع الفقہ الاسلامی نے اپنے آٹھویں اجلاس منعقدہ مکہ مکرمہ بتاریخ ۶/۵/۱۴۰۵ھ میں یہ وصیت کی ہے:

''عورتوں کے جسموں کا پوسٹ مارٹم مستقل مرد حضرات انجام نہ دیں'' "بعدم التشريح جثث النساء قبل الأطباء مستقلاً" اوراس نے اپنے دسویں اجلاس منعقدہ مکہ مکرمۃ بتاریخ ۱۷/۱۰/۱۹۸۷ء سے لے کر ۲۰/۱۰/۱۹۸۷ء یہ قرارداد منظور کی کہ "بأنّ حثث النساء لا يجوز أن يتولّى تشريحها غير الطبيبات المختصات الّا اذا لم يوجدن" کہ عورتوں کے مردار جسموں کا پوسٹ مارٹم کا کرنا اس کی خاص طبیبات کے علاوہ کسی اور کے لئے جائز نہیں الا یہ کہ عورت طبیب نہ ہو۔

پلاسٹک سرجری یا تجمیلی آپریشن کے احکام:

تجمیلی آپریشن کی اطباء نے یہ تعریف کی ہے کہ: یہ وہ آپریشن ہوتا ہے جو جسم کے کسی عضو کو خوبصورت بنانے یا اس میں کسی کمی یا بگاڑ کو دور کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔

یہ آپریشن دو طرح کا ہوتا ہے:

۱) حسن کو دوبالا اور دوچند کرنے کے لئے۔

۲) ضروری درجہ کے۔

حسن کو دوبالا اور دوچند کرنے کے لئے آپریشن کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

الف: اس لئے کہ یہ کسی ضرورت اور حاجت کے لئے نہیں ہوتا؛ بلکہ اس کا مقصود اللہ کی خلقت میں تبدیلی اور تغیر ہوتا ہے، حسب خواہش ان اعضاء میں تبدیلی ہوتی ہے۔

---

(۱) عصمت الله محمد، الانتفاع بأجزاء الأدمی فی الفقه الاسلامی ۱۲۸-۱۲۹

ب: اس کے پیچھے حسن افزائی، اور حسن نمائی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لعن الله الواشمات والمستوشمات والنامصات والمتنمصات والمتفلجات للحسن والمغيرات لخلق الله"(۱)

"حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ اللہ تعالی نے ان عورتوں پر لعنت کی جو بدن کو گودتی ہیں اور گودواتی ہیں اور چہرے کے بال اکھڑواتی ہیں حسن کے لئے دانتوں کو کشادہ کراتی ہیں اللہ تعالی کی بنائی ہوئی صورت کو بدلنے والی ہیں"۔

اس میں "للحسن" کی قید لگائی، ملا علی قاریؒ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے امام نوویؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں: "فيه اشارة الى ان الحرام هو المفعول لطلب الحسن"(۲) اس میں اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ حرام عمل ہی حسن طلب کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔

اسی طرح علامہ بدرالدین عینیؒ کا بیان ہے: "قوله: "للحسن" اللام فيه للتعليل احترازاً عمالو كان للمعالجة ومثلها"(۳) آپ کا قول "للحسن" اس میں لام تعلیل کے لئے ہے، ہاں البتہ اگر یہ علاج ومعالجہ کے لئے ہو تو اس سے احتراز ہے۔

اسی طرح فتح الباری میں ہے: "المتفلجات للحسن" يفهم منه أن المذمومة من فعلت ذلك لأجل الحسن"(۴) ارشاد الساری ۱۲/۶۱۰) اس سے معلوم ہوا کہ قابل مذمت وہ عمل ہے جو حسن کے طلب کے لئے کیا جائے۔

ج: اس میں تغریر وتدلیس پائی جاتی ہے: حدیث میں ہے: "نهى رسول الله ﷺ

(۱) مسلم: باب تحريم فعل الواصلة، حديث: ۵۶۹۵ (۲) مرقاة المفاتيح: ۲۹۵/۸

(۳) عمدة القاری: ۱۴/۱۵ اباب الوصل فی الشعر (۴) فتح الباری شرح البخاری: ۳۸۵/۱۰

عــن عشر وفيها الوشر"(۱) رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا رگڑ کر دانتوں کو باریک کرنے سے اور بال گوندنے اور بال اکھاڑنے کو۔

اس کی شرح میں ملا علی قاریؒ رقمطراز ہیں:

"قـال الـوشـر وهـو عـلـى ما فى النهاية تحديد الأسنان وتـرقيق اطرافها تفعله المرأة الكبيرة تشبه باشواب قال بـعـضـهـم انـما نهى عنه لما فيه من التعرير وتغيير خلق الله"(۲)

''فرماتے ہیں کہ وشر نہایة کے مطابق دانتوں کو تیز کرنا اور دانتوں کے اطرف کو باریک کرنا، یہ عمل بڑی عمر کی عورتیں نوجواں کے مشابہ نظر آنے کے لئے کرتی ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں اس کی ممانعت اس لئے ہے کہ اس میں دھوکہ دہی اور اللہ کی خلقت میں تبدیلی لازم آتی ہے''۔

علامہ تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

"وبـمـا يـبـدو مـنـه أنه كان فى أصل الخلقة هكذا فانهٗ تلبسٌ وتغير منهى عنه"(۳)

''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اصلِ خلقت میں ایسے ہی ہے، اور یہ التباس اور ممنوعہ تبدیلی ہے''۔

(۱) مشکوۃ: ۳۷۶ کتاب اللباس

(۲) مرقاۃ المفاتیح: ۲۵۹/۸ کتاب اللباس، مکتبہ امدادیہ پاکستان

(۳) تکملہ فتح الملہم ۱۹۵/۴

ضروری درجہ کے آپریشن

اس آپریشن کا مقصود پیدائشی، یا بیماریوں اور حوادث کی وجہ سے درآنے والے عیوب اور نقائص کو دور کرنا ہوتا ہے۔ چوں کہ اس طرح کے عیوب انسان کے لئے حسی اور معنوی دونوں طرح سے نقصان دہ ہیں تو ایسے اشخاص کو آپریشن کے ذریعہ ان عیوب کے ازالہ کی اجازت ہے۔

اس کے درج ذیل وجوہات ہیں:

الف: اس قسم کے آپریشن کے جائز ہونے کے سلسلے میں اہل سیر نے یہ واقعہ بیان کیا ہے:

قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ احد کے دن زخمی ہوگئی اور وہ اپنے حلقہ سے نکل آئی، لوگوں نے اس کو کاٹ دینا چاہا، ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اس آنکھ کو اس کی جگہ پر کردیا: ”فردها مكانها براحته“۔(۱)

آنکھ نہ ہونے سے چہرے کے بگاڑ اور بدصورتی کی صورت جو حسی اور معنوی نقصانات ہوسکتے ہیں اس کی وجہ سے اس عمل کا جائز ہونا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

عرفجہ بن اسعد کی حدیث جس میں وہ کہتے ہیں کہ:

”قطعت أنفي يوم الكلاب في الجاهلية فاتخذت أنفا من ورق، فأنتن عليَّ فأمرني أن أتخذ انفا من

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ: في فصل الانصار، حدیث ۳۲۳۶۴، علامہ مناویؒ فرماتے ہیں: حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور علامہ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، ترمذی نے اسے ”حسن غریب“ کہا ہے، اور منذری نے کہا ہے کہ مولف نے اس پر کوئی علامت قائم نہیں کی۔

ذھب" (۱)

یعنی چلی گئی آنکھوں کی جگہ مصنوعی آنکھ لگائی جاسکتی ہیں، جیسا کہ حضور ﷺ نے کٹی ہوئی ناک کی جگہ سونے کی ناک لگانے کا حکم دیا۔

ب: جس طرح دیگر آپریشن ضرورۃ جائز ہیں اسی طرح ضرورت کی وجہ سے یہ بھی جائز ہے۔

ج: یہ تغیر خلق اللہ کے تحت نہیں آتا، اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی خلقت میں تبدیلی ارادۃً نہیں؛ بلکہ مقصود یہاں نقصان کو دور کرنا ہے۔

چنانچہ مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ فرماتے ہیں:

"فان الظاهر ان المراد بتغيير خلق الله سبحانه وتعالىٰ حيواناً على صورته المعتارة لا يغيير فيه، لأن ماخلق على خلاف العادة مثلاً كاللحية للنساء اوالعضوالزائد فليس تغييرهٗ تغيير خلق الله "(۲)

ظاہر ہے کہ اللہ کی تخلیق میں تغیر اور تبدیلی سے مراد حیوان کا اس کی عام صورت پر ہونا ہے، جس میں تبدیلی ممکن نہیں؛ چونکہ جو چیز خلاف عادت ہوگی مثلاً عورتوں کی داڑھی یا ان کا زائد عضو تو اس میں تبدیلی اللہ کی خلقت میں تبدیلی نہیں۔

د: عمر کی زیادتی کی وجہ سے اعضاء پر تبدیلیاں اس قدر زیادہ ہوں کہ اس کی وجہ سے بدصورتی نظر آتی ہو یا اس کا بینائی پر اثر ہو رہا ہو تو آپریشن سے اس کا ازالہ کیا جاسکتا ہے۔

شیخ عبدالعزیز بن بازؒ سے تجمیلی آپریشن کے متعلق پوچھا گیا جس میں لٹکے ہوئے پلکوں کا بھی ذکر تھا جو دیکھنے میں رکاوٹ بن رہے تھے تو انہوں نے اس کا جواب یوں دیا:

---

(۱) ترمذی :شد الاسنان بالذھب، حدیث:۱۸۸۹،امام ترمذی فرماتے ہیں:یہ حدیث حسن اور غریب ہیں۔

(۲) بذل المجھود:۵/۲/۷۲-۷۳

"لا حرج فی علاج الادواء المذکورۃ بالادویۃ الشرعیۃ والادویۃ المباحۃ واما الادویۃ المحرمۃ کا لخمر ونحوھا فلا یجوز العلاج بھا"(۱)

پلاسٹک سرجری سے متعلق ایک استفسار کا جواب جو الفتاوی الشرعیہ فی المسائل العصریۃ فی فتاوی علماء البلد الحرام سے صادر ہوا۔

سوال: اذا کان الأنف کبیراً وضخماً، ھل یجوز اجراء عملیۃ لتجمیلیہ بحیث یصبح مناسباً للوجہ۔

ج: القاعدۃ فی ھذہ الأمور أن العملیۃ لإزالۃ العیب جائزۃ، والعلمیۃ للتجمیلیۃ غیر جائزۃ، ودلیل ذلك أن النبی ﷺ لعن المتفلجات فی أسنانھن من أجل تجمیل السن ولکنہٗ ان لاحد الصحابۃ لما أصیبت أنفہٗ وقطع، أجاز ان یتخذ أنفاً من ذھب، فالقاعدۃ ان ما کان لازالۃ العیب فھو جائز، وما کان لزیادۃ التجمیل فھو لیس بجائزٍ، فمثلاً لوکان الانف أعوج، وأجری عملیۃ لتعدیلہٖ فلا باس، لأن ھذا إزالۃ عیب لو کانت العین حولاء فاجری عملیۃ لتعدیلھا فلا بأس لأنہ ازالۃ عیبٌ؛ وھذا الانف اذا کان کبرہ یعتبر عیبا فھذا عیبٌ ولا بأس باجراء عملیۃ؛ أما اذا کان فیہ کبر وتصغیرہٗ یکون أجمل فان ھذا یعتبر تجمیلاً فھو کالتفلج لا یجوز۔(۱)

ان امور کے تعلق سے قاعدہ یہ ہے کہ کوئی بھی سرجری عیب کے ازالہ کے لئے کرنا جائز ہے، اور خوبصورتی کے لئے کرنا جائز نہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دانتوں کے درمیان کشادگی کرنے والیوں پر لعنت کی ہے کہ مقصود

(۱) مجموع فتاوی الشیخ عبدالعزیز بن باز:۱/۴۱۹

(۲) ابن عثمن :فتاوی علماء البلد الحرام۱۶۹۱،تجمیلی آپریشن اور اسکے احکام سے متعلق فقہ اکیڈمی کا فیصلہ

دانتوں کی خوبصورتی ہوتی ہے، لیکن جب کسی صحابہ کی دوران جنگ ناک کٹ گئی تو آپ ﷺ نے ان کو سونے کی ناک بنانے کی اجازت مرحمت کی، اس لئے قاعدہ یہ ہے کہ جو عمل یا سرجری عیب کے ازالہ کے لئے ہو تو وہ جائز ہے، اور جو خوبصورتی اور حسن میں اضافہ کے لئے تو وہ درست نہیں، مثلاً ناک ٹیڑھی ہو تو اس کو سیدھا کرنے کے لئے سرجری کرنا درست ہے، چونکہ یہ عیب کا ازالہ ہے، اگر آنکھ میں ترچھا پن ہو تو اس کی درستگی کے لئے سرجری کرنے میں کوئی حرج نہیں، چونکہ یہ بھی عیب کا ازالہ ہے، اگر ناک کا بڑا ہونا عیب شمار ہوتا ہے تو یہ بھی عیب ہے اور اس کے لئے سرجری کرنے میں کوئی حرج نہیں، اگر ناک بڑی اور اس کے چھوٹے کرنے سے وہ خوبصورت نظر آتی ہو تو یہ تجمیل شمار ہوگا دانتوں کے درمیان فاصلہ کرنے کی طرح درست نہیں ہوگا۔

بالوں کی آرائش کے احکام

بالوں کو جوڑ کر یا ان کی پیوندکاری کر کے خوبصورتی پیدا کرنا۔

مسئلہ: آدمی کے بالوں کو آدمی کے بالوں سے جوڑنا جائز نہیں ہے۔

دلائل:

۱- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث:

"إن جارية من الأنصار تزوجت، وأنها مرضت فتمرط شعرها، أى حث شعرها فأرادوا أن يصلوا، فسالوا رسول اللّٰه ﷺ من ذالك، فلعن الواصلة والمستوصلة"(۱)

''انصار کی ایک لڑکی کی شادی ہوئی، اور اس کے بال ایک بیماری کی وجہ سے گر گئے، ان لوگوں نے اس کے بالوں کو جوڑنا چاہا، انہوں نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ عزوجل جوڑنے والی عورت اور جوڑنے لینے والی عورت پر لعنت فرمائے''

۲- حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں:

"جاء ت امرأة الى النبى ﷺ فقالت: يا رسول اللّٰه ﷺ! ان لى ابنة عريسا، أصابتها حصبة، فتمزق شعرها أن تساقط، افأصلهٗ؟ فقال لعن اللّٰه الواصلة والمستوصلة"(۲)

---

(۱) مسلم كتاب اللباس والزينة، باب تحريم فعل الواصلة والمستوصلة، **حديث:**۲۱۲۳

(۲) مسلم باب تحريم فعل الواصلة والمستوصلة: **حديث**۲۱۲۲

''ایک عورت نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگے : اے اللہ کے رسول ﷺ! میری ایک شادی شدہ لڑکی ہے اس کو کنکر آئے ہوئے ہیں، جس کی وجہ سے اس کے بال جھڑ گئے ہیں، کیا میں اس کے بالوں کو جوڑ سکتی ہوں ؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا : اللہ بالوں کو جوڑنے والی اور جوڑ لینے والی دونوں پر لعنت فرمائی''۔

۳- حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ:"زجر النبی ﷺ أن تصل المرأة برأسها شيئاً" (۱) نبی کریم ﷺ نے عورت کے اپنے سر میں کسی چیز کو جوڑنے سے منع فرمایا ہے۔

۴- حضرت سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ آئے، اور یہ ان کا آخری بار آنا ہوا تھا، انہوں نے بالوں کا ایک گچھا نکالا اور فرمایا:"ما كنت أرى أحداً يفعل هذا غير اليهود" میں نہیں سمجھتا کہ یہود کے علاوہ بھی کوئی اس طرح کرتا ہے۔(۲)

۵- اس کو حضور ﷺ نے ''زور'' (جھوٹ) اور دھوکہ کہا ہے اور جھوٹ حرام ہے۔(۳)

۶۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں:"وهذا الأحاديث صريحة في تحريم الوصل ولعن الواصلة والمستوصلة مطلقا، وهذا هو الظاهر المختار" (۴) یہ حدیثیں جوڑنے کی حرمت کے بارے میں صریح ہیں اور جوڑنے والی اور جوڑ لینے والی پر مطلقاً لعنت یہی ظاہر اور پسندیدہ قول ہے۔

۷- اکثر فقہاء کرام کے یہاں عورت کا آدمی کے بالوں کو اپنے بالوں میں جوڑنا جائز نہیں ہے۔(۵)

(۱) مسلم باب تحريم فعل الواصلة: حديث ۲۱۲۲

(۲) بخاري : باب حديث الغار ،حديث: ۳۲۸۱

(۳) بخاري: باب حديث الفار: ۳۲۹۹

(۴) صحيح مسلم مع شرح المسلم: ۱۰۳/۱۴، داراحياء الثرات العربى بيروت

(۵) حاشية ابن عابدين: ۳۷۳/۶

۸- فقہ النوازل میں آدمی کے بالوں کو عورت کے سر میں جوڑنے کی حرمت پر اتفاق نقل کیا ہے:

”اتفق الفقهاء الحنفية والمالكية، والحنابلة، والظاهرة والشافعية على تحريم وصل شعر المرأة لشعر آدمى لقصد التجميل والتحسين، سواء كان الشعر الذى اتصل به شعرها، أوشعر زوجها أومحرمها، أم امرأة أخرى غيرها۔ لعموم الأحاديث الواردة فى السنن من الوصل، ولانه يحرم الاشفاع بشعر الآدمى وسائر أجزائه لكرامته بدفن شعره وجسمه، وسائر اجزائه“ (۱)

”حنفی، مالکی، حنبلی، ظاہری اور شافعی علماء نے عورت کے بال میں آدمی کے بال کے ملانے کو حسن وخوبصورتی کے واسطے ملانے کی حرمت پر اتفاق کیا ہے، جس کے یہ بال ملائے جارہے ہیں خواہ یہ بال خود اس کے بال ہوں، یا اس کے شوہر کے یا کسی محرم یا کسی اور دوسری عورت کے؛ چونکہ جوڑنے کی ممانعت والی احادیث عام ہیں اور اس لئے بھی کہ آدمی کے بالوں اور اس کے تمام اجزاء سے انتفاع حرام ہے، بلکہ اس کے بال، اس کے جسم اور اس کے تمام اجزاء کو دفن کیا جائے گا“۔

آدمی کے بالوں کو استعمال کرنے میں اس کے جزء بدن سے انتفاع پایا جاتا ہے، جب کہ انسان کے جزء بدن سے انتفاع اور استفادہ اس کی شرافت اور کرامت کی وجہ سے حرام ہے۔(۲)

اس سے اللہ تعالیٰ کی خلقت میں تبدیلی واقع ہوتی ہے اور یہ حرام ہے۔(۳)

---

(۱) ابن عابدين ۳۴۳/۶، فقه النوازل لجنة اعداد المناهج بالجامعة الأمريكية المفتوحة: ۱۳۵

(۲) الجموع للنووى: ۱۴۰/۳ (۳) الفواكه الدوانى لأحد بن غنيم النفراوى: ۱۴۰/۲

اس میں یہود کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے یہ بھی حرام ہے۔(۱)

مسئلہ: آدمی کے علاوہ کے بالوں یا اون یا کپڑے کو جوڑنا مباح ہے۔

دلائل:

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"انّما الرخصة فی غیر شعر بنی اٰدم ، تتخذ المرأة لتزید فی قرونها ، وهو مروی عن ابی یوسف ، وفی الخانیة : لا بأس بأن تجعل فی قرونها وذوائبها شیئاً من الوبر "(۲)

"بنی آدم کے (بالوں) کے علاوہ میں رخصت ہے، جس کو عورت اپنی چوٹیوں میں اضافہ کے لئے بناتی ہے، یہ روایت امام ابو یوسف سے مروی ہے، اور خانیہ میں ہے: اپنی چوٹیوں میں اور اپنے بالوں میں کچھ اون وغیرہ لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے"۔

سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں: "لا بأس بالقرمل" یعنی اون ریشم وغیرہ کی چوٹی لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔(۳)

گذشتہ احادیث میں بالوں کو جوڑنے کی ممانعت کا جو ذکر آیا ہے وہ آدمی کے بالوں کے ساتھ خاص ہے؛ لہٰذا آدمی کے علاوہ دیگر بالوں کے استعمال کے سلسلہ میں اصل اباحت باقی رہے گی؛ کیوں کہ یہ چیزیں زینت کے قبیل کی ہیں۔(۴)

عالمگیری میں ہے:

"وصل الشعر لشعر الآدمی حرام سواء کان شعرها أوشعر غیرها ولابأس للمرأة ان تجعل فی قرونها

(۱) اقتضاء الصراط المستقیم لأبن تیمیة :۹۵

(۲) حاشیة ابن عابدین :فصل فی النظر والمس :۳۷۳/۶

(۳) ابوداؤد کتاب الترجل باب صامة الشعر ،حدیث:۴۱۷۱،اس کی سند صحیح ہے، فتح الباری ۳۷۵/۱۰

(۴) تحفة الفقهاء لعلاء الدین السمرقندی: ۳۴۴/۳

وذوائبها شیئاً من الوبر"(۱)

"آدمی کے بالوں کے ساتھ آدمی کے بالوں کو جوڑنا حرام خواہ وہ خود اس عورت کے بال ہوں یا دوسروں کے، عورت کے لئے اپنی چوٹی اور بالوں میں اون وغیرہ لگانے میں کوئی حرج نہیں"۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ فرماتے ہیں:

" قلت لعل الفقهاء حملوا النهی فی الوصل علی ان حرمة الوصل محمول علی ما ان کان بشعر النساء ؛لأن استعمال جزء الآدمی حرام،أما الوصل بغیر شعور النساء فلا بأس بهٖ، لأنه لیس فیه استعمال جزء الانسان بل هو للزینة فقط"(۲)

"میں کہتا ہوں کہ شاید کہ فقہاء نے وصل (جوڑنے) کی ممانعت کو اس بات پر محمول کیا ہے جوڑنے کی حرمت یہ اس بات پر محمول ہے کہ وہ بال عورتوں کے ہوں؛ چونکہ آدمی کے اجزاء کا استعمال حرام،عورتوں کے علاوہ کے بالوں کا جوڑنا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، چونکہ اس میں انسان کے جزء کا استعمال نہیں ہے؛ بلکہ وہ تو محض زینت کے لئے ہے"۔

اگر کوئی عورت انسانی بال لے کر اپنے بالوں کے ساتھ ملا کر لمبا کرنے کی کوشش کرے تو یہ فعل حرام ہے، چاہے وہ اپنے بال ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح حیوان اور جانوروں کے نجس بال جوڑنا بھی منع ہے۔

البتہ انسان کے علاوہ پاک وحلال جانوروں کے پاک بالوں کو کسی عذر کی بناء پر اپنے بالوں کے ساتھ جوڑنا جائز ہے۔(۳)

---

(۱) الفتاوی الهندیة:۳۵۸/۵ الباب التاسع عشر فی الختان والخصاء وقلم الأظفار، کتاب الکراهیة

(۲) بذل المجهود: ۷۳/۵ فی صلة الشعر

(۳) عمدة القاری: ۲۲ص ۶۴، بحوالہ جدید مسائل کا حل ص ۴۱۹

بالوں کو بھرنے کا حکم:

یہ ایک جدید مسئلہ ہے عربی میں اس کو حشوۃ الشعر کہتے ہیں:

بیوٹی پالرس یا خود عورت اپنے ہلکے بالوں میں کپڑا یا اون، یا روئی، یا بال وغیرہ جوڑ کر چوٹی گوندھتی ہے جس سے بال بھرپور ہونے کا گمان ہوتا ہے، بال اونچے اور بلند نظر آتے ہیں اس میں چوں کہ آدمی کے بالوں کو جوڑنا نہیں ہے اس لئے یہ جائز ہے۔

مصنوعی بھویں: "الرموش الصناعية"

یہ بالکل باریک بال ہوتے ہیں جو پلاسٹک وغیرہ سے بنائے جاتے ہیں، یہ کسی چپکانے والے مواد سے بھوؤں پر چسپاں کئے جاتے ہیں، اس طرح بھویں گھنی نظر آتی ہیں۔

فقہاء کرام نے اس کو درست نہیں قرار دیا، اس لئے کہ بالوں کا جوڑنا جن وجوہات کی بنا پر ممنوع ہے وہ تمام وجوہات، دھوکہ دہی، غیروں کے مشابہت، اللہ تعالیٰ کی خلقت میں تبدیلی صحت کا نقصان وغیرہ اس میں بھی پائی جاتی ہیں۔

چنانچہ اللجنۃ الدائمہ کے ارکان، شیخ ابن عثیمین، شیخ صالح فوزان، دکتور سعد ترکی الخثلان، شیخ سلیمان ماجد، شیخ محمد المنجد، عبداللہ اثقفیہ، وغیرہ کا فتوی بھی عدم جواز ہی کا ہے۔

فطری بالوں کی پیوندکاری

گنجے پن کے مسئلہ کے حل کے لئے جدید اطباء نے بالوں کی پیوندکاری کا امکان دریافت کرلیا ہے، ان بالوں کی پیوندکاری کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں، اس کاروائی کے لئے بال خود اس کے سر کے اس حصہ کے ہوتے ہیں جہاں بال اگے ہوئے ہیں۔

اس سلسلہ میں اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ بالوں کی یہ پیوندکاری درست ہے انہیں میں سے علامہ ابن عثیمین بھی ہیں۔(۱)

---

(۱) فتاوی ابن عثیمین :۸۳۶/۲،اعداد وترتیب /اشرف بنمقصود بن عبدالرحیم ،ط ۱۴۱۱ادار حاکم الکتب الریاض

اسی طرح شیخ ابن جبرین، شیخ صالح فوزان، دکتور سید بوطی، دکتور فرید واصل، دکتور محمش شبر دکتور محمد السبیل الدسوقی، دکتور احمد الجی، دکتور یوسف احمد القاسم، دکتور سلمان عودۃ وغیرہ کا بھی یہی فتوی ہے۔

دلائل:

عرفجہ بن اسعد رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی ناک بنانے کا حکم دیا عیب کو دور کرنے کے لئے۔

گنجے پن کے علاج، اور اس عیب کو زائل کرنا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت عرفجہ کو اجازت دینے کی طرح ہے کیوں کہ دونوں جگہ عیب کا ازالہ ہے۔(۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ بنی اسرائیل میں تین اشخاص تھے، ایک کوڑی زدہ، ایک گنجا، اور ایک اندھا، اللہ عزوجل نے ان کو آزمانا چاہا، ان کے یہاں ایک فرشتہ کو بھیجا۔ چنانچہ اس حدیث میں ہے کہ وہ اس گنجے کے پاس آیا، اور اس نے کہا کہ تم کو کونسی چیز محبوب ہے؟ اس نے کہا: بہترین بال، اور یہ عیب مجھ سے زائل ہو جائے، لوگ مجھ سے اس کی وجہ سے گھن کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ فرشتے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا، تو اس کا گنجا پن جاتا رہا، اور اس کو بہترین بالوں سے نوازا۔ "وأعطی شعراً حسنا"(۲)

اس سے پتہ چلا کہ فرشتہ نے گنجے پن کے عیب کا ازالہ کیا، عیوب کا ازالہ جائز نہ ہوتا تو فرشتہ نے ایسا نہ کیا ہوتا۔(۳)

ڈاڑھی، مونچھ اور بھوؤں کی پیوندکاری:

انسان کے سر کے بالوں کے علاوہ دیگر مواقع زینت کے بال بھی معدوم ہو سکتے ہیں، جیسے: ڈاڑھی کے بال مونچھ بھوویں وغیرہ، آیا ان کی پیوندکاری جائز ہے؟

---

(۱) فتاوی ابن عثیمین ۸۳۶/۲

(۲) بخاری کتاب الانبیاء، باب حدیث أمراعمی وأقرع فی بنی اسرائیل حدیث: ۳۴۶۴

(۳) أحکام زراعة الشعر وازالتهٔ، سعد الختلان: ۳/فی موقع رسالة الاسلام

دراصل اس کی دوصورتیں ہیں:

۱- بال بالکل معدوم ہوں تو ان کی پیوندکاری کی جاسکتی ہے، اس لئے کہ یہ اللہ کی خلقت کی درستگی اور بحالی ہے؛ نیز اگر عورت کے ڈاڑھی کے بال نکل آئے تو وہ نکال سکتی ہے؛ اس لئے کہ یہ اس کی اصل خلقت کی بحالی ہے اس طرح مرد کے لئے ڈاڑھی وغیرہ کے بالوں کی پیوندکاری بھی دراصل خلقت میں تبدیلی نہیں بلکہ اس کی بحالی ہے۔"اذا نبت للمرأة اللحية أو شوارب فلا تحرم ازالتہ بل تستحب" (۱) اگر عورت کے داڑھی یا مونچھ کے بال نکل آئیں تو اس کا ازالہ حرام نہیں؛ بلکہ مستحب ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں:"ویستثني من النماس ماإذا نبت للمرأة لحية أو شوارب أو عنفقة فلا يحرم عليها إزالتها بل يستحب" (۲) بالوں کو نوچنے والے سے وہ عورت مستثنی ہے جس کے داڑھی یا مونچھی کے بال نکل آئیں یا ہلکی داڑھی نکل آئے، تو اس کے لئے اس کا ازالہ کرنا حرام نہیں؛ بلکہ مستحب ہے۔

۲- دوسری صورت یہ ہے کہ بال تو موجود ہوں؛ لیکن اس میں مزید حسن وخوبصورتی پیدا کرنے کے لئے یہ پیوندکاری کی جائے تو ناجائز ہے۔(۳)

مصنوعی بالوں کی پیوندکاری:

گنجے پن کی جگہ ان مصنوعی بالوں کو جوڑا جاتا ہے یہ ناجائز ہے۔

اس لئے کہ اس میں وصل کے معنی ہیں جس کی حدیث میں ممانعت آئی ہے؛ نیز اس میں ملمع سازی، دھوکہ دہی ہے مزید برآں یہ آدمی کی صحت کے لئے بھی نقصاندہ ہے۔

مصنوعی بالوں کی ٹوپی (باروکۃ الشعر الصناعی):

اس کے معنی ہیں مصنوعی بال: یہ سر کے بالوں کے مماثل پلاسٹک کا ٹوپ ہوتا

---

(۱) ردالمحتار: ۲۳۹/۵ (۲) تحفۃ الاحوذی ۵۶/۸، فتاوی رحیمیہ بحوالہ جدید مسائل کا حل ص ۳۹۸

(۳) آپ کے مسائل اور ان کا حل ص ۱۳۵

ہے، اس پر مصنوعی بال چسپاں ہوتے ہیں، اس ٹوپ کی حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اس کو سر پر رکھا جاتا ہے اسے جوڑا نہیں جاتا پس اگر آدمی کے سر پر بالکل بال نہ ہوں تو گنجے پن کے عیب کے ازالہ کے لئے اس کی اجازت ہے۔، ورنہ بال کے ہوتے ہوئے محض حسن وخوبصورتی پیدا کرنے کے لئے اس ٹوپ کے استعمال کی اجازت نہ ہوگی۔

بعض فقہاء معاصرین نے اس کو وصل کے معنی پر محمول کرتے ہوئے ناجائز قرار دیا ہے، نیز اس میں کفار کے ساتھ مشابہت اور دھوکہ ہے؛ چنانچہ لجنۃ الدائمہ سے یہی فتوی صادر ہوا(۱) شیخ ابن باز کا بھی یہی فتوی ہے۔(۲)

جن بالوں کا رکھنا مشروع ہے

بوڑھاپے کے بالوں کو نکالنے کا حکم:

سر کے، ڈاڑھی کے، یا اور کسی جگہ کے بڑھاپے کے بالوں کو (یعنی سفیدی) نوچنا اور اکھاڑنا فقہاء ائمہ اربعہ کے یہاں مکروہ ہے: "نتف الشیب مکروہٌ"(۳)

بوڑھاپے کو نوچنا ڈاڑھی بڑھانے کے منافی ہے جس کا احادیث میں حکم دیا گیا ہے۔

شارع نے بالوں کو کالا خضاب لگانے سے منع کیا ہے، جب بوڑھاپے کو چھپانے کے لئے کالا خضاب کا استعمال ممنوع ہے تو اس کا اکھاڑنا بدرجہ اولی ناجائز ہوگا۔

عورت کا سر کے بال مونڈھنا:

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت کا حسن اور اس کی خوبصورتی اس کے سر کے بالوں کی برقراری میں ہے شریعت نے بھی اس کا لحاظ رکھا ہے اس کے احترام کا حکم دیا ہے۔

بغیر شرعی عذر کے اس کا کاٹنا حرام ہے۔

---

(۱) فتاوی اللجنة الدائمه: ۹۱/۵

(۱) مجموع فتاوی ابن باز: ۵۵/۱۰ مؤسسة الحرمین الخبرية

(۳) الفتاوی الهندية للشیخ نظام الدین وجماعة من علماء الهند: ۳۵۹/۵

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لیس على النساء الحلق انما على النساء التقصير" (۱) عورتوں کے لئے سر کے بالوں کو مونڈھنا نہیں ہے، بلکہ عورتوں پر اس کو چھوٹا کرنا ہے۔

عورت کا اپنے سر کا حلق کرانا یہ فطرت سلیمہ کے منافی ہے نیز اس میں مثلہ، تشبہ بالکفار اور اللہ تعالیٰ کی خلقت میں تبدیلی پائی جاتی ہے، اور اس میں عورت کے ذاتی اور فطری حسن کو زائل کرنا ہے۔

اس میں عورت کی تھوڑی کے بال تزئین اور خوبصورتی کے لئے کٹ کرنا شامل نہیں ہے؛ لیکن دو شرطوں کا یہاں بھی لحاظ ضروری ہے:

۱- یہ کاٹنا اس حد تک نہ ہو کہ عورت کا سر مرد کے سر کے مشابہ ہو جائے۔

۲- اس میں کافروں کے ساتھ مشابہت نہ پائی جاتی ہو۔ (۲)

---

(۱) ابوداؤد: كتاب المناسك، باب الحلق والتقصير، حدیث: ۱۹۸۵، اس کو زیلعی نے (نصب الرایۃ: ۹۶/۳) میں اور ابن حجر نے (فتح الباری: ۲۱۰/۲) میں حسن کہا ہے۔

(۲) فتاوى اللجنة الدائمه: ۱۸۱/۵

ایمرجنسی کے مسائل

آپریشن کے دوران ایمرجنسی میں کیا کسی مریض کو خون دینا جائز ہے؟

طبی ضروریات کے لئے اصلاً تو ایک انسان کا خون دوسرے میں پہنچانا جائز نہیں ہے لیکن بعض مرتبہ خون کے بہہ جانے کی وجہ سے، مریض کو خون منتقل کرنے کی سخت ضرورت درپیش ہوتی ہے، بعض مرتبہ تو مریض پر موت کے خطرات منڈلاتے ہیں۔ تو خون کی ضرورت کی وجہ سے بیمار کے لئے خون کے منتقل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔(۱)

دلائل:

۱- اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ اَحْيَا هَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ (المائدہ:۳۲)

اس آیت میں محترم جان کو زندگی عطا کرنے کا سبب بننے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

یہاں پر ڈاکٹر اور خون دینے والا موت سے دوچار مریض کی، خون دے کر جان بچانے کا ذریعہ بننے والے شمار ہوں گے۔

۲- مجبوری اور اضطرار کی حالت میں استثنائی نصوص کے وارد ہونے کی وجہ سے۔

۳- آپ ﷺ نے عرنیین کو بطور دوا کے اونٹ کے پیشاب کے پینے کی اجازت دی تھی۔(۲)

---

(۱) حکم العلاج بنقل دم الانسان اور نقل اعضاء منها، احمد فهمی ابوسنة،بحث منشور بمجلة الفقه الاسلامی، السنة الاولی ۱۴۰۸ھ پہلا شمارہ ص ۳۲

(۲) بخاری: باب ابوال الابل والدداب، حدیث:۲۳۳

۴- فتاوی ہندیہ میں ہے:

"یجوز للعلیل شرب الدم والبول واکل المیتة للتداوی، اذا أخبره طبیبٌ مسلم ان شفاءه فیه، ولم یجد من المباح ما یقوم مقامهٗ"(۱)

بیمار کے لئے پیشاب اور خون کا پینا اور مردار کا کھانا بغرضِ علاج جائز ہے، اگر اس کو کوئی مسلمان طبیب یہ بتلائے کہ اس کی شفاء اس میں ہے اور کوئی مباح چیز ایسی نہ پائے جو اس کے قائم مقام ہو سکے اور اگر طبیب یہ کہے کہ اس کی وجہ سے تم کو جلد شفایابی حاصل ہوگی تو اس میں دو قول ہیں۔

۵- محیط برہانی میں ہے:

"الاستشفاء بالمحرم انما لا یجوز اذالم یعلم ان فیه شفاءً ا، أما اذا علم ان فیه شفاء، ولیس لهٗ دواءٌ اٰخر غیرهٗ فیجوز الاستشفاء بهٖ"(۲)

اس بارے میں "جدید مسائل اور ان کا حل" میں ایک سوال کا جواب ہے جو یہاں بطور خلاصہ کے پیش کیا جاتا ہے۔

سوال: کیا خون دینا جائز ہے؟

جواب: کسی مریض کو خون دینے کے بارے میں تفصیل ہے۔

☆ جب کسی مریض کی حالت کو خطرہ ہو، اور ماہر ڈاکٹر کی نظر میں اس کی جان بچنے کا خون دین کے سوا کوئی راستہ نہ ہو تو خون دینا جائز ہے۔

☆ اگر ہلاکت کا خطرہ نہ ہو مگر خون کے بغیر صحت کا امکان نہ ہو تو بھی خون دینا جائز ہے۔

(۱) فتاوی هندیة: فی الباب الثامن عشر فی التداوی والمعالجات: ۳۵۵/۵،وکذافی الدر المختار مع رد المختار کتاب الخطر والاباحة فصل فی البیع۳۸۹/۶

(۲) المحیط البرهانی کتاب الاستحسان الفصل الثانی عشر فی التداوی والمعالجات ۱۱۶/۶ بحوالہ: فتاوی محمودیہ

☆ اگر خون نہ دیا جائے تو مرض کی طوالت کا اندیشہ ہو تو بھی خون دینے کی گنجائش ہے۔

☆ جب خون دینے سے محض منفعت اور قوت مقصود ہو یعنی کسی ہلاکت یا مرض میں طوالت نہ ہو تو خون دینا ہرگز جائز نہیں ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔(۱)

خون کے بنک قائم کرنا:

خون کا خریدنا ضرورت کی وجہ سے جائز ہے؛ لیکن اس کا بیچنا بالکل جائز نہیں ہے۔(۲)

آج کل خون کی ضرورت بہت پیش آتی ہے، اس کے لئے لینے والے اور دینے والے کی نوعیت کا ایک ہونا بھی ضروری ہوتا ہے، انسان کو ہر نوع کا خون بیک وقت نہیں مل سکتا، اگر مل بھی جاتا ہے تو اس کے مناسب اور لائق نہیں ہوتا کہ اسے اس کا جسم قبول کر سکے۔

جب کہ بلڈ بنک میں ہر طرح کے خون حسب ضرورت موجود رہتے ہیں، اس لئے ضرورت کی وجہ سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے۔۔

اس سلسلہ میں اللجنة الدائمه کا فتوی ملاحظہ ہو:

پہلے تو یہ کہ اگر انسان کو ضرر اور نقصان کا اندیشہ نہ ہو تو وہ خون کا عطیہ بیماروں کا ایمرجنسی میں مدد بہم پہنچانے کے لئے دے سکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ لوگوں کے خون کے عطیہ کو قبول کرنے کے لئے اسلامی بنک کے قائم کرنے کی اجازت ہے تاکہ مسلمانوں میں سے ضرورت مندوں کو ضرورت پر خون مہیا کیا جاسکے، ہاں اس کے لئے شرط یہ ہے کہ بنک مریضوں سے یا ان کے اولیاء کے اس خون کے دینے کے عوض مالی منفعت حاصل نہ کرے اور نہ ہی اس کو کسب معاش اور تجارت کا ذریعہ بنائے تو اس کی اجازت ہے، اس لئے کہ اس میں عام مسلمانوں کا

---

(۱) اعضائے انسانی کی پیوندکاری:۶۲، جدید مسائل کا حل ۵۲۲

(۲) جواہر الفقہ: مفتی محمد شفیع: ۳۶/۲

نفع ہے۔(۱)

اسی طرح فرماتے ہیں کہ مسلمان کو خون کا عطیہ مسلمان، کافر، بت پرست اور کوئی بھی کر سکتا ہے؛ لیکن اس سے مریض کو نقصان نہ ہو(۲) خون نکالنا سیکھنے کے لئے ایسے مریضوں پر تجربہ اور ٹریننگ کرنا درست نہیں جن کے شفا اور صحت یابی کی امید نہیں؛ چونکہ اس میں ان کا نقصان اور ان پر ظلم ہے، اگر کوئی شخص بالکل ہوش وحواس میں ہو اور وہ اس سے کسی دوسرے کی مصلحت کی غرض سے خون نکالنے کو کہے تو اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس میں اس کا نقصان نہ ہو۔

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية سے(۵) فتوی(۶۹۰۸) اسی طرح اگر شوہر بیوی کو خون کا عطیہ دیتا ہے تو اس سے رشتہ زوجیت میں کوئی اثر نہیں، چونکہ خون دودھ کی طرح نہیں اور دودھ کا پینا بھی رشتہ زوجین کو دو سال کی عمر کے اندر ثابت کرتا ہے۔(۳)

جو خون بطور عطیہ دیں ان کو ہدایا دینا بھی درست نہیں، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے خون کی قیمت کھانے سے منع فرمایا ہے: "إن رسول الله ﷺ نهى عن ثمن الدم، وثمن الكلب، وكسب الأمة"(۴)

فتاوی رحیمیہ میں اس کے عدم جواز کی بات کہی گئی، اس کا متبادل یہ بتایا گیا کہ جو لوگ خون دینے کے لئے تیار رہیں، ان سے ربط کر کے ان کا بلڈ گروپ معلوم کر لیا جائے، جب جس گروپ کی ضرورت پڑے اس گروپ والے سے ربط کر کے خون حاصل کر لیا جائے۔

خون کی خرید وفروخت:

تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ خون کی خرید وفروخت جائز نہیں، البتہ بغیر عوض

(۱) ہیئۃ کبار العلماء کا فتوی، رقم:۶۵، تاریخ:۷/۲/۱۳۹۹ھ، فتاوی الطب والمرضی

(۲) من فتاوی اللجنة الدائمه: فتوی:۵۲۵۳

(۳) فتوی اللجنة الدائمه، الفتوی، رقم:۳۱۰

(۴) من فتاوی اللجنة الدائمة :رقم:۸۰۹۶

بطور عطیہ صرف دیا جاسکتا ہے، رابطہ عالم اسلامی کے **مجمع الفقہ الاسلامی** دورہ گیارہ میں فرماتی ہیں:

> ''خون کا عوض لینے کا حکم، دوسری عبارت میں خون کا بیچنا، اس کو مجلس نے ناجائز کہا ہے، خون کی خرید وفروخت یہ محرمات میں سے ہے جو قرآن میں منصوص ہے؛ لہٰذا اس کی خرید وفروخت اور اس کا عوض جائز نہیں''(۱)

(۱) الموسوعة الطبية الفقهية :۴۶۵

اعضاءِ انسانی کے مسائل

بیمار کے کٹے ہوئے اعضاء کو کیا کیا جائے؟ کیا اس کو کسی بھی طرح تلف اور ختم کر دیں یا ان کو دفن کرنا ضروری ہے؟ جس طرح انسان کے پورے جسم کا دفن کرنا ضروری ہے، اسی طرح اس کے تمام اعضاء کا دفن کرنا بھی مشروع ہے۔

اس کی اصل جس کی فقہاء نے صراحت کی ہے کہ میت کے جو بال غسل دینے کے دوران ٹوٹ جائیں اس کو میت کے اکرام میں کفن میں رکھ دیں۔(۱)

انسانی اعضاء کی پیوند کاری:

مسئلہ: اعضاء کی پیوند کاری میں نقل اعضاء کا یہ عمل خود اس انسان سے لے کر اس میں پیوند کیا جائے اصلاً تو یہ ناجائز ہے۔

مگر شدید ضرورت کے وقت اس کی اجازت ہے۔

اس کے جواز کی دلیل قیاس ہے جب جان بچانے کے لئے اعضاء کی قطع و برید جائز ہے تو اس کے کسی جزء کو لے کر اس کی جان بچانے کے لئے خود اس کے اندر پیوند کاری کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔(۲)

مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری نے بھی ضرورت شدیدہ کے وقت جواز کا فتوی دیا ہے۔ اور بقول صاحب احسن الفتاوی مع ہذا بوقت ضرورت شدیدہ ان علماء کی توسیع پر عمل کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔(۳)

مسئلہ: ایک انسان کے اعضاء کو دوسرے میں منتقل کرنا اور اس کی پیوند کاری کرنا۔

اس کی تین صورتیں ہیں:

---

(۱) روضة الطالبين للنووی: ۱۰۸/۲ حاشیۃ ابن عابدین ۸۳/۱

(۲) مکہ فقہ اکیڈمی کے فیصلے: ۱۶۶ (۳) احسن الفتاوی: ۲۷۴/۸

۱- جس انسان کے اعضاء دوسرے میں منتقل کئے جارہے ہیں وہ اس شخص کے جسم میں صرف ایک ہوگا وہ عضو دوسرے میں منتقل کرنے کی وجہ سے اس کی موت کا اندیشہ ہوگا۔ تو یہ عضو کی منتقلی بالاتفاق حرام ہے۔(۱)

۲- جس عضو کو منتقل کیا جارہے ہو وہ تنہا نہ ہو؛ بلکہ اس کا بدل موجود ہو اور اس کا منتقل کرنا ہلاکت کا باعث نہ ہو، جیسے گردے، اور خصیتین۔

اس کے حکم کے سلسلہ میں علماء نے اختلاف کیا ہے:

۱) آدمی کے اعضاء کی منتقلی جائز نہیں ہے۔ اس کے قائل شیخ محمد المتولی الشعرادی، شیخ محمد برہان الدین سنبھلیؒ ڈاکٹر عبدالسلام عبدالرحیم السکری وغیرہ۔

۲) آدمی کے اعضاء کی پیوندکاری جائز ہے: یہ فتوی بہت سارے دارالافتاء، فقہی اکیڈمیوں، اور تنظیموں سے صادر ہوا۔

پہلے قول کے دلائل:" وَلَا تُلْقُوْا بِأَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ"، " وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ"، "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىْ اٰدَمَ"۔ جیسی آیتوں سے استدلال کیا ہے کہ اس میں اپنے اعضاء کو نکال کر گویا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے ان آیتوں میں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے تمام اسباب سے روکا گیا، اس میں یہ بھی شامل ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے اپنے جسم کے کسی حصہ کو بطور تبرع و احسان کے دینے کا وعدہ کرے(۲) یہ تکریم انسانی کے منافی ہے۔(۳)

انسان نہ اپنے جسم کا مالک ہے، نہ اس میں مامور ہے، جب کہ تبرع اور عطیہ دینے کے لئے اس چیز کا مالک ہونا یا مالک حقیقی کی طرف سے مامور ہونا ضروری ہے۔(۴)

---

(۱) التشریح الجسمانی والفقل والغویض الانسانی: ۲۲ بکر بن زید من بحوث مجمع الفقه الاسلامی مکه مکرمة

(۲) نقل وزراعة الأعضاء للسكری:۱۰۸

(۳) الامتاع والاستقصاء للسقاف: ۲۹-۲۸

(۴) نقل وزراعة الأعضاء الآدمية: ۱۰۷

”مضطر لم يجد ميتة وخاف الهلاك فقال له رجلٌ اقطع يدی، وكلها، أوقال اقطع سنی قطعة وكلها لا يسعهٗ أن يفعل ذلك ولا يصح أمرهٗ به، كما لا يسع للمضطر ان يقطع قطعة من نفسه فيأكل“ (۱)

ایک مجبور شخص جو مردار نہ پائے اوراس کے ہلاکت کا خوف ہو، اس سے کوئی آدمی کہے: میرا ہاتھ کاٹ دو اور اسے کھالو، یا کہے: میرے دانت نکال کر اسے کھالو تو اس کو ایسا کرنے کی گنجائش نہ ہوگی اور اس کو ایسا کرنا درست نہ ہوگا، جس طرح مجبور کے لئے خود اپنے جسم کے کسی ٹکڑے کا کھانا جائز نہیں۔

جواز کے قائلین کے دلائل: ”حرمت عليكم الميتة والدم...... فمن اضطر غير باغ ولا عاد فلا اثم عليه“ ۔اس شخص کی حالت مضطر اور مجبور کی سی ہوگئی وہ حرمت کے اشیائکے عمومیں شامل رہے گا۔

البحر الرائق میں ہے: اس بارے اللجنة الدائمه کا مختصر اور جامع فتوی ملاحظہ ہو:

زندہ مسلمان یا ذمی کے اپنے جسم کے کسی حصہ کو خود اپنے جسم میں منتقل کرنے کو ضرورت کے وقت جائز کہا ہے، جب کہ اس عضو کے نکالنے میں کوئی خطرہ نہ ہو اور یہ بھی گمانِ غالب اس کی پیوند کاری بھی کامیاب طریقے سے ہوجائے گی۔

اسی طرح کسی مردار کے کسی عضو یا جز کا مسلمانوں میں پیوند کاری کرنا ضرورت اور اس کے نکالنے میں فتنہ کے خوف کے نہ ہونے کی صورت میں جائز ہے اور اس پیوند کاری کے کامیاب ہونے کا بھی گمان غالب ہو، اسی طرح کسی انسان کے اپنے عضو یا جز کا کسی مسلمان کی پیوند کاری میں دینا بھی ضرورت کے وقت جائز ہے۔(۲)

---

(۱) الفتاوی الهندية :۵ص۳۳۸وكذافی قاضی خان كتاب الخطر والاباحة ج۳ص۴۰۴وكذافی الفتاوی البزازية كتاب الكراهية الفصل الخامس فی الاكل ۳۶۶/۶ رشیدیہ، بحوالہ محمودیہ

(۲) فتاوی اللجنة الدائمه:۹۹،تاریخ:۶/۱۱/۱۴۰۲ء

اس بارے میں دار العلوم کراچی کا فتوی:

''**سوال:** کیا Transplantation اعضاء انسانی کی پیوند کاری جائز ہے؟ اگر جائز نہیں ہے تو اسلام اس کی صورت یہ بتلاتا ہے کہ ایک انسان مر رہا ہے، پیوند کاری کے علاوہ اس کا کوئی علاج نہیں تو کیا اس کو مرنے دیا جائے، حالانکہ زندگی کا خطرہ ہو تو حرام چیز بھی حلال ہو جاتی ہے۔ جیسے بیمار آدمی کو افیون مجبوری کی حالت میں دی جا سکتی ہے تفصیل سے وضاحت فرمادیں کافی پریشانی ہے:

جواب: انسانی اعضاء کی پیوند کاری اصولاً درست نہیں جس کی مکمل تفصیل مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی کتاب انسانی اعضاء کی پیوند کاری میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔؛ لیکن ''الضرورات تبیح المحظورات''، اور'' اھون البلتین'' کو اختیار کرنے کے فقہی قاعدے کے تحت شدید مجبوری کے وقت کسی دوسرے شخص کے عضو لگانے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

بشرطیکہ اس دوسرے شخص کی زندگی اور صحت کو خطرہ لاحق نہ ہو۔

دراصل اس مسئلہ میں علماء کرام کا اختلاف ہے بعض حضرات شدید مجبوری میں بھی ناجائز کہتے ہیں؛ لیکن ہماری رائے شدید مجبوری میں یہ ہوتی جو اوپر لکھی گئی، احتیاطاً استغفار اور کچھ صدقہ خیرات بھی کر دیں (۱)

کسی دوسرے شخص کے گردے کا استعمال کرنا

آج کل کی تحقیق کے اعتبار نفع ہوتا ہے تو اس سے انکار نہیں مگر ''اثمُھا اکبر من نَفُعِھَا'' کے اصول پر ناجائز ہی ہوگا، نیز اس طریقے میں انسانیت کی توہین بھی ہے کہ اگر یہ طریقہ چل پڑا تو انسانی اعضاء ''بکری کا مال'' بن جائیں گے، یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیئے کہ جس کا گردہ لیا جائے گا، اس کی صحت اور زندگی خطرہ میں پڑ جائے گی

(۱) ماخذ از تبویب ۱۰۶/۸۸ بحوالہ جدید مسائل کا حل ۵۲۱

اور جس کو گردہ دیا جائے گا اس کی صحت بھی یقینی نہیں ہے، اللہ ہی سے شفا کی امید رکھیں، دوا وعلاج کے ساتھ دعاؤں کا بھی خصوصی اہتمام رکھیں، صدقہ وخیرات بھی حسب حیثیت کریں کہ صدقہ بلاؤں کو دور کرتا ہے، اللہ کو منظور ہوگا تو ضرور شفا عطا فرمائے گا، قضائے الٰہی پر راضی رہیں اور ہر حال میں اس کا شکر ادا کرتے رہیں۔(۱)

کیا خصیتین کا منتقل کرنا جائز ہے؟

اس بارے میں المسلمون نامی اخبار نے علماء اور ماہر اطباء کی شرعی اور طبی آراء پیش کی تھی اس کے خلاصہ کو نقل کیا جاتا ہے:

۱- فوطوں کا منتقل کرنا بالکل جائز نہیں ہے اس کے قائل ڈاکٹر محمد الطیب النجار ڈاکٹر عبدالجلیل شبلی، شیخ احمد حسن مسلم، شیخ محمد احمد جمال ہیں۔

۲- فوطوں کا منتقل کرنا بالکل جائز ہے:

۳- زندہ شخص کے دو خصیوں میں سے ایک کو منتقل کرنا جائز ہے۔

ترجیح بادی النظر میں جو رائے راجح معلوم ہوتی ہے کہ خصیوں کا منتقل کرنا مطلقاً جائز نہیں ہے اس کے درج ذیل وجوہات ہیں:

۱) خلقت انسانی میں بگاڑ ہے یہ شرعاً حرام ہے۔

۲) جس شخص کے خصیوں کو منتقل کیا گیا اس کو نسل سے محروم کرنا ہے۔

۳) اس کو جائز قرار دینے میں نسب کو خلط ملط کرنا ہے جو شرعاً حرام ہے۔

۴) یہاں نقل عضو کی کوئی ضرورت اور حاجت بھی نہیں ہے جب کہ ماہر اطباء نے کہا ہے کہ جن کا خصیہ ضائع ہو جائے، ان کے خصیوں کی منتقلی کے علاوہ دوسرا علاج بھی موجود ہے۔(۲)

جانور کے اعضاء کی پیوندکاری:

جس جانور کے عضو کی پیوندکاری کی جارہی ہے وہ دو طرح کے ہوں گے:

---

(۱) فتاوی رحیمیہ: ۲۸۵/۶، بحوالہ جدید مسائل کا حل: ۴۸۱

(۲) جریدة المسلمون: ۲۰۵

۱- پاک اور مذبوحہ جانور

وہ جانور پاک ہوں، ذبح کئے ہوئے ہوں، جیسے: اونٹ، گائے، بکری وغیرہ، ان کے کسی عضو کی انسان میں پیوند کاری میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اس لئے کہ یہ دوا اور علاج کے قبیل سے ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

”لا بأس بالتداوی بالعظم اذا کان عظم شاةٍ أوبقرة أوبعیر أوفرسٍ أوغیرہ من الدواب الا عظم الخنزیر“(۱)

”ہڈی سے علاج ومعالجہ میں اگر وہ ہڈی بکری یا گائے یا اونٹ یا گھوڑے یا اس کے علاوہ دیگر جانوروں کی ہو تو سوائے خنزیر کے ہو تو اس سے علاج میں کوئی حرج نہیں ہے“۔

۲- ناپاک اور مردہ جانور:

مردار جانور بھی دراصل حرام ہے اس کی پیوند کاری بالکل جائز نہیں ہے۔ لیکن لازمی اور ضروری احوال ہیں مردہ جانور کے اعضاء کی انسان کے جسم میں پیوند کاری کی جاسکتی ہے۔

دو شرطوں کے ساتھ:

۱- اس عضو کی سخت ضرورت ہو۔

۲- کوئی پاک چیز اس کے قائم مقام نہ مل سکے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے: ” اما اذا کان الحیوان میتاً فانما یجوز الانتفاع بعظم اذا کان یابساً ولایجوز الانتفاع اذا کان رطباً“۔

بہرحال اگر جانور مردہ ہو تو اس کی تر ہڈی سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں اور اگر ہڈی خشک ہو تو اس سے نفع حاصل کیا جاسکتا ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

---

(۱) الفتاوی الهندیه ۵/۳۵۴ دار الفکر

”إذا انكسر عظمهٗ فيبتغى أن يجبرهٗ بعظم طاهرٍ قال اصحابنا ولا يجوز أن يجبرهٗ بنجس مع قدرتهٖ على طاهر يقوم مقامهٗ فهو معذور، وان لم يحتج اليه، أو وجد طاهراً يقوم مقامهٗ اثم ووجب نزعهٗ ان لم يخف منه تلف نفسهٖ وتلف عضوٍ“(۱)

”اگر اس کی ہڈی ٹوٹ جائے تو اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ پاک ہڈی سے اسے جوڑے، ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ: اس کے لئے ناپاک ہڈی سے جوڑنا جائز نہیں؛ حالانکہ پاک ہڈی کے حاصل کرنے پر قدرت ہے اور یہ شخص معذور ہو، یا اس کو اس کی ضرورت نہ ہو، یا اس کو پاک ہڈی مل گئی ہو جو اس کے قائم مقام ہوسکتی ہے تو وہ گنہ گار ہوگا، اور اس کا نکال دینا واجب ہوگا جب کہ اسکے نکالنے سے اس کی جان یا کسی عضو کے نقصان کا اندیشہ نہ ہو“۔

مصنوعی اعضاء کی پیوندکاری

بعض اوقات آپریشن کے دوران مصنوعی اعضاء کی پیوندکاری بھی کرنی پڑتی ہے جس سے بیماری کی وجہ سے تلف شدہ عضو اپنا کام کرسکے۔اس کی رخصت معلوم ہوتی ہے۔

دلیل:

”الضرورات تبيح المحظورات، الحاجة تنزل منزلة الضرورة“(۲)

آدمی کا اپنے عضو کی وصیت کرنا:

اگر مرنے والا شخص اپنا جسم طبی کالجوں کو دینے کی وصیت کرے، یا کسی عضو کی کسی

---

(۱) المجموع للنووى :باب طهارة البدن وما يصلى فيه ۱۳۸/۳ دارالفکر

(۲) جراحة القلب : د:القبائى ، الموسوعة الطبية الحديثة لمجموعة من الأطباء، (التيجان والجسور : للدكتور مصباح دياب: ۲۷/۱،مطبوعہ: جامع دمشق، ۱۳۹۷ھ

مریض کو موت سے بچانے کے لئے وصیت کرے تو یہ وصیت جائز ہے۔

دلائل:

صاحب حق نے خود اپنی زندگی میں اپنے حق سے دستبرداری اختیار کی ہے، یہ جسم کا مثلہ یا اس کے ساتھ اہانت نہیں ہے۔(۱)

معاصر فقہاء نے کہا کہ منافع کی وصیت شرعاً جائز ہے، انہیں منافع میں مردے کے جثہ یا اس کے کسی عضو سے انتفاع بھی ہے جو شرعاً جائز ہے۔(۲)

ڈاکٹر یوسف القرضاوی سے دریافت کیا گیا، آدمی کا اپنے مرنے کے بعد اپنے کسی عضو کے بارے میں وصیت کرنا کیسا ہے؟

"لا یوجد مانع شرعی أن یوصی المیت قبل وفاته بعضو من اعضائه لشخص معین أو لموسسةٍ مثل بنك الأعضاء لا ستخد امها عند الحاجة ؛لأن فیه منفعة خاصة للغیر، دون احتمال الضرر احتمال الضرر علیه، فان هذه الأعضاء تتحلل بعد أیام ویأکلها التراب۔فاذا أوصی ببذلها للغیر قربی الی اللّٰه تعالیٰ فهومثابٌ وماجور علی نیته وعمله، ولا دلیل من الشرع علی تحریم ذلك والأصل الاباحة الا ما منع منه دلیلٌ صریحٌ ولم یوجد" (۳)

"اس بارے میں کوئی شرعی ممانعت نہیں پائی جاتی کہ مردہ اپنے مرنے سے پہلے اپنے بعض اعضاء کسی خاص شخص کو یا کسی ادارے کو جیسے اعضاء کے بنک کو ضرورت کے وقت استعمال کی وصیت کر جائے ؛چونکہ اس

---

(۱) د۔حمدی عبدالرحمن، معصومیة الجسد ۱۱۰ جامعہ عین شمس ۱۹۷۹ء

(۲) شیخ جاد الحق، الفقه الاسلامی ومرونتهٗ ۲۴۸ القاہرة ۱۹۸۹

(۳) الشیخ یوسف القرضاوی فتاوی معاصرہ: ۵۳۵/۲ دار الوفاء المنصورة ۱۹۹۳ء

میں دوسرے کی خصوصی منفعت ہے، اور اس کے نقصان کا احتمال بھی نہیں ہے، چونکہ یہ اعضاء کچھ دنوں کے بعد گل جائیں گے اور اس کو زمین کھا جائے گی، اگر وہ اس کو دوسرے شخص کو دینے کی وصیت کرتا ہے اللہ کے ثواب کے حصول کے لئے تو اس کی نیت اور اس کے عمل کی وجہ سے ثواب بھی ملے گا، اور اسکی حرمت پر کوئی شرعی دلیل بھی نہیں ہے، اور اصل اس بارے میں اباحت ہے البتہ کوئی صریح دلیل اس کی ممانعت کی پائی جائے اور وہ ہے نہیں"۔

البتہ اس وصیت کا مقصود منافع کا حصول اور تجارت نہ ہو۔ اس طرح یہ وصیت صراحتاً ثابت ہو، تحریری شکل میں موافقت ہو تو زیادہ بہتر ہے نیز جس عضو کی وصیت کی جارہی ہو وہ شرعاً جائز ہو، جیسے وہ منی یا خصیے یا بیضے وغیرہ نہ ہو اس سے نسب کا اختلاط اور انساب کا ضیاع لازم آتا ہے جو شرعاً حرام ہے۔

فتوی دارالافتاء جامعہ بنوریہ کراچی:

دارالافتاء بنوریہ کے مفتی حضرات نے بھی ضرورتا اعضائے انسانی کے عطیہ کو جائز لکھا ہے، چنانچہ یہ حضرات لکھتے ہیں:

مریض کی جان بچانے کی کوئی دوسری صورت سوائے گردہ تبدیلی کرنے کے ممکن نہ ہو اور جس سے گردہ لیا جارہا ہو، اس کی بھی جان کو خطرہ نہ ہو اور آدمی اسے گردہ دیدے، تو شرعا اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔(۱)

مختلف فقہ اکیڈمیوں کے فیصلے:

عالم اسلام کی مختلف فقہی اکیڈموں کی جانب سے مخصوص شراط کے ساتھ اعضاء انسانی عطیہ کے جائز ہونے کے فتاوی صادر ہوئے ہیں۔

ملیشیا میں اپریل ۱۹۶۹ء میں عالم اسلامی کانفرس منعقد ہوئی تھی، جس میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ ضرورت پڑنے پر انسانی اعضاء کو نکال کر دوسرے کے جسم میں لگا سکتے ہیں۔

(۱) دارالافتاء والقضاء الجامعۃ البنوریۃ العالمیۃ آن لائن علاج ومعالجہ فتوی نمبر: ۳۸۹۳ مورخہ: ۷/۱/۲۰۰۸ء

''المجمع الفقہ السلامی'' ہیۃ کبار العلماء اردن کا شعبہ افتاء، کویت، مصر، جزائر نے بھی جواز ہی کا فتوی دیا ہے، ''رابطہ عالم اسلامی'' کے ماتحت قائم ''اسلامک فقہ اکیڈمی'' مکہ مکرمہ کا بھی یہی موقف ہے اور برصغیر میں ''اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا'' کا بھی یہی موقف ہے۔(۱)

اور اس کی منتقلی غیر مسلم سے ہو تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

"انما المشرکون نجسٌ" کا تعلق مادی اور جنسی نجاست سے نہیں روحانی اور معنوی نجاست سے ہے۔(۲)

مجمع الفقہ الاسلامی نے بھی اپنی قرارداد نمبر (۵) اپنے عمان (اردن) میں منعقدہ کانفرنس میں جو ماہِ اکتوبر ۳ /۷ /۱۹۸۶ء کو منعقد ہوئی تھی اس میں مردے کی اجازت سے اس کے اعضاء کے لینے کی اجازت دی ہے۔(۳)

علماء کی ایک جماعت عدم جواز کی قائل ہے اس کے مندرجہ ذیل دلائل ہیں:

ہدایہ آخرین میں ہے:"لأنہ لا ولایۃ لھما علی دمھما ولھذا لا یملکان الاباحۃ فلا یستبح برضاھما "۔یعنی کسی شخص کو اپنے خون (اسی طرح اپنے بدن یا کسی عضو) پر ولایت نہیں ہے، اس لئے کوئی شخص اس بات کا مالک نہیں ہے کہ اپنا خون (اسی طرح اپنا بدن یا کوئی عضو) کسی کے لئے مباح کردے، اگر کسی نے اپنی مرضی سے مباح کردیا ہو تب بھی وہ خون (ہکذا عضو) مباح الاستعمال نہ ہوگا (۴) لہٰذا جو شخص اپنے عضو کی وصیت کرے تو وہ وصیت " فیما لا یملك" (جو اس کی ملک نہیں) ہونے کی وجہ سے معتبر نہ ہوگی۔ نیز اس میں اعضاء انسانی کی اہانت بھی ہے حالانکہ انسان واجب التکریم ہے۔(۵)

---

(۱) جدید فقہی مسائل:۵/۸۹

(۲) الشیخ یوسف القرضاوی : فتاویٰ معاصرۃ: ۲/۵۳۸،دار الوفاء ، المنصورۃ

(۳) د۔زہیر السباعی۔محمد علی البار:۱۹۸،الطبیب وفقھہ، دار القلم الدمشق ،۱۹۹۳ء

(۴) ہدایہ اخرین:ص۱۲۹،باب التحکم

(۵) فتاوی رحیمیہ جلد ص۱۰ اص ۲۵۱

جنین کے جنس کی تعیین اور اس کے احکام

جنین کی جنس کی تعیین کے لئے جو طریقے اپنائے جاتے ہیں، اگر وہ فطری اور شرعی ہوں تو بالاتفاق مباح ہے، جیسے: دعاء، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ، فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ﴾ (الأنبياء: ۹۰-۸۹)

اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی دعا کی تھی: ﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ، فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ﴾ (الصافات: ۱۰۰-۹۰) دعاء مطلوبہ جنس کی طلب کے لئے سب سے زیادہ کارآمد طریقہ ہے جب کہ یہ نہایت عاجزی وزاری سے کی جائے۔(۱)

حقائق علمیہ پر مشتمل فطری طریقوں کو اپنائے یعنی کھانے پینے کے حوالہ سے جو نظام مطلوبہ جنس کے لئے مفید اور کارآمد ہوسکتا ہے اس کو اختیار کرے۔

اسی کے بارے میں مجمع الفقہ الاسلامی نے یہ فتوی دیا ہے:

"یجوز اختیار جنس الجنین بالطرقة الطبعیة کالنظام الغذائی، والغسول الکیمیائی وتوقیت الجماع یتحری وقت الاباضة لکونها أسبابا مباحا لا محذور فیها"(۲)

"جنین کے مخصوص جنس کا حاصل کرنا فطری طریقوں سے جائز ہے جیسے

(۱) الجواب الکافی: ۳-۹

(۲) اجلاس: ۱۹ بتاریخ ۲۲-۲۷ شوال ۱۴۲۸ھ ۲۰۰۷ء

نظامِ غذا اور کیمیائی غسل ، اور عورت کے بیضہ کے تیاری کے وقت جماع، چونکہ یہ مباح ذرائع ہیں جن میں کوئی ممانعت شرعی اور رکاوٹ بھی نہیں ہے''۔

جنین کے جنس کی تعیین جدید وسائل یا ٹکنالوجی کے ذریعہ

یہ تعیین اگر اجتماعی اور قومی سطح پر ہو تو بالکل حرام ہے۔

جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے تخلیقی نظام میں دخل اندازی ہوگی اور ایک جنس کے مقابلہ میں دوسرے جنس کو حاصل کرنے کا رجحان بڑھے گا جس کے نتیجہ میں مذکر اور مؤنث کے پیدائشی نظام میں توافق وتوازن برقرار نہ رہے گا۔

اور اگر تعیین انفرادی طور پر ہو تو بھی ناجائز ہے مگر ایک صورت میں اس کی اجازت ہے کہ اس تعیین کا مقصود جنین کو موروثی امراض سے بچانا ہو۔

اس میں ان شرائط کا لحاظ کرنا بھی ضروری ہے:

۱۔ وہ موروثی امراض اس قدر خطرناک ہوں کہ ان کے ساتھ زندگی دشوار اور پرخطر ہو سکتی ہے۔

۲۔ ان موروثی امراض کے منتقل ہونے کی یقین دہانی تین عادل ثقہ ڈاکٹروں نے کی ہو۔

۳۔ جنس کی تعیین اور مطلوبہ امراض سے حفاظت کی یہ کاروائی عادل ثقہ ڈاکٹرس کریں۔

بہت زیادہ احتیاط اس بات کی جائے کہ نطفے خلط ملط نہ ہوں۔

کشف عورت بقدرِ ضرورت ہو، ہم جنس سے یہ کاروائی ہو تو بہتر ہے ساتھ ہی یہ اعتقاد ہو کہ مطلوبہ جنس کا حصول یہ اللہ کی عطا ہے یہ کاروائی صرف ذریعہ ہے۔(۱)

دار العلوم کراچی کا فتویٰ:

سوال: کیا الٹرا ساونڈ کے ذریعہ معلوم کرنا کہ ماں کے رحم میں لڑکا ہے یا لڑکی جائز ہے؟

---

(۱) أحكام الهندسة الوراثية د۔سعد بن عبد العزيز الشويرح: ۲۲۸،دار كنوز اشبيليا الرياض

جواب: الٹرا ساونڈ کے ذریعہ معلوم کرنا کہ ماں کے رحم میں لڑکا ہے یا لڑکی جائز ہے۔

لیکن اس پر یقین نہیں کرنا چاہیے؛ کیوں کہ اس کے ذریعہ جو علم حاصل ہوتا ہے وہ یقینی نہیں ہے اس میں غلطی کا قوی امکان ہے، اور یہ حق تعالیٰ کے علم غیب کے منافی بھی نہیں ہے، کیوں کہ الٹرا ساونڈ وغیرہ سے تخمینہ اور اندازہ ہوتا ہے یقینی علم صرف حق تعالیٰ کو ہے اور یہ اندازہ بھی آلات و تجربات سے ہوتا ہے جب کہ حق تعالیٰ کو ان چیزوں کے بغیر علم ہے۔(۱)

"فی التفسیر المنیر قال القرطبی وقدیعرف بطول التجارب اشیاء من ذکورة الحمل وأنوثتہٖ الی غیر ذلك (۲۱-۱۷۹) واللہ سبحانہ وتعالیٰ

اس فتوی پر عبدالروف سکھروی نائب مفتی دارالعلوم کراچی، محمد خلیل الرحمٰن ڈیروی محمد عبداللہ کی دستخطیں ثبت ہیں۔(۲)

(۱) اس مسئلہ کی تفصیل مطلوب ہوتو مطالعہ کریں معارف القرآن: ۳/۳۴۲-۳۴۷

(۲) جدید مسائل کا حل: ۴۸۶

میڈیکل انشورنس یا صحت بیمہ

ایک شخص اپنی جان یا صحت یا مال پر خطرہ درپیش ہونے کی صورت میں اس کی تلافی کے لئے کسی فرد یا کمپنی کے ساتھ معاہدہ کرتا ہے یا کوئی کمپنی لوگوں کے ساتھ اس قسم کا معاہدہ کرتی ہے کہ وہ شخص یکمشت یا قسط وار ایک سال میں (مخصوص مدت میں) ایک مخصوص رقم فرد یا کمپنی کو ادا کرے اور اس مدتِ مخصوص میں اسے جان، مال، صحت یا جس کا بھی بیمہ مقصود ہے وہ خطرہ پیش آ گیا تو وہ فرد یا کمپنی ایک متعینہ رقم جو جمع کردہ رقم سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے اس شخص کو ادا کرنے کی ذمہ داری ہوگی۔

جان کا یا صحت کا انشورنس کرانا شرعاً حرام ہے، اس لئے کہ یہ سود قمار کی ترقی یافتہ شکل ہے البتہ جن ممالک میں میڈیکل انشورنس وہاں کے شہریوں کے لئے لازم کر دیا گیا ہو تو ان کو بیمہ کرانے کی گنجائش ہے۔

فقہ اکیڈمی کا فیصلہ:

''اگر قانونی مجبوری کے تحت میڈیکل انشورنس لازمی ہو تو اس کی گنجائش ہے لیکن جمع کردہ رقم سے زائد جو علاج میں خرچ ہو صاحب استطاعت کے لئے اس کے بقدر بلانیت ثواب صدقہ کرنا واجب ہے''۔(۱)

مولانا یوسف صاحب لدھیانویؒ فرماتے ہیں کہ:

''بیمہ کی موجودہ صورتیں جو رائج ہیں، وہ شرعی اعتبار سے صحیح نہیں ہیں، بلکہ قمار اور جوا کی ترقی یافتہ شکلیں ہیں اس کے اپنے اختیار سے بیمہ کرنا جائز نہ ہوگا، اور اگر قانونی مجبوری کی وجہ سے بیمہ کرانا پڑے تو اپنی

(۱) فتاوی محمودیہ: ۱۴۰، الفقہ الاِسلامی واَدلتہ: ۳۴۲۲/۵

ادا کردہ رقم سے زیادہ سے استفادہ درست نہیں‘‘(۱)

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ جواھرالفقہ میں فرماتے ہیں:

’’بیمہ کاروبار کو امدادِ باہمی کا نام دے کر جائز قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے؛ لیکن اس کی مروجہ صورتیں جتنی ہماری نظر میں گذری ہیں، سود اور قمار سے خالی نہیں ہیں، اس لئے وہ سب حرام ہیں‘‘(۱)

اس کی متبادل صورت یہ ہوسکتی ہے، جسے وہبہ زحیلی اور مفتی تقی عثمانی صاحب نے بیان کیا ہے:

’’حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ: بیمہ کا متبادل تعاونی بیمہ ہے جس میں شرکاء اپنی اپنی مرضی سے فنڈ میں رقمیں جمع کراتے ہیں اور سال کے دوران جن جن لوگوں کو کوئی نقصان پہنچا اس فنڈ سے ان کی امداد کرتے ہیں، پھر سال کے ختم پر اگر رقم بچ جاتی ہے تو شرکاء کو بحصہٗ رسدی واپس کر دی جاتی ہے، یا ان کی طرف سے آئندہ سال کے فنڈ کے لئے ان کے حصہ کے طور پر رکھ لی جاتی ہے، شرعاً اس میں کوئی اشکال نہیں اور جتنے علماء نے بیمہ پر گفتگو کی ہے وہ اس کے جواز کے متعلق متفق ہیں‘‘(۳)

(۱) آپ کے مسائل اوران کا حل: ۲۵۵

(۲) جواہرالفقہ: ۳۴۵/۲

(۳) اسلام اور جدید معیشت: ۱۶۱، الفقہ الإسلامی وأدلتہ: ۳۴۱۶/۵

ٹسٹوں کے احکام

ڈی این اے ٹسٹ:

ڈی ، این ، اے علم الحیات (BIOLOGY) شعبۂ علم التوارث (GEN ETICS) کی اصطلاح ہے ، اس اصطلاح کا پورا نام (-DEOXY-RIBO NUCLEIC-AXID) ہے ، ڈی ، این ، اے یا ڈی ، این ، اے فنگر پرنٹس کو عربی میں ''بصمۃ الحمض النووی'' یا ''البصمۃ الوراثیۃ'' کہا جاتا ہے، اس کی مختصر تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ ''ڈی، این، اے'' ایسے موروثی مادے کا نام ہے جو ہر ذی روح میں موجود سینکڑوں خلیوں میں پایا جاتا ہے اور ایک نوع کی ذی روح کو دوسری نوع کی ذی روح سے ممتاز کرتا ہے۔

جس بچے کا نسب فراش یا گواہوں کے ذریعہ ثابت ہو ڈی، این، اے ٹسٹ کے ذریعہ اس میں اشتباہ پیدا نہیں کیا جاسکتا، البتہ مذکورہ بالا صورت میں جب کہ کسی بچہ کے بارے میں کئی ایک دعویدار ہوں اور کسی کے پاس واضح شرعی ثبوت نہ ہو تو ایسے بچے کا نسب ڈی، این، اے ٹسٹ کے ذریعہ متعین کیا جاسکتا ہے۔ ایسے ہی اس لئے کہ جب ثبوتِ نسب میں قرینہ اور قیافہ کا اعتبار کیا گیا ہے تو ڈی، این، اے ٹسٹ کی حیثیت اپنے نتائج کے اعتبار سے قیافہ سے زیادہ واضح، صحیح اور یقینی ہے۔(۱)

اس لئے محض ڈی، این، اے ٹسٹ کی بنیاد پر زنا کی سزا یا قصاص کو نافذ نہیں کیا جاسکتا، البتہ ڈی، این، اے ٹسٹ کے ذریعہ مجرم کی تحقیق اور جرم کے تعاقب میں مدد مل سکتی ہے اور بعض اوقات نفسیاتی دباؤ ڈال کر حقیقی مجرم سے اقرار کروایا جاسکتا ہے۔(۲)

---

(۱) بخاری : باب القائف : حدیث:۶۳۸۹،نیل الأوطار : الموسوعة الفقهية :۹۵/۲۴

(۲) الفقه الاسلامی وأدلته: ثالثا :القرائن :۵۰۱/۷،دار الفكر ،سورية ،دمشق

اس سلسلہ میں فقہ اکیڈمی انڈیا اور مکہ کا فیصلہ ملاحظہ ہو:

''جو جرائم موجبِ حدود وقصاص ہیں ان کے ثبوت کے لئے منصوص طریقوں کے بجائے ڈی، این، اے ٹسٹ کا اعتبار نہ ہوگا۔ حدود وقصاص کے علاوہ دوسرے جرائم کی تفتیش میں ڈی، این، ٹسٹ سے مدد لی جاسکتی ہے اور قاضی ضرورت محسوس کرے تو اس پر مجبور بھی کرسکتا ہے'' (۱)

جنیٹک ٹسٹ:

جنیٹک ٹسٹ کا مقصد موروثی امراض کا پتہ لگانا ہوتا ہے، جو بیماریاں اب موجود ہیں یا آئندہ پیش آسکتی ہیں اس کی نشاندہی ہوتی ہے۔

اس لئے کہ اس کا ابتدائی مقصد تو ٹھیک ہے مگر چوں کہ انسانی جسم میں بہت ساری بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اور ختم ہوجاتی ہیں اگر ٹسٹ کے ذریعہ چھپی ہوئی بیماریوں کی کرید کریں تو بہت ساری بیماریاں نکل آئیں گی جس سے ان کی تلافی مشکل ہوجائے گی۔

یہ بات مسلم ہے کہ انسان میں موروثی امراض ہوتے ہیں بعض متعدی بھی ہوتے ہیں اور بعض امراض پرخطر اور جان لیوا بھی ہوتے ہیں، اگر ان امراض کی روک تھام نہ کی جائے تو یہ امراض نسل درنسل وبائی صورت اختیار کرسکتے ہیں، مغربی ممالک میں خاص کر اس کی کثرت ہے۔

اس لئے وہاں زوجین کو نکاح سے پہلے اس ٹسٹ کی اجازت ہونی چاہیے؛ تاکہ وہ اس قسم کے مہلک اور متعدی امراض کا پتہ لگاسکیں۔

مسئلہ: جنیٹک ٹسٹ کے ذریعہ پتہ چلے کہ رحم مادر میں پرورش پانے والا بچہ غیر معمولی جسمانی یا عقلی نقص کا شکار ہے تو چار ماہ (۱۲۰ر دن) سے پہلے اس کا اسقاط کیا جاسکتا رابطہ عالمِ اسلامی کے مجمع الفقہ الاسلامی نے اپنے بارہویں سیمنار (۱) میں یہ تجویز منظور کی ہے کہ ایک سو بیس دن سے پہلے اگر جنیٹک تحقیق سے ثابت

---

(۱) سولہواں اجلاس: ۲۱-۲۶-۱۰/۱۴۲۲

(۲) منعقدہ: ۱۵-۲۲ ۱۰/۱۴۱۰ھ مطابق ۱۰ر تا ۱۷ر فروری ۱۹۹۰ھ بمقام مکہ مکرمہ

ہو جائے جو ماہر اور قابلِ اعتماد ڈاکٹروں کی جانب سے کی گئی ہو کہ بچہ نا قابلِ علاج بیماریوں کا حامل یا ناقص الخلقت ہے اور اگر حمل کو چھوڑ دیا جائے اور اپنے وقت پر بچہ پیدا ہو تو بچہ کی پوری نگہداشت سخت مصائب و آلام میں گھری رہے گی تو اس صورت میں اسقاطِ حمل کی گنجائش ہے۔(۱)

مسئلہ: اگر جنیٹک ٹسٹ کے ذریعہ پتہ چلے کہ کسی شخص کی اگلی نسل میں پیدائشی نقائص کے امکانات ہیں تو اس اندیشہ کے پیش نظر سلسلہ تولید کو روکنا قطعاً جائز نہیں ہے۔

فقہ اکیڈمی انڈیا کا فیصلہ:

اگر جنیٹک ٹسٹ کے ذریعہ یہ بات معلوم ہو کہ کسی شخص کی اگلی نسل میں پیدائشی نقائص کے امکانات ہیں تو اس اندیشہ کے پیشِ نظر سلسلۂ تولید کو روکنا قطعاً جائز نہیں۔

مسئلہ: چار ماہ بعد جنین کی خلقی کمزوریوں کی جانکاری، پھر بحالت حمل جنین کا علاج یا ولادت کے فوری بعد اس مرض کا علاج مقصود ہو تو معالج کے مشورے سے جنیٹک ٹسٹ کرایا جا سکتا ہے۔

شادی سے پہلے طبی ٹسٹ:

یہ بات مسلمہ ہے کہ انسان میں موروثی امراض کا اثر ہوتا ہے، ان متعدی اور موروثی امراض کے علاج کے باب میں شریعت نے توجہ دلائی ہے:

ایک تو یہ کہ ان امراض اور بیماریوں کے در آنے سے پہلے ہی ان کا خاتمہ کر دیا جائے، جس کا مقصد افرادِ انسانی اور بشری کو امراض سے محفوظ رکھنا، اور صحت مند اور باصلاحیت انسانیت کا حصول ہے، لہٰذا اس کے لئے انسان بیمار زدہ متعدی امراض میں مبتلا شخص سے شادی کے بارے میں احتیاط برتے۔ موروثی امراض سے مامون اولاد صحیح اور امراض سے محفوظ اولاد پر موقوف ہوتی ہے، اور صحیح وتندرست اولاد کے حصول کے لئے انبیاء تک نے دعائیں کی ہیں؛ اس لئے شادی سے پہلے زوجین کے طبی ٹسٹ کی

(۱) فتوى المجمع الفقهي لرابطة العالم الاسلامي الملحق كتاب الجنين المشوه : الاسباب والعلامات والأحكام ، دار القلم والمنار جدة للدكتور محمد على البار:۱۹۹

اجازت معلوم ہوتی ہے ، اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالنے والی آیت (النساء: ۲۹) اورمجذوم سے فرار کا حکم (۱) کوئی بیمار شخص تندرست کے پاس آمد ورفت نہ رکھے (۲) کی روشنی میں شادی سے قبل خصوصا متعدی امراض ایڈز وغیرہ سے حفاظت کے لئے طبی ٹسٹ کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ (۳)

(۱) بخاری: کتاب الطب ، باب الجذام ،حدیث:۱۶۷

(۲) بخای : باب لا ھامة: حدیث:۵۴۳۷

(۳) الموسوعة الطيبة الفقهية ، ماده ، زواج ،۵۳۴

قتل بجذبۂ رحم

مریض جو شدید تکلیف میں مبتلا ہو، اور اس کے زندہ رہنے کی کوئی توقع نہ ہو، وہ بچے جو غیر معمولی حد تک معذور ہوں، اور ان کی زندگی ایک طرح کا بوجھ ہو، ایسے مریضوں، بچوں کی زندگی ختم کر دینا تاکہ وہ تکلیف سے نجات پاسکیں اور آسانی سے ان پر موت طاری ہو جائے۔

اس کی دو قسمیں ہیں عملی (Active) مثلاً درد کو کم کرنے والی دوا زیادہ مقدار میں دی جائے یا اس سے زیادہ والی دوا دی جائے جس سے سانس رک جائے، ایسی تدبیر کرنا حرام ہے اور یہ قتل نفس کے حکم میں ہے خود اس کے مطالبہ پر بھی ایسا نہیں کیا جاسکتا۔

غیر عملی یا سلبی، (Passive)

مریض کی جان لینے کے لئے کوئی عمل یا تدبیر نہ کی جائے بلکہ اس کو زندہ رکھنے کے لئے جو علاج کیا جانا چاہیے وہ نہ کیا جائے۔ ایسے مریض کو گو مہلک دوا نہ دی جائے، مگر قدرت کے باوجود اس کا علاج ترک کر دیا جائے؛ تاکہ اس کی موت جلد واقع ہو جائے یہ بھی ناجائز ہے۔

مجمع الفقہ الاسلامی اپنے ساتویں اجلاس منعقدہ بمقام جدہ بتاریخ ۹-۴ رمئی ۱۹۹۲ء قرارداد نمبر ۶۷/۵/۱۷ کے مطابق اس نے قتل بجذبۂ رحم کو پوری شدت کے ساتھ رد کیا ہے اس کی کسی بھی حالت میں اجازت نہیں دی۔

جس مریض کی زندگی سے مایوسی ہوگئی ہو اس کا بھی علاج ومعالجہ کیا جائے گا، اور اللہ عزوجل نے کائنات میں اسباب کے درجہ میں جو علاج رکھے ہیں اس کو استعمال کیا جائے گا۔

کسی بھی حالت میں اللہ عزوجل سے مایوس نہیں ہو یا جائیگا، اللہ کے حکم سے اس کی شفاء کی امید کی جائے گی، اظہار اور مریض کے رشتہ داروں کو مریض کی ہمت افزائی اور اس کی دیکھ ریکھ، اور اس کے نفسیاتی تکالیف کو دور کرنے کی کوشش کرنی ہوگی۔(۱)

یہی فتوی جامعۃ ازہر کے لجنۃ الفتوی، (فتوی مورخہ: ۵/۷/۱۹۸۹ء، اور اس کے مفتی شیخ عطیہ صقر ہیں) سابق شیخ الازہر جاد الحق علی جاد الحق (الشیخ جاد الحق علی جاد الحق، فتاوی فی قضایا معاصرۃ: ۵۰۸، الأزھر، ۱۹۹۳ء) جمہوریہ مصر کے مفتی (فتوٰی صادرۃ عن فضیلۃ الشیخ مفتی جمہوریۃ مصر فی المؤتمر الطبی السادس عشر بکلیۃ الطب عین شمس ۲۹۹۴ء) کا ہے۔

البتہ اگر کوئی شخص غریب ہے، یا مریض کے اقرباء یا اولیاء مزید علاج جاری رکھنے کی سکت نہیں رکھتے ہیں تو بدرجہ مجبوری ترک علاج کی گنجائش ہے۔

دماغی موت (Brain death) کے احکام:

علماء نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ کیا صرف دماغی موت کو دل کی موت کے بغیر اسے موت قرار دیا جائے یا نہیں؟ اس کے بارے میں دو طرح کے اقوال ہیں۔

اس سلسلہ میں رابطہ عالم اسلامی کی مجمع العلمی کا فیصلہ مرجح کی حیثیت رکھتا ہے:

لیکن رابطۂ عالم اسلامی کی مجمع الفقہی نے دماغی موت کو صرف شرعی موت قرار نہیں دیا؛ بلکہ اس شخص کے دل کی حرکت اور اس کے خون کے دوران کے بند ہونے کو بھی اس پر موت کے احکام کے اجراء کے لئے ضروری قرار دیا ہے (۲) اور اسی قول کو ھیئۃ کبار العلماء بالمملکۃ العربیۃ السعودیۃ نے بھی اختیار کیا ہے اور اسی کے مطابق فتوی دیا ہے کہ جس مریض کی دماغی موت ہو چکی ہو اس سے دو یا زائد طبیبوں کے اس کو مردہ قرار دینے کے بعد اس سے وینٹی لیٹر کو ہٹایا جائے گا؛ لیکن اس کے آلۂ تنفس کے نکال دینے کے بعد اس کی موت کے یقینی طور پر معلوم کرنے کے لئے اس کی موت کے اعلان کے لئے اس

(۱) القرار منشور فی کتاب د۔محمد علی البار ا،حکام التداوی: ۱۰۷۔۱۱ادار المنارۃ جدہ ۱۹۹۵ء

(۲) اجلاس منعقدہ: ۸۔۹۔۱۰، ۱۴۰۸ھ مکۃ المکرّمۃ

کے دل اور اس کے نظامِ تنفس کا رکنا ضروری ہے۔(۱)

مصنوعی آلہ تنفس کے احکام

مصنوعی آلہ تنفس کے لگانے کا مقصود یہ ہو کہ جو جانیں وقتی بحران سے دوچار ہیں قبل اس کے کہ ان کے دماغی خلایا مرجائیں ان کے ہوش وحواس کو بحال کیا جائے، اس کو خون فراہم کیا جائے، اور آکسیجن فراہم کر کے اس کے ذریعہ اس کی زندگی کے بچاؤ کا سامان کیا جائے۔(۲)

تو اس طرح کرنا شرعاً جائز ہے۔

مصنوعی آلہ تنفس لگانا یہ ایک طریقہ علاج ہے اور علاج کا مدار مریض کی صلاحیت واستطاعت پر ہے۔

۱- اگر مریض کے اندر مالی اعتبار سے اس کی استطاعت نہ ہو تو مصنوعی آلہ تنفس سے استفادہ نہ کرنا درست ہوگا، کیوں کہ شریعت میں علاج کا کوئی خاص طریقہ یا اس کی خاص صورت متعین نہیں ہے۔

۲- اور اگر مالی استطاعت ہے اور تین ماہر اطباء کی رائے میں اس علاج کے کامیاب ہونے کا غالب گمان ہے تو ایسے مریض کو آلہ تنفس لگانا واجب ہے۔

۳- اور اگر مالی استطاعت کے باوجود اطباء کی رائے میں اس علاج کے ذریعہ مریض کی جان بچنے کا گمان غالب نہ ہو تو مصنوعی آلہ تنفس لگانا ضروری نہیں ہے۔

۴- اگر مریض آلہ تنفس پر ہو، اور ڈاکٹروں نے مریض کی زندگی، اور فطری طور پر تنفس کی بحالی سے مایوسی ظاہر کر دی ہو تو ورثہ کے لئے جائز ہوگا کہ مصنوعی آلہ تنفس علاحدہ کرلیں۔(۳)

---

(۱) اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء ،فتوی :۱۶۶۱۹، بتاریخ:۱۴۰۴/۲/۱۵، فتاوى الطب والمرضى : الحكم بموت الإنسان بمجرد تقرير الأطباء بموته دماغيا

(۲) الحدود الانسانية والشرعية والقانونية للانعاش الصناعی :د-احمد شرف الدين ، مجلة الحقوق ،۱۹۸۱ء، شمارہ:۲،ص:۱۰۳

(۳) جدہ اکیڈمی کے فیصلے:۱۰۴، ایفا پبلیشرز، دہلی، جدید مسائل کا حل: طب ومیڈیکل اور سائنس:۸۲۵

مصنوعی آلہ تنفس کے نکالنے کی تعلق سے اللجنۃ الدائمۃ کا فتوی ملاحظہ ہو۔

اگر مریض اس حالت میں ہو کہ اگر آلہ تنفس اس سے علاحدہ کیا جاتا ہے تو وہ فورا مرجائے گا اور آلہ تنفس کے ذریعہ علاج کے مہیا کرنے کی پوزیشن میں اس کے اولیاء نہیں ہے تو اس صورت میں آلہ تنفس نکالا جاسکتا ہے، لیکن آلہ تنفس کے نکالنے کے بعد بھی کچھ دیر انتظار کیا جائے؛ تاکہ اس کا مرنا محقق ہوجائے۔(۱)

مسئلہ: اگر دو مریض اور ایک ہی آلہ تنفس ہو تو اس صورت میں یہ دیکھا جائے کہ ان دونوں میں سے بچنے کے امکانات زیادہ کس کے ہیں، جس کے بچنے کے امکانات زیادہ ہیں اس کو آلہ تنفس لگایا جائے گا، لیکن یہ طئے ماہر اطباء کریں گے۔(۲)

(۱) فتاوی اللجنۃ الدائمۃ: فتوی رقم: ۱۵۹۶۴

(۲) الموسوعة الطبية: ۲۳۵

مصنوعی بارآوری
(التلقیح الصناعی)

مصنوعی ولادت کی قسمیں:

مصنوعی ولادت یا بارآوری کی دو قسمیں ہیں

ایک خارجی بارآوری اور ایک داخلی بارآوری

داخلی مصنوعی بارآوری:

یعنی مادۂ منویہ کو عورت کے تناسلی نالیوں میں بغرضِ ولادت داخل کیا جائے، رحم کے سرے کو کھول کر اس کا کچھ حصہ تو اس میں داخل کیا جائے اور ما بقیہ مادۂ منویہ رحم کے پیچھے داخل کیا جائے۔(۱)

مصنوعی خارجی بارآوری:

اس کو عربی میں "طفل الأنابیب" کہتے ہیں، عورت کے بیضۂ منویہ کی آبیاری اس کے تناسلی نظام کے باہر اس میں مرد کے پانی کو خلط کر کے کی جائے، پھر اس لقیحہ عورت کی رحم میں منتقل کر دیا جائے۔

دلائل داخلی مصنوعی بارآوری

حاشیہ ابن عابدین میں ہے:

"إذا عالج الرجل جاريتهٔ فيما دون الفرج ،فأنزل، فأخذت الجارية مائهٔ فی شئی فاستدخلتهٔ فرجها فی

(۱) الأحكام الطبية للنساء فی الفقه الاسلامی للدكتورمحمد خالد منصور: ۳۸،دار النفائس، الأردن

حـدثـان ذلك، فـعلقت الجارية، وولدت فالولد ولدهٗ، والجارية أم ولد لهٗ " (۱)

بے بی ٹسٹ ٹیوب یا مصنوعی بارآوری کی مثال قدیم فقہاء کے یہاں استدخال کے نام سے معروف ہے، جس میں بیوی یا باندی شوہر یا سردار کے نطفہ کو اپنے ہاتھ سے یا کسی دوسرے طریقہ سے اپنے رحم میں ڈال لیتی ہے۔

مصنوعی بارآوری کو فقہاء نے جائز قرار دیا ہے، اس لئے شوہر اور بیوی کے درمیان اس بارآوری کا عمل ان کی آپس کی وطی کے مانند ہے، جس طرح شوہر، بیوی کے درمیان وطی جائز ہے اسی طرح اس مباح پانی کا مشروع طریقہ پر داخل کرنا یہ شرعی طریقہ سے ہٹا ہوا بھی نہیں ہے۔

انہی جواز کے قائلین میں شیخ مصطفیٰ زرقاء ہیں۔(۲) اور ڈاکٹر یوسف القرضاوی ہیں۔(۳) ڈاکٹر محمد سلام ہیں۔(۴) امام محمود شلتوت کا فتوی بھی جواز کا ہے۔(۵) شیخ عطیہ صخر کا فتوی بھی جواز کا ہے۔(۶)

مصر کے دارالافتاء کا فتوی:

"اگر یہ بارآوری بغیر کسی شک وشبہ کے عورت میں اس کے شوہر کے منی سے ہورہی ہو اس میں کسی دوسرے انسان کی منی خلط ملط نہ ہوئی ہو یا کسی بھی حیوان کا مادۂ منویہ اس میں نہ ملا ہو تو یہ بارآوری کا عمل درست ہے، اس طرح اس لڑکے کی پیدائش پر اس کا نسب اس شخص سے ثابت

---

(۱) حاشیہ ابن عابدین: فرع أدخلت منيهٗ فی فرجها: ۳۵۸/۳، دارالفکر بیروت، الطبعة الثانية ۱۴۱۲ھ ۱۹۹۲ء

(۲) مجلة المجمع الفقه الاسلامی بجدة الدورة الثانية العدد الثانی ۳۶۲/۱ طبعہ دارالقلم بدمشق

(۳) الحلال والحرام فی الاسلام: ۲۱۸ مکتبہ وہبہ

(۴) موسوعة الاسلامی المعاصرة اعداد مجموعة من العلماء ۵۳۲، اعداد وتحریر: عبدالحلیم عویس ومجموعة من العلماء دارالوفاء

(۵) الفتاوی للاپیام محمود شلتوت ۳۲۸/۳۲۷ دارالقلم بالقاهره

(۶) احسن الاحکام فی الفتاوی أوالاحکام للشیخ عطیه صخر ۱۱۳

ہو جائے گا، فطری طریقہ سے زوجین کے تعلق پر جو احکام مرتب ہوتے ہیں وہی یہاں بھی مرتب ہوں گے'' (۱)

دلائل خارجی بار آوری (ٹسٹ ٹیوب سے تولید)

۳) شوہر کے مادۂ منویہ اور بیوی کے بیضۂ منی کو لے کر اس کو ٹسٹ ٹیوب میں رکھا جائے اور اسی ٹسٹ ٹیوب میں شوہر اور بیوی کا مادۂ منویہ بار آور ہو، پھر اس لقیحہ کے بار آور ہونے کے بعد اس کو لے کر اسی کی بیوی کے رحم میں منتقل کر دیا جائے، پھر آگے عورت فطری ولادت کی طرح جنے۔

دوسری صورت جس میں میاں بیوی کے مادۂ منویہ کو لے کر اس کی کسی ٹسٹ ٹیوب میں بار آوری کی جاتی ہے، پھر اس لقیحہ کو خود اس کی بیوی کے رحم میں منتقل کیا جاتا ہے تو یہ طریقۂ کار بھی شرعاً جائز ہے، بہر حال اس میں کشف ہوتا ہے، اس لئے اس طریقۂ کار کو اپنانے کی سخت ضرورت در پیش ہو تو اسکی اجازت دی جاسکتی ہے اور یہ علاج کرنے والا ڈاکٹر لیڈی مسلمان ہو یا غیر مسلم عورت ہو یا ثقہ مسلمان ہو، پھر اخیر میں غیر مسلم سے بھی کرایا جاسکتا ہے، معالج اور اس عورت کے درمیان خلوت اس عورت کے شوہر کے موجودگی میں ہو یا کسی دوسری عورت کے ہوتے ہوئے ہی ہو۔

اس کے علاوہ داخلی یا خارجی مصنوعی بار آوری کے تمام طریقے شرعاً حرام ہیں، کسی بھی صورت میں اسکی اجازت نہیں دی جاسکتی، چونکہ اس کے علاوہ دیگر صورتوں میں جن دو مرد وعورت کا یہ مادۂ منویہ ہوتا ہے یہ آپس میں شوہر اور بیوی نہیں ہوتے۔(۲)

مصنوعی بار آوری کے جواز کے شرائط وضوابط:

۱- زوجین کے درمیان توالد وتناسل کا آخری ذریعہ مصنوعی بار آوری کا ہونا طئے پائے، اور اس کے لئے تین امراض نسواں کے ماہر ڈاکٹروں نے کہہ دیا ہو کہ حمل

(۱) فتاوی الامام الاکبر جادالحق، شیخ الازھر السابق فی الفتاوی الاسلامیہ

(۲) القرار الثانی لمجمع الفقھی الاسلامی لرابطة الاسلامی بمکة المکرمة بشان التلقیح الصناعی وأطفال الأنابیب فی دورته الثامنة ، مجلة المجمع الفقه الاسلامی: العدد الثانی : ۳۲۷/۱-۳۲۸

اسی طریقہ پر ٹھہر سکتا ہے۔

۲- دونوں کے درمیان نکاح کی برقراری کے دوران یہ بارآوری کا عمل ہو۔اور اگر شوہر کے مرنے یا طلاق وغیرہ کی وجہ سے دونوں کی زوجیت ختم ہوگئی ہوتو یہ بارآوری کا عمل نہیں کیا جاسکتا۔

۳- اس عمل کو کوئی ثقہ لیڈی ڈاکٹر انجام دے، اور اگر یہ نہ مل سکے تو کوئی غیر مسلم باعتماد لیڈی عمل اس کو انجام دے، اور اگر یہ نہ ہوسکے تو کوئی بھروسہ مند مسلمان اس کو انجام دے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہوسکے تو غیر مسلم بھروسہ منداس کو انجام دیں۔

۴- اس عمل کے لئے ڈاکٹر، شوہر اور بیوی سے تحریری اجازت لے، اور اس عمل کی پوری صورتحال اور اس کے تمام مراحل ان کو بتلا دے۔کہیں نطفوں کے بدلنے سے نسب خلط ملط نہ ہوجائے۔اس کے لئے شوہر کے نطفے کی ہی بارآوری ہو، اس کا خاص خیال رکھا جائے۔

۵- مصنوعی بارآوری کے دوران جنین کے جنس کی تعیین نہ کی جائے، اور یہ عمل صرف ان شوہر و بیوی کے لئے کیا جائے جن کے پہلے بالکل بچے نہ ہوئے ہوں۔

۶- پوری احتیاط اور باریکی کے ساتھ یہ کاروائی کی جائے کہ غلطی وغیرہ کا امکان بالکل نہ ہو۔

۷- اور یہ عمل شوہر کی موجودگی میں انجام پائے۔(۱)

اس بارے میں دارالعلوم کراچی کے دارالافتاء کا فتوی:

سوال: کیا ٹسٹ ٹیوب بے بی کے ذریعہ بچوں کی پیدائش کا طریقہ جائز ہے؟

جواب: مصنوعی تولید کے مندرجہ ذیل طریقے معروف ہیں:

۱- نطفہ شوہر کا ہو، اور کسی ایسی عورت کا بیضہ لیا جائے جو اس کی بیوی نہ ہو، پھر یہ لقیحہ اس شوہر کی بیوی کے رحم میں رکھا جائے۔

(۱) الموسوعة الطبیه الفقهیة ، ماده حمل ،۳۷۹،۳۸۰

۲- نطفہ شوہر کے سوا کسی اور کا ہو، اور بیضہ بیوی کا ہو اور اسی کے رحم میں رکھا جائے۔
۳- شوہر کا نطفہ، بیوی کا بیضہ لے کر بیرونی طور پر ان کی تلقیم کی جائے، اور پھر یہ لقیحہ کسی دوسری عور کے رحم میں رکھا جائے جیسے مستعار رحم میں کیا جاتا ہے۔
۴- کسی اجنبی شخص کے نطفہ، اور اجنبی عورت کے بیضہ کے درمیان بیرونی طور پر تلقیم کی جائے اور لقیحہ بیوی کے رحم میں رکھا جائے۔
۵- شوہر کا نطفہ، بیوی کا بیضہ لے کر بیرونی طور پر تلقیم کی جائے، اور اس کو اسی شوہر کی دوسری بیوی کے رحم میں رکھا جائے۔
۶- نطفہ شوہر کا ہو، بیضہ بیوی کا ہو، ان کی تلقیم بیرونی طور پر کی جائے، پھر یہ لقیحہ اس بیوی کے رحم میں رکھا جائے۔
۷- شوہر کا نطفہ لے کر اس کی بیوی کے مہبل یا رحم میں کسی مناسب جگہ پر بطور اندرونی تلقیحہ کے رکھا جائے۔

ان سات صورتوں میں پہلی پانچ صورتیں قطعاً حرام ہیں، جن کی کسی حالت میں گنجائش نہیں کیوں کہ اس میں نسب کا اختلاط اور خاندان ونسل کا ضائع بھی ہونا لازم آتا ہے۔اور اس میں دوسرے شرعی مخطورات بھی پائے جاتے ہیں۔

البتہ چھٹی اور ساتویں صورت میں مجمع (اکیڈمی) نے یہ قرار دیا کہ ضرورت کے وقت ان طریقوں کے استعمال کی گنجائش ہے بشرطیکہ لیڈی ڈاکٹر یہ عمل انجام دے، اور دیگر تمام ضروری اور احتیاطی تدابیر اختیار کی گئی ہوں۔

واللہ سبحانہٗ اعلم

محمد کمال الدین راشدی: دارالافتاء دارالعلوم کراچی (۱)

الرحام الظئر ، الأم المستعارة (اجرت پر لیا ہوا رحم)

(Mother Surrogated)

اس کی متعدد صورتیں ہوسکتی ہیں:

(۱) بحوالہ جدید مسائل کا حل: ماخذ ماہنامہ البلاغ ۳ رشعبان: ۱۴۰۸ھ

۱- بیوی کا بیضہ لے کر اسے ٹسٹ ٹیوب میں بارآور کیا جائے، پھر اس لقیحہ کو ایک دوسری اجرت پر حاصل کی ہوئی عورت کے رحم میں داخل کیا جائے۔

یہ طریقۂ کار شرعاً حرام ہے؛ چونکہ یہاں ایک تیسری عورت جس کا رحمِ مستأجر ہے پائی گئی، زوجیت کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی تیسری عورت اس طریقہ اور عمل میں درمیان میں آجاتی ہے تو یہ عمل حرام ہوگا، بعض فقہاء نے اس کو زنا قرار دیا ہے، گرچہ صورۃ زنا نہیں، لیکن شوہر کے پانی کو اس اجنبی عورت میں پہنچانا یہ مال اور انجام کے اعتبار سے زنا ہے؛ چونکہ اس میں اصل نسب کی حفاظت اور اس کو خلط سے بچانے کی کوشش کرنا ہے، اسلئے شریعت نے اس عمل اور کاروائی میں شرائط وضوابط وضع کئے ہیں، اسی بناء پر میں کہتا ہوں یہاں اس لڑکے کا اس صاحب البویضہ عورت سے ثابت ہوجائے گا، چونکہ یہی وارث کا بچہ اس کے موروثی اثرات کا حامل ہوگا، جس طرح باپ کے موروثی اثرات کا حامل ہوتا ہے۔(۱)

علماء نے اس طریقہ کو اپنانے کی حرمت کا فتوی دیا ہے، کیونکہ نسب کے خلط ہونے اندیشہ ہے، لوگوں کا اختلاف ہے کہ حقیقی ماں کس کو قرار دیں۔(۲)

عبداللہ عبدالشکور جو رحمِ مستأجر کے مسئلہ میں خصوص رکھتے ہیں، ان کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں عورت شادی شدہ ہوگی یا غیر شادی شدہ، اگر وہ شادی شدہ ہو اور اس میں بیضہ اور لقیحہ کو رکھا جائے تو نسب کے خلط ہونے کا اندیشہ ہے اور اگر وہ عورت غیر شادی شدہ ہو تو اس عورت کے حاملہ ہونے پر لوگوں کی بری بھلی اس کو سننی پڑے گی، تو اس صورت میں اس عورت کو نقصان ہوگا۔(۳)

۲- یہاں اس صورت میں بیوی کے مبیض (بیضہ منی پیدا کرنے والی جگہ)

---

(۱) ندوۃ الانجاب فی ضوء الاسلام:۲۲۳، رأی الدکتور عبد الحافظ حلمی

(۲) قرار المجمع الفقهی لرابطة الاسلامی فی دورته :۱۴۰۲، اور اپنے ساتویں اجلاس:۱۴۰۴، اور آٹھویں اجلاس:۱۴۰۲

(۳) ندوۃ الانجاب فی ضوء الاسلام : المنظمة الاسلامية للعلوم الطبية ، شعبان ۱۴۰۳، ۲۴/مئی، ۱۹۸۳ء الکویت

اور بیضہ منی دے ہی نہیں سکتی، اور وہ حاملہ نہیں ہوسکتی، تو ایک عطیہ کرنے والی کا بیضۂ منی لے کر اس کو شوہر کے پانی میں ملا کر بار آور کیا جاتا ہے اور اس لقیحہ کو اس بیضہ کے عطیہ کرنے والی کے رحم میں پہنچا دیا جاتا ہے تو اس طرح وہ ماں ہوتی ہے، ایک تو یہ صاحبِ بویضہ اور دوسرے صاحبِ رحم جس کو اس کا حمل ہوا اور اسی نے اس کو جنا۔

لیکن وہ بچہ کے پیدا ہونے کے بعد اجرت کے مقابل ان اجرت دینے والے میاں بیوی کو بچہ حوالہ کر دیتی ہے، تو اس صورت میں باپ صاحبِ منی ہوا اور ماں رحمِ مستأجر والی ہوگی، چونکہ وہی صاحبِ بویضہ والی بھی ہے، اور صاحبِ رحم بھی ہے؛ لیکن چونکہ وہ اجرت کے مقابل اپنے حقِ امومت سے دستبردار ہوتی ہے۔

اس حالت کا حکم یہ ہے کہ یہ شرعاً حرام ہے اور اس لڑکے کا نسب اس جننے والی عورت سے ہوگا، اور ماں صرف ولادت کی وجہ سے ہوگی، اور باپ اس کے پانی کی وجہ سے شرعی اور قانونی دونوں اعتبار سے ہوگا؛ لیکن یہاں باپ زانی شمار ہوگا، چونکہ یہ انجام کے اعتبار سے زنا ہے، چونکہ یہ عورت اس کی بیوی نہیں ہے، ان کے درمیان رشتۂ ازدواج نہیں تھا، اس عمل اور کارروائی کے دوران وہ اجنبیہ تھی۔

۳- تیسری صورت بھی یہی ہے؛ لیکن یہاں اس لقیحہ کو صاحبِ بویضہ میں منتقل کئے جانے کے بجائے ایک تیسری عورت میں منتقل کیا جاتا ہے، تو اس طرح اس بچے کی تین ماں ہوجاتی ہیں، ایک صاحبِ بویضہ جس کے موروثی اثرات کا یہ لڑکا حامل ہوگا، دوسرے رحمِ مستأجر والی عورت وہ جس نے اپنے خون اور گوشت سے حمل کی مدت کے دوران اس کی پرورش کی اور یہ اس سے محرمیت کو لے گا جیسے رضاعی ماں میں ہوتا ہے اور وہ ماں جس نے اس عمل کے لئے قیمت دی، اس صاحبِ بویضہ اور رحمِ مستأجر والی عورت کو اجرت دیا ہے، اور کبھی شوہر ہی اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لئے اس کی قیمت دیتا ہے۔

اس صورت کا حکمِ شرعی یہ ہے کہ یہ طریقہ بھی شرعاً حرام ہے؛ چونکہ یہاں بھی نسب کے ساتھ کھلواڑ پایا جاتا ہے، نسب کو خلط ملط اور اخلاقی اور انسانی اقدار کو پامال کیا

جار ہا ہے، اس بچہ کا کیا گناہ ہے جو اس طرح پیدا ہوتا ہے، اس کی اصل بیضۂ مجہولہ ہے۔

یہ لڑکا ولدِ زنا ہوگا، اور ولدِ زنا جس ماں نے اس کے حمل کو برداشت کیا اور اس کو جنا اسی کی جانب منسوب ہوتا ہے؛ چونکہ بموجبِ حدیث کہ زانی کا کوئی نسب نہیں "الولد للفراش وللعاهر الحجر"۔(۱)

۴- چوتھی صورت یہ ہے کہ زوجۂ مستأجرہ رحمِ مستأجرہ کا کردار ادا کرے، چونکہ مرض کی وجہ سے اس کا مبیض بیضہ کا اخراج نہیں کرسکتا۔

وہ کسی عطیہ کرنے والی کا بیضہ لے اور اس کو اس عورت کے شوہر کی منی میں بارآور کیا جائے اور پھر اس لقیحہ کو بیوی کے رحم میں ڈال دیا جائے۔

اس صورت کا حکمِ شرعی یہ ہے کہ یہ بھی اپنے سابقہ صورتوں کی طرح حرام ہے، چونکہ اس میں بھی ایک تیسری عورت کا عمل دخل ہے، اور یہاں بھی نسب میں خلط ہوگیا کہ اس لڑکے کی دو مائیں ہوئیں، ایک تو وہ ماں جو صاحبِ بویضہ ہے اور ایک رحم والی ماں جس نے اس کا حمل برداشت کیا اور اس کو جنا۔

اس بچے کا نسب بھی ثابت نہیں ہوگا؛ چونکہ بچے کے باپ اور صاحبِ بویضہ کے درمیان ازدواجی رشتہ نہیں ہے، چونکہ اس میں ایک تیسری عورت جس کا بیضۂ منی ہے اس کا دخل ہے اور ۴۶ رکرموزوم میں سے ۲۳ رکروموزوم اسی کے ہیں۔

اس صورت میں بانجھ بیوی کا کردار محض جنین کے برتن کا سا ہے، وہ محض رشتۂ رضاعت کی طرح محرمیت کی صفت کو اخذ کرے گی۔

۵- پانچویں صورت یہ بھی پہلی صورت ہی کے مثل ہے؛ لیکن یہاں بانجھ پن مرد میں ہوتا ہے، عطیہ دینے والی عورت کے بیضہ کو لے کر عطیہ دینے والے مرد کی منی میں بارآور کیا جاتا ہے، پھر اس لقیحہ کو اس شخص کی بیوی کے رحم میں منتقل کیا جاتا ہے، یہ اس کے حمل کو طبعی طریقہ پر رکھ کر اس کو جنتی ہے۔

اس صورت میں اس بچے کا نسب کیا ہوگا؟ صاحبِ بویضہ اور صاحبِ منی دونوں

(۱)　ترمذی: لا وصية لوارث، حديث:۲۱۲۱

غیر معروف ہیں، اگر وہ جانے پہچانے ہوں بھی ان کی جانب بچے کی نسبت نہیں کی جاسکتی، ان لوگوں نے اپنا پانی بطورِ اجرت دیا تھا، اور صاحبِ بویضہ بھی اس کے بدلے اجرت حاصل کی تھی، یہاں یہ بانجھ بیوی بس اس بچے کے لئے حمل کے برتن کی طرح ہے، یہ بچہ اس عورت کی جانب ولدِ زنا کے طور پر منسوب ہوگا؛ چونکہ پانی غیر شخص کا ہے ،اور اس نے غیر کے پانی کو اپنے رحم میں داخل کیا ہے؛ چونکہ پانی غیر شخص کا ہے، اور اس نے غیر کے پانی کو اپنے رحم میں داخل کیا ہے، گرچہ یہ براہِ راست زنا نہیں؛ لیکن انجام کار اور مآل کے اعتبار سے زنا ہے۔

مجمع الفقہ الاِسلامی نے رحم مستاجر کی تمام صورتوں کو منع کیا ہے؛ کیونکہ ان تمام صورتوں میں میاں بیوی کے علاوہ دوسروں کا بھی عمل دخل ہوتا ہے۔(۱)

مصنوعی بارآوری کئے ہوئے فالتو جنین کو ضائع کرنے کے احکام:

عورت کے بہت سارے بیضہ منی کو مرد کے مادۂ منویہ کے ساتھ بارآور کیا جاتا ہے، پھر ان بارآور بیضوں میں کچھ کو عورت کے رحم میں منتقل کیا جاتا ہے، اور بقیہ بیضے محفوظ کر لئے جاتے ہیں۔ بارآوری کا پہلا عمل ناکارہ ہوجائے تو پھر یہ بقیہ بیضے، پھر عورت کے رحم میں ڈالے جاتے ہیں۔ بہر حال ان مصنوعی بارآور کردہ بیضوں میں زندگی ہوتی ہے، کسی زندہ چیز کو موت کے حوالہ کرنا عقلاً اور شرعاً ہر طرح منع ہے۔

اس لئے اطباء کو چاہیے کہ ضرورت سے زائد بیضوں کو بارآور نہیں کرنا چاہیے۔ اور اگر کچھ بارآور شدہ بیضے رہ جائیں تو ان کو طبعی موت مرنے کے لئے یوں ہی چھوڑ دیا جائے۔(۲)

مجمع الفقہ الاسلامی جدہ نے اپنے چھٹے اجلاس میں یہ قرارداد منظور کی ہے جس میں اجنہ زائدہ کے احکام بیان کئے ہیں:

❁ یہ ضروری ہے کہ جس وقت یہ بیضے بارآور کئے جائیں ہر مرتبہ کے لئے مطلوبہ

---

(۱) الموسوعة الطبية الفقهية : ۳۸۰-۳۸۱

(۲) اعمال ندوة الرؤية الاسلامية لبعض الممارسات الطبية:۷۵۷

مقدار ہی میں یہ بیضے بارآور کیئے جائیں۔

❁ اگر یہ بیضے کسی بھی طرح بچے رہ جائیں تو انہیں طبی نگہداشت کے یوں ہی چھوڑ دیا جائے کہ ان کی طبعی موت آجائے۔(۱)

دبئ کے دائرۃ الشؤون الاسلامیۃ والعمل الخیری نے اسی قرارداد کے موافق جاری کیا ہے۔

(۱) مجلة المجمّع الفقه السلامی بجدة العدد الثانی ۱/۶۵۶ طبع دار القلم بدمشق

ناقص الخلقت بچہ کو ہلاکت سے بچانا

(انعاش الخدیج)

چھ ماہ بعد پیدا ہونے والے ناقص الخلقت کے احکام

اہل علم کا اتفاق ہے کہ مکمل حمل کی کم سے کم مدت چھ مہینے ہیں جو ناقص الخلقت بچہ چھ مہینے سے تجاوز کر گیا ہو، اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اگر اس کو مکمل توجہ نہ دی جائے تو وہ یقینی طور پر موت کے منہ میں چلا جائے گا۔ لہٰذا اس بچہ کو ہلاکت سے بچانا، اور اس کو متحرک کرنا دراصل ایک معصوم جان کو ہلاکت سے بچانا ہے۔

اور فقہاء کا اتفاق ہے کہ معصوم جان کو ہلاکت سے بچانا ضروری ہے۔(۱)

اس اجماع کی بنیاد دو چیزوں پر ہے:

۱- اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:﴿وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا﴾ (المائدہ:۳۲)

مجاہدؒ کہتے ہیں: "احیاھا" کے معنی:"أنجاها من غرق أو حرق ، أو هدم أو هلكة"(۲) یعنی اس کو ڈوبنے، جلنے یا منہدم ہونے یا ہلاک ہونے سے بچایا۔

بیضاویؒ کہتے ہیں:

"ومن تسبب لبقاء حياتها بعفو أو منع من القتل،

---

(۱) المحلی لابن حزم: مسئألة ماتت حاملٌ والولد حيٌّ :۳۹۶/۳، دار الفکر بیروت

(۲) جامع البيان عن تاويل القرآن للطبری: ۳۵۵/۸، دار هجر للطباعة والنشر والتوزيع والاعلان الطبعة الأولى ۱۴۲۲ھ ۲۰۰۱م

أواستقاذ من بعض أسباب الهلكة، فكانما فعل ذلك بالناس جميعا"(۱)

یعنی جو شخص اس کی زندگی کے بچانے کا ذریعہ بنا ہو یا اس کو قتل کرنے سے رک گیا ہو، یا اس کو ہلاکت کے مواقع اور ذرائع سے بچالیا ہو، تو اس نے گویا یہ کام تمام لوگوں کے ساتھ کیا، اور اس کا مقصد جان کو مار ڈالنے کی عظمت اور بڑے پن کو بتانا ہے اور اس کی بقاء اور حیات کے لئے کوشش کرنے کو بتانا ہے، اور اس سے تعرض اور چھیڑ چھاڑ کرنے سے ڈرانا اور اس کے بچاؤ اور حفاظت کے لے ترغیب دینا ہے۔

۲- معصوم جان کی ہلاکت سے بچانا یہ دراصل جانوں کی حفاظت کی قبیل سے ہے جس کی سارے مذہبوں میں تعلیم دی گئی ہے۔

ابن حزم ظاہری کہتے ہیں:

"ومما كتبه الله تعالىٰ ايضاً علينا استنقاذ كل متورط من الموت، اما بيد ظالم كافر أومؤمن متعدٍ، أوحية، أوسبع، أونار، أوسيلٍ، أوهدمٍ، اوحيوانٍ، أومن علةٍ على صعبةٍ نقدر على معافاته منها أومن أى وجه كان، فوعدنا على ذلك الأجر الجزيل الذى لا يضيعه ربُّنا تعالىٰ الحافظ صالح أعمالنا، وسيَّها ففرض علينا أن نأتى من كل ذالك ما افترضه الله علينا" (۲)

لہٰذا جس بچہ کے چھ مہینے ہو چکے ہوں اس کو متحرک کرنا اور ہلاکت سے بچانا واجب ہے۔

البتہ جو بچہ چھ مہینے سے پہلے ساقط ہو جائے تو اس بچہ کو ہلاکت سے بچانا ضروری ہے یا نہیں، پہلے تو زمانۂ گذشتہ کے فقہاء نے اس بچہ کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے

---

(۱) انوار التنزیل وأسرار التاويل للبيضاوى، سورة المائده: ۱۲۴/۲ دار احياء التراب العربى بيروت

(۲) المحلّى لابن حزم: مسئلة شق نهراً فغرق ناسا: ۲۱۹/۱۱ دار الفكر بيروت

اوران کا جونقطۂ نظر ہے اس کی پہلے جانکاری ضروری ہے، کیا اس بچے کو مردہ قرار دیں گے یا اس کو زندہ کہیں گے؟ اس بارے میں دو قول ہیں:

۱) بعض فقہاء نے اسے زندہ کے حکم میں قرار دیا ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ وارث ہوگا اور اس کی وراثت جاری ہوگی اور اس کے بارے میں قصاص اور مکمل دیت واجب ہوگی، اور اس کو غسل دیں گے اور اس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔

جمہور اہلِ علم کا یہی قول ہے اور احناف بھی اسی کے قائل ہیں، حضرت امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ "اذا استھلّ المولود سُمّی وغُسّل وصُلّی عَلَیہِ وَوُرث عنه" (۱) اگر بچہ پیدا ہونے کے بعد آواز کرے یا روئے تو اس کا نام رکھا جائے گا اور اس کو غسل دیا جائے گا اور اس پر نماز پڑھی جائے گی اور اس کی وراثت تقسیم کی جائے گی۔

۲) دوسرا قول: وراثت، جنایت اور دیت میں اس کے احکام مردہ کی طرح ہوں گے، یہ بعض شوافع کا قول ہے۔(۲)

شرنبلالیؒ کہتے ہیں:

"وقع السوال عن شخص تزوّج بامرأة ودخل بها ثم مات وألقت جنينا بعد خمسة أشهر من العقد ومكث حيّا نحو يوم ومات فهل يرث أو لا ؟ والجواب عنه بأنّ الظاهر عدم الارث ، لأنّه ان كان ولدا كاملا فهو من غير الزوج المذكور ، لانّ أقلّ مدة الحمل ستةأشهر ، وان لم يكن كاملا فحياته مستقرة وهى مشترطة للارث"(۳)

(۱) المبسوط للسرخسی: باب الولادة والشهادة عليها:۱۷/۱۶۶،دار المعرفة ۔بيروت

(۲) الحاوی للماوردی :۱۶/۲۲۸

(۳) تحفة المحتاج فی شرح المنهاج :فصل فی موانع الارث وما معها:۶/۴۲۳،المكتبة التجارية الكبرى بمصر

ایک سوال اس شخص کے تعلق سے آیا جس نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس سے دخول کیا، پھر مر گیا اور اس عورت نے پانچ مہینے کے بعد ایک جنین ساقط کیا، وہ جنین چند دن رہا پھر مر گیا تو کیا وہ وارث ہوگا یا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ : ظاہر تو یہی ہے کہ وہ وارث نہ ہوگا، اگر وہ مکمل لڑکا ہوگا تو اس مذکورہ شوہر کا نہ ہوگا؛ چونکہ حمل کی کم سے کم مدت چھ مہینے ہوتی ہے اور اگر وہ کامل نہ ہو تو اس کی وہ زندگی جو باقی اور قائم ہوگی وہ ضروری ہے اور یہی وارث ہونے کی شرط ہے۔

راجح قول:

پہلی بات تو یہ ہے کہ جو بچہ چھ مہینے سے پہلے پیدا ہو اور اس میں زندگی کے علامات و آثار پائے گئے ہوں تو اسے غسل دیا جائے گا کفن دیا جائے گا اور اس پر نماز پڑھی جائے گی، ائمہ اربعہ کے تمام متبعین کے یہاں یہ بات متفق علیہ ہے۔

وراثت اور جنایت کے سلسلے میں جو بچہ چھ ماہ سے پہلے پیدا ہوا ہو اور اس میں زندگی کے آثار پائے جائیں تو اس کے ساتھ ماں کے پیٹ میں موجود بچہ کا سا معاملہ کیا جائے گا، اگر اس نے کم سے کم مدتِ حمل دودھ پیتے ہوئے پوری کر دی تو اس کو زندہ تصور کیا جائے گا اور اگر اس مدت کے مکمل ہونے سے پہلے وہ مر جائے تو اس کا حکم مردہ کی طرح ہوگا، چونکہ حمل کی کم سے کم مدت چھ مہینے ہے اور جو بچہ اس سے پہلے ساقط ہوگا تو اس کا حکم اس کے مستقر کا حکم ہوگا یعنی ماں کے پیٹ کا۔

لہٰذا جو بچہ چھ مہینے سے پہلے پیدا ہوا ہو فقہاء کے پہلے قول کے مطابق اس ناقص الخلقت بچہ کو موت اور ہلاکت سے بچانا اسکو زندہ شمار کئے جانے کی وجہ سے ضروری ہوگا، اور ایسے بچے کو بچانا معصوم کی جان کو ہلاکت سے بچانا شمار ہوگا اور معصوم کو ہلاکت سے بچانا ضروری ہے۔

اور جن لوگوں نے چھ مہینے سے پہلے پیدا ہونے والے بچہ کو مردہ قرار دیا ہے تو ان کے قول کے اعتبار سے اس کی جان کو ہلاکت سے بچانا (انعاش) ضروری نہ ہوگا۔

ڈاکٹر صالح بن عبد العزیز الغلیقہ فرماتے ہیں: راجح قول اس بارے میں یہ ہے

کہ اگر ناقص الخلقت بچہ چھ مہینے سے کم عمر کا ہو تو اس کو ہلاکت سے بچانا (انعاش) اگر اس کے لئے فائدہ مند ہوسکتا ہے اور اسکے حق میں فائدہ مند ہونے کا گمانِ غالب ہو تو اس کو ہلاکت سے بچانے کی کوشش کی جائے گی، اور اگر گمانِ غالب یہ ہو کہ اس کوشش کا کوئی فائدہ نہ ہوگا تو اس کو ہلاکت سے بچانے کی کوشش نہ کی جائے گی؛ بلکہ اس وقت اس کو ہلاکت سے نہ بچانا ہی اولی اور بہتر ہوگا، چونکہ (انعاش) اس کے لئے مفاسد کا باعث ہوگا:

۱- جب یہ پتہ چلے کہ یہ ناقص الخلقت بچہ کو اس علاج سے فائدہ نہ ہوگا، تو اسے بیکاری میں دواخانے میں بھرتی رکھ کر دواخانہ کو بے جا مشغول کرنا ہوگا۔

۲- اگر وہ جئے گا تو بھی اس کی زندگی مشکل اور دشوار گذار ہو جائے گی

۳- جب اسکو علاج سے فائدہ نہ ہونے کا گمانِ غالب ہو تو اس کے باوجود پیسے کو خرچ کرنا فضول خرچی ہوگا۔

اس سلسلے میں مکہ فقہ اکیڈمی کا فیصلہ بھی ملاحظہ ہو:

اگر حمل ایک سو بیس (۱۲۰) دنوں کا ہو تو اسقاط جائز نہیں، خواہ طبی تشخیص سے یہ ثابت ہو رہا کہ بچہ ناقص الخلقت ہے؛ البتہ اگر ماہر قابل اعتماد اطباء کی کمیٹی کی رپورٹ سے یہ ثابت ہو رہا ہو کہ حمل کا باقی رہنا ماں کی زندگی کے لئے یقیناً خطرناک ہے تو ایسی صورت میں بڑے نقصان کے ازالہ کے لئے بچہ کا اسقاط جائز ہے خواہ وہ ناقص الخلقت یا نہ ہو۔

اگر حمل پر ایک سو بیس دن گذرے ہوں اور ماہر قابل اعتماد اطباء کی کمیٹی کی رپورٹ اور تجرباتی وسائل اور آلات کے ذریعہ فنی تحقیقات کی بنیاد پر یہ ثابت ہو رہا ہو کہ بچہ خطرناک طور پر ایسا ناقص الخلقت ہے کہ ناقابل علاج ہے اور اگر وہ باقی رہ کر اپنے وقت پر پیدا ہوتا ہے تو اس کی زندگی ایک بوجھ اور اس کے اور اس کے گھر والوں کے لئے الم رساں رہے گی تو ایسی صورت میں والدین کے مطالبہ پر اس کا اسقاط جائز ہے، اجلاس اس فیصلہ کے ساتھ ہی اطباء اور والدین اس معاملہ میں اللہ کا خوف اور احتیاط ملحوظ رکھنے

کی اپیل کرتا ہے۔(۱)

اگر بچہ نفخِ روح سے پہلے پیدا ہو اور اس میں جان نہ پڑی ہو تو اس کو پاک جگہ میں دفن کیا جائے گا، اگر اس میں روح پڑ گئی ہو یعنی اس پر چار مہینہ کی مدت گذر چکی ہو تو اس کو غسل دیں گے کفن دیں گے اور اس پر نماز پڑھیں گے۔(۲) (کتب احناف میں پیدا ہونے کے بعد آواز آنے کی شرط ہے۔

جب بچہ چار مہینے کا ہو جائے تو طبی کمیٹی کے رپورٹ کے مطابق اس کے حمل کو برقرار رکھنے میں ماں کی زندگی کو خطرہ نہیں ہوتا، اور مدت حمل کے مکمل ہونے کے بعد ولادت ممکن ہے، اور جو جنین کی خلقت میں ناقص کی بات ہے کہ اس کا سر نہیں ہوگا اور وہ اپنی ولادت کے بعد حیات نہیں رہے گا تو یہ حمل کے اسقاط کے سلسلے میں کوئی عذر شرعی نہیں، کبھی کبھی نتیجہ اس کے خلاف ہوتا ہے۔(۳)

(۱) مکہ اکیڈمی کے فیصلے: ۳۳۷، ایفا پبلی کیشنز، نئی دہلی

(۲) من فتوی اللجنة الدائمة: الفتوی رقم: ۸۰۹۹، کتاب الطب والمرضی

(۳) من فتاوی اللجنة الدائمه، الفتوی رقم: ۱۹۱۴۰

فیملی پلاننگ اور ضبط تولید کے احکام

ضبط ولادت کے تعلق سے قرآنِ کریم اور سنتِ رسول ﷺ میں صراحت کے ساتھ تو کوئی ممانعت کا حکم نہیں ملتا؛ اس لئے فقہاء اسلام نے اس بارے میں کوئی متفقہ رائے نہیں دی ہے، یہ مسئلہ بہت حد تک حالات، ضرورت، دفعِ حرج وغیرہ سے تعلق رکھتا ہے، ضبطِ ولادت کی حلت وحرمت، کراہت واباحت کا تعلق اس کے لئے کی جانے والی تدابیر اور ذرائع سے وابستہ ہے، کچھ تدبیریں تو مستقل اور دائمی ضبطِ ولادت سے تعلق رکھتی ہیں اور کچھ عارضی۔

منعِ ولادت کی مستقل تدبیریں:

منعِ حمل کی ایسی صورت جو مستقل طور پر قوتِ تولید ختم کردے، جس کے لئے ہمارے زمانے میں مردوں کے لئے نس بندی اور عورتوں کے لئے آپریشن کیا جاتا ہے، اصلاً حرام ہے، زمانۂ گذشتہ میں اس کے لئے ''اختصاء'' کی صورت اختیار کی جاتی تھی، جیسے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے خصی کرنا چاہا؛ تاکہ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت عبادت کے لئے صرف کرسکیں تو آپ ﷺ نے انہیں منع فرمایا: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اگر حضور ﷺ ہمیں اس کی اجازت دی ہوتی تو ہم لوگ خصی کرتے ''ردّ رسول الله على عثمان بن مظعون التبتّل ولو أذن له لاختصينا '' نبی کریم ﷺ نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے لئے خصی کرنے کو منع فرمایا، اگر آپ اس کی اجازت دے دیتے تو میں خصی کرلیتا۔(۱)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:''خصاء بنی ادم حرام ''(۲) انسان کی خصی حرام ہے۔

(۱) بخاری : باب ما یکره من التبتّل ،حدیث:۴۷۸۶

(۲) الفتاویٰ الهندیه : الباب التاسع عشر فی الختان :۲۵۷/۵،دار الفکر بیروت

ایسی چیز کا استعمال حرام ہے جو صلاحیت حمل کو بالکل ختم کردے، مگر عارضی طور پر روکنے سے حرام نہیں ہوتا؛ بلکہ اگر کسی عذر مثلاً بچوں کی تربیت و پرورش کی غرض سے ہے تو مکروہ نہیں ہے، ورنہ یہ صورت بھی مکروہ ہوگی۔

اس کے علاوہ ''قطع نسل'' کی ایسی تدبیر کا اختیار کرنا جس کی وجہ سے مرد یا عورت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے توالد وتناسل کا سلسلہ منقطع ہو جائے یہ تغیر فی خلق اللہ (اللہ کی خلقت میں تبدیلی) اور مثلہ کے قبیل سے ہے اور ایک شیطانی عمل ہے، ارشادِ باری عز وجل ہے:﴿وَلَا اٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَا اٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ﴾ (النساء: ۱۱۹) اور میں حکم کروں گا چوپایوں کے کان کاٹیں گے، اور میں ان کو حکم کروں گا تو وہ اللہ کی خلقت میں تبدیلی کریں گے۔

مجبوری کی صورت میں منعِ ولادت کی تدبیر کا حکم:

بعض امراض اور حالات ایسے ہوتے ہیں جن کے بارے میں ڈاکٹروں کی تحقیق کے بعد قطعی اور یقینی بات ہو جاتی ہے کہ اگر سلسلۂ توالد وتناسل کو بالکل ختم نہ کیا گیا اور حمل قرار پایا تو اس کی ولادت کی کوئی صورت نہیں ہوگی اور مجبور عورت کیلئے موت کے سوا کوئی چارہ نہیں مثلاً: بعض خواتین ایسی ہوتی ہیں کہ قدرتاً ان کے اعضاءِ تولید اس قابل نہیں ہوتے کہ جن سے طبعی اور فطری ولادت ہوسکے، مجبوراً غیر فطری طریقے سے آپریشن کے ذریعے بچہ کی ولادت ہوتی ہے اور ڈاکٹروں کے کہنے کے مطابق اس طرح کے آپریشن کے ذریعے بھی کوئی ولادت کی شکل نہیں ہوتی ہے، گویا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کے اعضاء میں ولادت کی صلاحیت نہیں رہی، اور نہ ہی عادۃ اس کے پائے جانے کا اب امکان ہے، ایسی صورت میں عورت کے پیٹ میں بچہ کا آجانا خطرہ سے خالی نہیں ہوتا، بلکہ جان تک جانے کا خطرہ ہوتا ہے، اس لئے ایسی اضطراری مجبوری کی صورت میں (جب کہ ماہر ڈاکٹر فیصلہ کردے کہ ہمیشہ کے لئے یہ عورت ولادت کے قابل نہیں رہی، ورنہ جان کا خطرہ ہے) ایسی صورت اختیار کرنے کی گنجائش ہے، جس سے ہمیشہ کے لئے ولادت کا سلسلہ منقطع ہو جائے، جس کو اصطلاح میں آپریشن کہتے ہیں؛ چونکہ

"الضرورات تبیح المحظورات" (۱) ضرورت ممنوعہ چیز کو مباح کر دیتی ہے:
کیونکہ یہاں ضرورت کا آخری درجہ پایا جا رہا ہے، اگرچہ احتمال اس کا بھی ہے کہ عارضی تدابیر اختیار کر کے سلسلہ کو ختم کر کے صرف موقوف کر دیا جائے اور حمل قرار پانے کی صورت میں اس میں اس کا اسقاط کرا دیا جائے؛ لیکن جب عذر دائمی ہے، جس کا ازالہ عادۃً ناممکن ہے تو دائمی تدابیر اختیار کرنے کی اجازت ہونی چاہیئے۔

نیز عارضی تدابیر اختیار کرنے کے بعد بھی کبھی پیٹ میں بچہ آ جاتا ہے جو اس کے لئے زحمت اور حرج کا باعث بن جاتا ہے۔

عارضی منعِ حمل کی تدابیر اور جواز کی صورتیں:

عارضی منعِ حمل کی تدابیر مثلاً: "نرودھ" "لوپ" دوا یا مرہم کا استعمال کرنا، ان صورتوں میں جائز ہے۔

۱- دو بچوں کے درمیان مناسب وقفہ دینے کیلئے:

تاکہ بچہ کو ماں کی طرف سے پوری توجہ اور نگہداشت مل سکے، مثلاً: بچہ ایّام رضاعت میں ہے اور استقرار حمل ہو گیا تو اس کے لئے ماں کا دودھ مضر اور نقصان دہ ہوگا، جس کی وجہ سے فطری طور پر اس کے بدن میں ضعف اور کمزوری پیدا ہوگی۔

اسماء بنت یزیدؓ سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا: تم اپنی اولاد کو چپکے سے مت مار ڈالو؛ چونکہ نقصان اور کمی یہ گھوڑ سوار کو لاحق ہوتی ہے تو وہ اسے گھوڑے سے گرا دیتی ہے (۲)

۲- کمزوری اور بیماری کی وجہ سے منعِ حمل تدبیر:

اگر عورت اس قدر نحیف وکمزور ہو کہ وہ حمل کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتی، حمل کی تکلیف، نیز دردِ زہ وغیرہ کو برداشت کرنے کی اس میں سکت نہیں یا ولادت کے بعد ایسی شدید کمزوری لاحق ہونے کا خطرہ ہو کہ اس کے بعد صحت کی توقع کم ہو ایسے حالات میں

---

(۱) الأشباه والنظائر :۸۵/۱،دار الکتاب العلمیة ، بیروت

(۲) ابوداؤد :باب فی الغیل :حدیث:۳۸۸،دار الفکر ، بیروت

منع کی ہر ممکن اور جائز تدابیر اختیار کرنے کی اجازت ہے؛ کیونکہ حرج اور مشقت مدفوع ہے ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (الحج :۷۸)

اس قسم کے اعذار کی بناء پر امامِ غزالیؒ نے منعِ حمل (عزل) کی اجازت دی ہے (۱) مفتی محمد شفیعؒ صاحب نے بھی اس کی اجازت کی تصریح کی ہے۔ (۲)

۳- بچے کے خطرناک موروثی مرض میں مبتلا ہونے کے اندیشہ سے منعِ حمل:

بچے کے بارے میں یہ خطرہ گمانِ غالب کی حد تک پہنچ چکا ہو کہ وہ خطرناک موروثی امراض مثلاً: تشنج، ذہنی ناکارہ پن، جسم کا عمر کے اعتبار سے نشو ونما نہ پانا وغیرہ میں مبتلا ہوسکتا ہے، اس کی نظیر وہ صورت ہے جب ماحول کے بگاڑ کی وجہ سے اولاد کے بگڑنے کا قوی اندیشہ ہو تو بعض فقہاء کرام نے عزل کی اجازت دی ہے۔

"رجلٌ عزل امرأته بغير اذنها لما يخاف الولد السوء في هذاالزمان فظاهر جواب الكتاب الّا يسعه ، وذُكر هنا يسعه لسوء هذا الزمان" (۳)

ایک شخص نے اپنی بیوی کی اجازت کے بغیر اس کے لئے عزل کیا کہ اسے نافرمان اولاد کے پیدا ہونے کا خدشہ ہے تو اس بارے میں کتاب کا ظاہری جواب یہ ہے کہ اس کی اجازت نہ ہو؛ لیکن یہاں اسکی وسعت اور گنجائش دی گئی ہے جو زمانے اور ماحول کے بگاڑ کی وجہ سے ہے۔

عارضی مانع حمل تدابیر......عدمِ جواز کی صورتیں

۱- معاشی حالات کے تحت مانعِ حمل:

معاشی اسباب کے تحت منعِ حمل کہ ہر بچے کا مستقبل بہتر ہو، یہ عذرِ شرعی نہیں؛ کیونکہ معاش کے اعتبار سے مستقبل کی بہتری اللہ نے اپنے ذمے لے رکھی ہے؛ اس لئے اسے عزل وغیرہ عارضی منعِ حمل تدابیر کے اعذار میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ (ھود:۶)

(۱) احیاء العلوم:۲۲/۳ (۲) ضبطِ ولادت:۳۷
(۳) فتاوی الهندية :۴۳۶/۵،دار الكتب العلمية ، بيروت

۲- ''چھوٹے خاندان'' کے لئے منعِ حمل:

موجودہ دور کے فیشن ''چھوٹے خاندان'' کے لئے بھی یہ تدابیر جائز نہیں ہیں ''چھوٹا خاندان'' کا تصور اسلام کے مزاج اور طبیعت کے موافق نہیں، اسلام میں بڑا خاندان اور کثرتِ اولاد مطلوب ہے، حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ''تزوّجوا الودود الولود فانّی مکاثر بکم الأمم ''(۱) زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی عورت سے نکاح کرو؛ کیونکہ میں امت کی کثرت پر فخر کروں گا۔

۳- ملازمت وغیرہ کے لئے منعِ حمل:

پیشہ وارانہ اسباب مثلاً ملازمت وغیرہ کی وجہ سے بیوی اپنے کیرئیر کر باقی رکھنا چاہتی ہے، یہ چیز بھی عذر نہیں؛ کیونکہ ملازمت اور کسبِ معاش وغیرہ عورت کے ذمے نہیں، مردوں کے ذمے ہے، عورت جب تک بالغ نہیں ہے اس کا نفقہ باپ کے ذمہ ہے اور جب وہ بالغ ہوگئی اور اس کی شادی ہوگئی تو نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگیا، اگر شوہر نہ رہے، اولاد ہو تو اولاد کے ذمہ ہے اور اولاد نہ ہو تو پھر باپ یا بھائی وغیرہ کے ذمہ ہوگا، عورت کے تخلیقی فرائض انتظامِ امورِ خانہ داری اور پرورشِ اولاد ان امور میں خلل ڈال کر کیرئیر کو باقی رکھنے کا عذر، عذرِ شرعی نہیں ہوسکتا، البتہ اگر کوئی عورت اپنی گھریلو پریشانیوں اور معاشی کمزوریوں کے تحت کمانے اور ملازمت کرنے پر مجبور ہے تو اس کے لئے جواز کی گنجائش ہے۔

۴- حسن وجمال کو باقی رکھنے کے لئے منعِ حمل:

حسن وجمال کا باقی رکھنا اس وقت عذر بن سکتا ہے جب شوہر بداخلاق ہو، بیوی کی اچھی طرح خبر گیری نہ کرتا ہو اور حسن وجمال کی کمی کی وجہ سے اس کی بداخلاقی اور بے مروتی وبے التفاتی میں مزید کمی کا اندیشہ ہو، یہ ایسے ہی ہے جیسے عورت کی بداخلاقی ونافرمانی بڑھ جانے کی صورت میں مرد کو عزل کی اجازت دی گئی ہے، جیسا کہ اس حوالہ

---

(۱) ابوداؤد: باب من تزوّج الولود: حدیث: ۲۰۵۰، حاکم اور علامہ ذھبی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے: المستدرك: كتاب النكاح، حدیث: ۲۶۸۵

سے گذر چکا، اگر شوہر کے بارے میں اس قسم کا اندیشہ نہ ہو تو محض حسن و جمال کی حفاظت عذرِ شرعی نہیں بن سکتا۔

۵-آزادانہ زندگی گذارنے کے لئے منعِ حمل:

بہت سے لوگ اس خیال سے کہ اتنی جلدی ابھی سے بچوں کا بار کیوں اٹھائے، چند سال آزادی کی زندگی گذاری جائے، اس خیال سے وہ منعِ حمل کی تدابیر اختیار کرتے ہیں، بظاہر یہ ایسی غرض نہیں جو شریعت کے خلاف ہو، قواعد کی رو سے گرچہ اس کی اجازت معلوم ہوتی ہے؛ لیکن چونکہ اس میں اولاد سے اعراض کا پہلو پایا جاتا ہے؛ اس لئے یہ قباحت سے خالی نہیں۔

۶-عورت کے امراض دماغی یا جسمانی کی وجہ سے منعِ حمل:

اگر عورت دماغی امراض یا جسمانی معذریوں کی وجہ سے بچے کی نگہداشت کی صلاحیت نہیں رکھتی تو بھی منعِ حمل کی تدابیر جائز نہیں؛ کیونکہ بچہ کی نگہداشت کا انتظام کرنا باپ کے ذمہ ہوگا، یوں بھی خاندان کا جذبہ اس قسم کے بچے کے لئے ہمدردی کا ہوتا ہے، وہ خود پرورش و پرداخت کا انتظام کرنے کے لئے آگے آتے ہیں؛ لہذا اس صورت میں بھی عدمِ جواز ہی ہے، جب دماغی یا جسمانی معذوریوں کی وجہ سے شوہر بھی پیدا ہونے والے بچہ کی پرورش و پرداخت کا انتظام نہ کرسکتا ہو۔

۷-لڑکی کے پیدا ہونے کے خوف یا بچے کی پرورش کی ذمہ داریوں سے دلچسپی نہ ہونے پر منعِ حمل:

اس نیت سے بھی منعِ حمل کی تدابیر اختیار کرنا جائز نہیں کہ کہیں لڑکی پیدا نہ ہوجائے یہ تو جاہلانہ تصور ہے، جس کی منظر کشی اللہ عزوجل نے یوں فرمائی ہے۔

﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ﴾ (النحل:۵۸)

''جب ان کو لڑکی کی خوش خبری سنائی جاتی ہے تو ان کا چہرہ کالا ہوجاتا ہے اور وہ غصہ سے بھر جاتے ہیں''۔

یا عورت اس وجہ سے منعِ حمل تدابیر کو اختیار کرنا چاہتی ہے کہ بچہ کی دیکھ بھال کرنی پڑے گی، اس کے پیشاب، پائخانہ میں آلودہ ہونا پڑے گا، یا دردِ زہ اور نفاس کی مشقتیں جھیلنی ہوں گی، یا بچوں کو دودھ پلانا پڑے گا، تب بھی منعِ حمل کی تدابیر کی اجازت نہیں؛ کیونکہ ہر عورت کو یہ مشقتیں جھیلنی پڑتی ہیں، اگر ہر عورت یہ تصور کر بیٹھے اور اپنے اس فریضۂ زندگی سے بھی جی چرائے تو کارخانۂ دنیا ہی نہ چل سکے۔

اسقاطِ حمل:

اسقاطِ حمل جب بھی ہوگا دو مرحلوں میں سے کسی ایک مرحلہ میں ہوگا یا تو اس میں نفخِ روح (جان) پڑ چکی ہوگی یا نہیں...... دونوں کے احکامات جداگانہ ہیں۔

حدیث کے مطابق استقرارِ حمل کے چار ماہ یعنی ۱۲۰/دن کے بعد روح پیدا ہوتی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کی تخلیق کو رحمِ مادر میں چالیس دن جمع کیا جاتا ہے، پھر اس میں ''علقہ'' بنتا ہے، پھر اسی کے مثل میں ''مضغہ'' بنتا ہے، اسی کے مثل میں پھر اللہ تعالی فرشتے کو بھیجتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے۔(۱)

اس حدیث اور دیگر فقہاء کی تصریحات کے مطابق ۱۲۰/دن یعنی چار مہینے میں بچے میں جان پیدا ہوتی ہے۔(۲)

پھر جس عورت کے حمل کا اسقاط ہوگا اس کی بھی دو صورتیں ہیں، یا تو بغیر کسی عذر وضرورت کے ہوگا یا عذر کے سبب ہوگا، پھر عذر یا تو حرج ومشقت کے درجہ میں ہوگا یا ضرورت واضطرار کے درجے میں ہوگا، ہر ایک کے احکام جداگانہ ہیں۔

اسقاطِ حمل کی شرعی دلیل:

بظاہر عہدِ صحابہ میں اسقاطِ حمل کی صورت نہیں پائی جاتی تھی؛ لیکن فقہاءِ اسلام نے اس کا تذکرہ فرمایا ہے اور عزل کے حکم پر قیاس کرتے ہوئے اس کے احکام بیان فرمائے

---

(۱) مسلم : كتاب القدر : باب كيفية الخلق : حديث:۲۶۴۳

(۲) الفتاوى الهندية :۳۳۵/۱

ہیں، مقصد کے لحاظ سے اگر چہ عزل و اسقاطِ حمل دونوں متحد ہیں؛ لیکن سبب کے اعتبار سے دونوں مختلف ہیں، عزل میں اولاد سے اعراض سببِ بعید کے درجے میں ہے اور اسقاط میں اولاد سے اعراض سببِ قوی اور قریب کے درجے میں ہے۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:

"وینزع من حکم العزل حکم معالجة المرأة اسقاط النطفة قبل نفخ الروح ......ویمکن أن یفرّق بأنّه أشدّ لأنّ العزل لم یقع فیه تعاطی السبب ومعالجة السقط بعد تعاطی السبب" (فتح القدیر)

"عزل کے حکم سے عورت کے جنین میں جان پڑ جانے سے پہلے نطفہ کو گرا دینے کا حکم سمجھ میں آتا ہے......ان دونوں کے درمیان فرق یوں ہوتا ہے کہ نطفہ کو گرا دینے کا عمل یہ زیادہ شدید ہے؛ اس لئے کہ عزل اس میں سبب نہیں پایا جاتا اور نطفہ کا گرا دینا سبب کے وجود کے بعد ہے"۔

علّامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"فانّ الماء بعد ما وقع فی الرحم مآله الحیاة فیکون له حکم الحیاة کما فی بیضة صید الحرم" (۲)

"کیونکہ مادہ منویہ کے رحم میں جانے کے بعد اس کا مآل حیات اور زندگی ہے؛ لہٰذا وہ زندہ وجود کے حکم میں ہوگا جیسا کہ حرم کے شکار کے انڈے کا حکم ہے"۔

بغیر عذر کے اسقاطِ حمل:

بغیر کسی عذر کے نہ تو کوئی شدید بیماری ہو اور نہ شدید حرج و مشقت لاحق ہو تو بغیر کسی مجبوری کے خواہ مخواہ اسقاطِ حمل کرنا جائز نہیں، خواہ حمل میں جان پڑی ہو جیسے اس

(۱) رد المحتار: مطلب فی حکم العزل :۱۹۲/۲

وجہ سے اسقاطِ حمل کے والدین اولاد کی پیدائش کو نہیں چاہتے یا استقرار حمل کے بعد طبی جانچ کے نتیجے میں پتہ چلے کہ حمل لڑکی ہے، گرچہ ۱۲۰/دن سے پہلے ہی ہو؛ کیونکہ یہ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کے مترادف ہے ﴿وَاِذَا الْمَوْؤُدَةُ سُئِلَتْ ، بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ﴾ (تکویر :۸-۹) جب زندہ درگور کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کی وجہ سے قتل کی گئی۔

فتاوی شامی میں ہے:

"أنہ یکرہ فانّ الماء بعد ما وقع فی الرحم مآلہ الحیاۃ فیکون لہ حکم الحیاۃ کما فی بیضۃ صیدا لحرم" (۱)

"کیونکہ مادہ منویہ کے رحم میں جانے کے بعد اس کا مآل حیات اور زندگی ہے؛ لہذا وہ زندہ وجود کے حکم میں ہوگا جیسا کہ حرم کے شکار کے انڈے کا حکم ہے، یعنی محرم جس طرح اگر حرم کے انڈے کو توڑ دے تو زندہ شکار مارنے کا حکم ہوگا تو اسی طرح یہاں بھی حکم ہے"۔

حمل کو گرانے کی کوشش کرنا مکروہ ہے اور عذرِ شرعی کی وجہ سے یہ عمل جائز ہے۔

عذر کی وجہ سے نفخ روح سے پہلے اسقاطِ حمل:

عذر کی وجہ سے جان پڑ جانے سے پہلے اسقاط حمل جائز ہے، یہ اعذار دو طرح کے ہو سکتے ہیں، ایک وہ جن کا تعلق خود جنین سے ہو، مثلاً: اس خلقی نقص، یا جسمانی اعتبار سے عدمِ اعتدال یا خطرناک موروثی امراض کا وجود، ان اعذار کی بناء پر اسقاطِ حمل کی اجازت دی جاسکتی ہے، اس لئے کہ جب "استبانت الخلق" سے پہلے بعض شرائط کے ساتھ اس مقصد کے لئے بھی اسقاط کی اجازت دی جاسکتی ہے کہ زیرِ پرورش بچہ کی رضاعت متاثر نہ ہو جیسے: فتاوی عالمگیری میں ہے:

"امرأۃ مرضعۃ ظهرها حبل وانقطع لبنها وتخاف علی ولدها الهلاك ، لیس لأب هذا لولد سعۃ حتی استأجر

(۱) رد المحتار : مطلب فی حکم العزل :۱۹۲/۲

الظئر ، يباح لها أن تعالج في استنزال الدم ما دام نطفة أو مضغة أو علقة "(۱)

''دودھ پلانے والی عورت کو حمل ظاہر ہوا اور دودھ بند ہوگیا اور بچہ پر ہلاکت کا اندیشہ ہو اور بچہ کے باپ کے اندر اس کی استطاعت نہ ہو کہ دودھ پلانے والی عورت کو رکھ سکے، تو جب تک نطفہ، بستہ خون یا بستہ گوشت کی شکل میں ہے، اس کے لئے اسقاط کے لئے دوا کا استعمال مباح ہوگا''۔

جب زیر پرورش بچے کی رضاعت متاثر ہو اس کے لئے اسقاطِ حمل کی اجازت دی گئی ہے، یہاں تو براہِ راست خود پیدا ہونے والے بچہ کو پیدائش کے بعد جس ضررِ قوی کا اندیشہ ہے وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے رضاعت والے ضرر سے بڑھ کر ہے؛ اسلئے ان صورتوں میں تو بدرجۂ اولی اسقاطِ حمل جائز ہونا چاہئے، اور یہ اعذار شرعیہ کی وجہ سے اسقاطِ حمل کی اجازت نفخِ روح یعنی (جان پڑجانے) استقرار حمل کے ۱۲۰؍دن کے اندر ہے، اس کو (جان پڑجانے) کے بعد کی حالت پر قیاس نہیں کرنا چاہئے؛ اس لئے کہ کسی موجود شئی کو کسی فنا کردینا اور کسی غیر موجود چیز کو وجود میں آنے نہ دینا، ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

دوسرے قسم کے اعذار وہ ہیں جن کا تعلق ''ماں'' سے ہو مثلا: ماں کی جان کو خطرہ ہو، دماغی توازن کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہو، جسمانی یا دماغی طور پر معذور ہونے کی وجہ سے بچہ کی پرورش کونے کی اہل نہ ہو اور دوسرے رشتہ دار بھی نہ ہوں، جن سے توقع ہو کہ وہ بچہ کی پرورش کریں گے، زنا بالجبر سے حاملہ ہوگئی ہو، ان تمام صورتوں میں نفخِ روح (جان پڑجانے) سے پہلے اسقاطِ حمل جائز ہوگا۔

اس کی مثال فقہاء کی وہ عبارت ہے جو فتاوی عالمگیری میں ہے:

"واذا اعترض الولد بطن الحامل ولم يجدوا سبيلاً

(۱) الفتاویٰ الهندية : باب في الختان :۲۵۶/۵،دار الفكر ،بيروت

لاستخراج الولد الّا بقطع الولد ارباً ارباً ولو لو يفعلوا يخاف على الأمّ قالوا : ان كان الولد ميتاً فى البطن فلا بأس به وان كان حياً لم نر جواز قطع الولد اربا اربا " (۱)

اس مذکورہ فقہاء کی تصریح کے مطابق جب جان پڑ جانے کے بعد جنین مر جائے تو ماں کی جان کو ہلاکت سے بچانے کے لئے اس جنین کو کاٹ کاٹ کر نکالنے کی اجازت ہے تو جان پڑ جانے سے قبل اس عظیم مقصد کے لئے بدرجہ اولی ہے۔

اس سلسلہ میں لجنۃ الدائمہ کا فتوی ہے:

۱- حمل کا اس کے مختلف مراحل میں سوائے بلا کسی شرعی دلیل کے ساقط کرنا جائز نہیں۔

۲- اگر حمل اپنے پہلے مرحلے میں ہو یعنی چالیس دن کی مدت میں اور اس کے ساقط کرنے میں کوئی شرعی مصلحت یا کسی نقصان کا دور کرنا ہو تو اس کا اسقاط جائز ہے۔ اس مدت میں حمل کا اسقاط اولاد کی تربیت کے خوف سے، یا ان کی معاش کے، تعلیم یا ان کے مستقبل یا موجودہ اولاد پر اکتفاء کی غرض اس کا ساقط کرنا جائز نہیں۔

۳- حمل کے علقہ اور مضغہ ہونے کی حالت میں ساقط کرنا جائز نہیں ؛ ہاں البتہ بھروسہ مند ڈاکٹر یہ بتلائے کہ اس کے باقی رکھنے میں ماں کو نقصان ہوسکتا ہے، تو ان خطرات کو ٹالنے کیلئے اسقاط جائز ہے۔

۴- چار مہینے کے مکمل ہونے کے بعد اس کا اسقاط اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ اطباء کی ایک بھروسہ مند جماعت یہ نہ کہہ دے کہ بچہ کا ماں کے پیٹ میں رہنا ماں کے لئے نقصان دہ ہوگا۔ تو بڑے نقصان سے بچنے کے لئے حمل کا اسقاط جائز ہے۔ (۲)

---

(۱) الفتاوى الهندية : فيما يسع من جراحاتٍ :۳۶۰/۵،دار الفكر ، بيروت

(۲) قرار هيئة كبار العلماء رقم :۱۴۰،تاریخ ۱۴۰۷/۶/۲۰ھ

ناقص الخلقت حمل کو ساقط کرنا

حمل کو ساقط کرنا اگر کوئی واقعۃً عذر شرعی ہو تو جائز ہے جب کہ ماہرین اور فن کے مختصین یہ بتلائیں کہ پیٹ میں بچہ ایسے نقص اور کمی سے دوچار ہے کہ گمانِ غالب کے اعتبار سے وہ موت سے دوچار ہو جائے گا گرچہ ولادت کی تھوڑی مدت کے بعد ہی صحیح۔ لیکن المجمع الفقہی رابطہ عالم اسلامی نے اس کی لئے کچھ شرائط ملحوظ رکھنے کو کہا ہے۔

نقص اور کمی کے ساتھ پرورش پانے والا جنین فن کے ماہر ڈاکٹروں کے بعد وہ نہایت ہی نقص اور کمی سے دوچار ہے، اور وہ چار مہینے سے کم مدت میں ہو یعنی اس میں نفخ روح سے پہلے۔ زوجین کی رضامندی حاصل ہو، حاملہ کو زیادہ خطرہ درپیش نہ ہو جو جنین کے نقصان سے بڑھ جائے، دو عادل ماہر ڈاکٹر جنین کو ساقط کرنے کی رائے دیں۔(۱)

حرام طریقے سے پرورش پانے والے بچے کو ساقط کرنا:

جو بچہ زنا کی وجہ سے زانیہ کے پیٹ میں پرورش پا رہا ہے اگر وہ زانیہ کی رضامندی سے حمل قرار پایا ہے تو اس کے ساقط کرنے میں زنا کے مزید مواقع فراہم کرنا ہے، اس لئے اس کو ساقط نہیں کیا جا سکتا ہے، البتہ زنا بالجبر سے جو بچہ پرورش پا رہا ہے ۱۲۰ دن سے پہلے اس کو ساقط کیا جا سکتا ہے، چونکہ یہاں اس حاملہ کی رضا کو دخل نہیں تھا۔(۲)

حمل کو ساقط کرنے کے نتیجے میں پیش آنے والے احکام:

۱- اگر نفخ روح سے پہلے حمل ساقط کیا جائے تو امام مالکؒ اور شافعیؒ کے یہاں وہ عورت نفاس والی شمار ہوگی، احناف اور مالکیہ کے یہاں وہ نفاس والی شمار نہ ہوگی؛ کیوں کہ بچے کی پیدائش کے کچھ بھی آثار ظاہر نہیں ہوئے، اس لئے نفاس والی شمار نہ ہوگی، لہٰذا اس کے لئے غسل کرنا ضروری نہیں صرف وضو کافی ہوگا۔

۲- اسی طرح عدت کے ختم جو طلاق ولادت پر معلق تھا اس کے واقع ہونے کے بارے میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے، احناف، شوافع اور حنابلہ کے یہاں جنین کا اس حالت میں ساقط کرنا کہ اس کی صورت ہی نہ بنی ہو تو اس سے عدت ختم نہیں

(۱) الموسوعة الطبية :۴۵ (۲) الموسوعة الطبیه :۴۶

ہوتی اور طلاق بھی واقع نہیں ہوتی ، ہاں اگر اس جنین میں صورت بھی بن جائے تو احناف اور حنابلہ کے یہاں عدت ختم ہو جائے گی اور طلاق بھی واقع ہو جائے گی ، چونکہ اس کی ولادت سے رحم کی فراغت معلوم ہوگئی ،شوافع کے یہاں اس صورت میں عدت ختم نہ ہوگی چونکہ وہ اس کو ولادت شمار ہی نہیں کرتے ، مالکیہ کے نزدیک محض حمل کے اپنے مقام سے نکل جانے سے عدت ختم ہو جائے گی ۔

البتہ نفخ روح کے بعد جنین مردہ پیدا ہو تو اس پر زندہ کی طرح احکام کا اجراء نہیں ہوگا یعنی اس کے لئے وراثت وغیرہ جاری نہ ہوگی ، البتہ نفاس ،عدت اور طلاق کے احکام کا اس پر اجراء ہوگا۔(۱)

اس تعلق سے مفتی محمد سلمان منصور پوری صاحب فرماتے ہیں:

اگر کسی عورت کا بچہ گر گیا یا گرا دیا گیا تو چار ماہ یا اس سے زیادہ کے حمل کو ساقط کرنے پر جو خون آئے گا وہ نفاس سمجھا جائے گا اور اگر حمل چار ماہ سے کم ہو تو یہ خون مسلسل تین روز یا اس سے زیادہ دس دن کے اندر آنے کی صورت میں حیض شمار ہوگا ، بشرطیکہ اس سے پہلے کم از کم پندرہ دن پاکی کی حالت رہی ہو، ورنہ (یعنی تین دن برابر خون جاری نہ رہا اور اس سے پہلے کامل طہر ہو یا تین دن خون جار رہا؛ لیکن اس سے پہلے طہر کامل تھا یا تین دن سے کم خون آیا جب کہ اس سے پہلے کامل طہر نہیں رہا تو ان تینوں صورتوں میں خون) استحاضہ ہوگا۔

والمرئی حیض إن دام ثلاثا وتقدم طهر تام وإلا استحاضة (در مختار) أی إن لم یدم ثلاثا وتقدم طهر تام ، أو دام ثلاثا ولم یتقدم طهر تام، أو لم یدم ثلاثا ولا تقدم طهر تام(۲)وقال قبله فی التنویر:ظهر بعض خلقه کید أو رجل فیصیر به نفساء (۳)

---

(۱) الموسوعة الطبية : ۴۷-۴۸ (۲) شامی بیروت:۱/۴۳۵

(۳) تنویر الأبصار بیرت: ۱/۴۳۴،زکریا:۱/۵۰۰، کتاب الفقه علی المذاهب الأربعة ترکی :۱/۱۳۲، بحوالہ کتاب المسائل:۱/۳۱۶،مکتبۃ الحق ماڈرن ڈیری جوگیشوری، ممبئی

۳- اگر جنین اپنی ماں کے پیٹ سے زندہ نکلے اور اس سے رونے، یا کسی عضو کی حرکت وغیرہ کے ذریعے اس کی زندگی معلوم ہو تو پھر مر جائے تو اس کو غسل دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ جو بچہ چار مہینے سے کم اور اس کی خلقت مکمل نہ ہو تو اس کو غسل نہیں دیں گے؛ بلکہ اس کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیں گے۔(۱)

(۱) الموسوعة الطبية الفقهية، مادہ جنین: ۳۱۲

عورتوں کا مردوں کا علاج کرنا:

اصل تو ستر والے اعضاء کو دیکھنا، چھونا، اور شرمگاہ کا کھولنا حرام ہے۔

شرعی نصوص سے ستر عورت کو چھپائے رکھنے، اور شرمگاہوں کی حفاظت، اور اس کے اجنبیوں کے سامنے اظہار کی ممانعت معلوم ہوتی ہے، نیز یہ کہ کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت نہ کرے۔، اس لئے کہ ان کا تیسرا شیطان ہوتا ہے۔؛ مگر اس سلسلہ میں چند احادیث ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ عورتوں نے مردوں کا علاج کیا ہے۔

۱- ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے پانی پلاتے تھے، زخمیوں کا علاج کرتے تھے، مردوں کو مدینہ منتقل کرتے تھے۔"کنا مع النبی ﷺ ونداوی الجرحیٰ ونرد القتلیٰ الی المدینة "(۱)

۲- ابوبکرہ بن ابی خثیمہ سے مروی ہے کہ ایک انصاری شخص کو "نملة" نامی بیماری ہوگئی، ان کو بتایا گیا کہ شفاء بنت عبداللہ اس کا جھاڑ پھونک کرتی ہے، تو وہ ان کے پاس آئے ان سے جھاڑ پھونک کرنے کو کہا: تو انہوں نے کہا: " ما رقیت منذ أسلمت" (میں نے اسلام لانے کے بعد سے جھاڑ پھونک نہیں کیا) وہ انصاری رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے، اور آپ ﷺ کو ان کی بات سے باخبر کیا،

(۱) بخاری: باب مداواة النساء الجرحی فی الغزو، حدیث:۲۷۲۶

ان کو حضور ﷺ نے بلایا، انہوں نے اس کو آپ ﷺ پر پیش کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ان پر جھاڑ پھونک کرو اور اس کو حفصہ کو سکھاؤ جیسا کہ تم نے ان کو کتاب سکھایا۔(۱)

مرد عورت کا علاج کرے:

اس سلسلہ میں بھی چند روایتیں ہیں جو اس کے جواز پر دلالت کرتی ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے پچھنا لگانے کی اجازت چاہی، تو آپ ﷺ نے ان کو اجازت دی، اور ابوطیبہ نے اُن کو پچھنا لگایا۔"فأمر أباطيبة أن يحجمها "(۲)

امام ذہبیؒ نے کتاب الطب النبوی میں کہا ہے:

"ونصَّ احمد أن الطبيب يجوز لهٗ أن ينظر الى المرأة الأجنبية الى ماتدعو اليه الحاجة وكذلك المرأة يجوز لها أن تخدم الرجل، وتشاهد منهٗ فى حال المرض اذا لم يوجد رجل أو محرم"(۳)

"اور امام احمدؒ نے یہ صراحت کی ہے کہ طبیب کے لئے جائز ہے کہ وہ اجنبی عورت کو بقدرِ ضرورت دیکھے اور اسی طرح عورت کے لے جائز ہے کہ وہ مرد کی خدمت کرے مرض کی حالت میں جب کہ کوئی مرد یا محرم عورت نہ ہو"۔

بعض اصولیین نے علاج کے لئے کشف عورت کو استحساناً جائز کہا ہے۔(۴)

---

(۱) مستدرك حاكم ذكر شفاء بنت عبدالله حدیث۶۸۸۸ اس کو حاکم نے شیخین کی شرط کے مطابق صحیح کہا ہے، اور علامہ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

(۲) مسلم :باب لكل داء دواء، واستجناب التداوى ،حدیث:۲۲۰۶

(۳) الطب النبوى :۱۱۲ بحوالہ مجمع الفقه الاسلامى: مداواة الرجل للمرأة، والمرأة الرجل : ۱۶۸۲۱/۲

(۴) نزهة المشتاق شرح اللمع لأبى اسحاق محمد يحى امان:۷۶

فقہاء نے بھی اس کی اجازت دی ہے کہ مرد آدمی عورت کا علاج کرسکتا ہے، ضرورت کے وقت اسے دیکھ اور چھوسکتا ہے اگر ضرورت پڑے تو عورت مغلظة کو بھی دیکھ سکتا ہے اور چھوسکتا ہے۔

البتہ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کے علاج کرنے کے لئے کوئی عورت نہ ملے، نیز عورت کے ٹسٹ کے وقت عورت کے محرم یا کوئی دوسری عورتیں وہاں موجود ہوں۔

قاضی زادہ حنفی کہتے ہیں:

”ویجوز للطبیب أن ینظر الی موضع المرض منها للضرورة، ینبغی أن یعلم المرأة مداوتها، لأن نظر الجنس الی الجنس أسهل، فان لم یقدر یستر کل عضوٍ منها سوی موضع المرض ثم ینظر ویغض بصرهٗ ما استطاع لأن ما ثبت بالضرورة یقدر بقدرها“(۱)

”اور طبیب کے لئے یہ جائز ہے کہ ضرورت کے وقت مرض کی جگہ کو دیکھے، اور چاہئے کہ عورت کے علاج کو عورت ہی سیکھے، چونکہ جنس کا جنس کو دیکھنا آسان ہوتا ہے، اگر وہ اس پر قادر نہ ہو تو عورت کے تمام اعضاء کو ڈھانکے سوائے مرض کی جگہ کے، پھر دیکھے اور جس قدر ہوسکے اپنی نگاہوں کو نیچی کرلے، چونکہ جو چیز ضرورتاً جائز ہوتی ہے بقدرِ ضرورت ہی جائز ہوتی ہے“۔

اگر ولادت کے وقت ہسپتال میں مردوں کے ہونے کا علم ہو تو اس وقت اس عورت کا اس اسپتال میں داخلہ کیسا ہے؟

مرد ڈاکٹروں کا عورت کی ولادت کرنا صرف ضرورت کے وقت جائز ہے کہ عورت کی جان کو خطرہ ہو اور وہاں کوئی طبیبہ ایسی نہ ہو جو اس کام کو انجام دے سکے۔ چونکہ یہ ارشاد باری ہے:” إِلّا ماضُطُرِرْتُم إِلَیْهِ“(۲)

(۱) نتائج الأفکار قاضی زاده ۱۹۹/۸ (۲) من فتاوی اللجنة الدائمة : الفتوی رقم:۷۰۰۰

درجات کی تعیین:

مجمع الفقہ الاسلامی کی قرارداد:

۱- اگر اس فن کی ماہر طبیبہ موجود ہو تو وہی مریضہ کی ستر عورت کھولے، اور اگر وہ نہ ہو تو ثقہ غیر مسلمہ طبیبہ اس ذمہ داری کو انجام دے، اور اگر وہ بھی نہ ہو تو مسلمان طبیب اس خدمت کو انجام دے، اور اگر مسلم ڈاکٹر بھی نہ ہو تو کافر ڈاکٹر اس عمل کو انجام دے سکتا ہے۔

اللجنة الدائمه للبحوث العلمية والافتاء نے بھی یہی ترتیب عورت کے علاج کے تعلق سے بتائی ہے۔(۱)

لیکن عورت کی تشخیص اور اس کے علاج ومعالجہ کے دوران بقدر ضرورت ہی اس کے جسم کو دیکھے ضرورت سے زیادہ نہ دیکھے، اور جس قدر ہو سکے نگاہیں نیچی رکھے۔

اور عورت کا علاج کسی محرم یا شوہر یا کسی ثقہ بھروسہ مند عورت کی موجودگی میں کرے؛ اس لئے کہ خلوت میں اندیشہ ہوتا ہے۔

۲- اکیڈمی تمام صحت سے متعلق ذمہ داروں کو یہ وصیت اور تاکید کرتا ہے کہ وہ اپنی تمام کوشش عورتوں کو شعبہ طب کے امراض نسوان سے متعلق چیزوں کو سیکھنے پر ابھاریں۔(۲)

طبیب کے لئے اگر علاج کرنے میں نامحرم کے کسی حصہ بدن کو دیکھنا ضروری ہو تو صرف اس حصہ کو دیکھ سکتا ہے، اگر دیکھنے میں شہوت ہو تو بتکلف دفع کرے۔

خلاصہ کلام:

حاملہ کی ولادت کے وقت صرف اس عورت کو ستر دیکھنا جائز ہے جو علاج کی ذمہ دار ہو اور صرف اسی حصہ کو دیکھ سکتی ہے جس کے بغیر دیکھے ہوئے علاج نہ کر سکتی ہو؛ اس لئے حاملہ کوئی کپڑا پہن لے جس کو بقدر ضرورت پھاڑ کر دوا وتدبیر کرے ضرورت سے

---

(۱) من فتاوی اللجنة الدائمة س(۳) فتوی(۴۳۲۶)، فتاوی الطب والمرضی

(۲) قرارداد نمبر ۱۲/۶۸ کانفرس ۱تا۷ محرم الحرام ۱۴۱۴ھ الموافق ۲۱ تا ۲۷ جون ۱۹۹۳ء

زیادہ حصہ کھولنا جائز نہیں ہے۔

اگر مذکورہ بالا صورت میں عورت و مرد دونوں معالج مل سکتے ہوں تو عورت کا معالج بنانا واجب ہے، مرد سے علاج جائز نہیں۔

اگر مسلمہ وغیر مسلمہ دونوں سے علاج ممکن ہو تو مسلمہ سے واجب ہے۔

اگر مسلمہ مریضہ ہو اور کوئی مسلمہ معالجہ نہ ہو اور غیر مسلم مرد و غیر مسلم عورت اور مسلم مردان تینوں قسم کے معالج موجود ہوں تو غیر مسلمہ عورت سے علاج کرنا واجب ہے۔

مسلمہ عورت کو غیر مسلمہ عورت کے سامنے ہاتھ گٹے تک اور صرف چہرہ اور دونوں پیر ٹخنوں تک کھولنا جائز ہے، اس کے علاوہ کوئی عضو کھولنا جائز نہیں ہے نہ سر نہ پنڈلی نہ کلائی نہ پیٹ نہ سر کے بال غرض کسی عضو کا کھولنا جائز نہیں ہے، عموماً شریف گھرانے میں بھی غیر مسلم عورتوں سے احتیاط کا اہتمام نہیں ہے؛ حالانکہ اس کا اہتمام واجب ہے۔(۱)

عورت کا طب سیکھنا:

اس سلسلہ میں اللجنۃ الدائمہ کا فتوی ملاحظہ ہو۔

علم طب کا سیکھنا مسلمانوں کے لئے خواہ مرد ہو یا عورت فرض کفایہ ہے، چونکہ مرد وعورت کے علاج ومعالجہ کے سلسلے میں اس کی ضرورت ہوتی ہے، عورتوں کا چست لباس اور ننگے پن کیساتھ نکلنا؛ بلکہ بے محابا بے پردہ نکلنا حرام، اگر تمہاری بیٹی اس کا خیال رکھتی ہے کہ وہ اسلامی لباس زیب تن کرتی ہے جس سے اس کا بدن ڈھنک جاتا ہے، اس لباس کی وجہ اس کا بدن نہیں چھلکتا اور نہ اس کے اعضاء کی وضع وقطع اور ساخت ظاہر ہوتی ہے تو اس کے بچوں اور عورتوں سے متعلق طب سیکھنے کے لئے جانے میں کوئی حرج نہیں، چونکہ امت مسلمہ کو مسلم طبیبات کی سخت حاجت اور ضرورت ہے کہ عورت کو مرد کے سامنے کشف عورت نہ کرنا پڑے، اگر اس تعلیم کے حصول میں اس کی نیت بھی درست ہے تو اس کو اجر عظیم ملے گا۔(۲)

لیکن بالعموم میڈیکل کالجوں میں نامحرموں سے بے محابا اختلاط، آئے دن پیش

---

(۱) احکام المعذورین :۵۸ (۲) من فتاوی اللجنة الدائمه :س:۱،فتوی رقم:۶۳-۴۳

آنے والے بے حیائی کے واقعات، خود پڑھنے پڑھانے والوں سے ملی معلومات کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ بحالتِ موجود مروجہ کا لجس میں لڑکیوں کا داخلہ کروانا (جب کہ ہماری لڑکیوں کو دینی تربیت بھی نہیں ہے) کسی بے غیرت کا کام ہو سکتا ہے، زندہ ضمیر مسلمان کا نہیں، لادینی جراثیم سے ہمہ جہتی تطہیر کے بغیر داخلہ ہرگز نہ دلایا جائے۔

اور ایک سوال کے جواب میں مرد کے عورت اور عورت کے مرد کے علاج کا جواب دیتے ہوئے عبداللہ بن باز فرماتے ہیں:

''تمام اسپتال والوں کے لئے ضروری ہے کہ مردوں اور عورتوں کیلئے ڈاکٹر علاحدہ ہو، عورتیں عورتوں کا علاج کریں اور مرد مردوں کا ہاں البتہ سخت ضرورت کے درپیش ہونے کی صورت میں کسی مرد میں کوئی ایسا مرض ہو جس کا علاج کرنے والا مرد ڈاکٹر نہ ہو، بلکہ مردوں کا علاج ومعالجہ علاحدہ ہو اور عورتوں کا علاج ومعالجہ علاحدہ ہو؛ تاکہ تمام کے تمام اختلاط اور میل جول کے ضرر اور نقصان سے بچے رہیں (من فتاوی سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ، فتاوی الطب والمرضی) ایسا ہی تیماردار بھی ڈاکٹروں کی طرح علاحدہ علاحدہ ہونا چاہئے''(۱)

شامی میں ہے:

”وقال الجوهرة اذا كان المرض فى سائر بدنها غير الفرج يجوز النظر اليه عند الدواء لأنه موضع الضرورة، وان كان موضع الفرج فينبغى أن يعلم امرأة تداويها، فان لم توجد تلك الفرجة، ثم يداويها الرجل ويغض بصرهٗ ما استطاع الا من ذلك الموضع ولا فرق فى هذا بين ذوات المحارم وغير هن لأن النظر الى العورة لا يحل بسبب المحرمية كذافى فتاوى قاضى خان “(۲)

(۱) من فتاوى سماحة الشيخ عبد العزيز بن عبد الله بن باز رحمه الله ، فتاوى الطب والمرضى

(۲) ج ۵/ ۳۳۰، بحوالہ جدید مسائل کا حل ص ۴۹۱

اس بارے میں ہندیہ اور درمختار کی بھی عبارتیں ہیں۔

خواتین کے لئے پیشہ طب کے شرعی حدود:

(۱) ملازمت کرنے کی وجہ سے خانگی امور میں لاپرواہی اور تساہل اور شوہر کے حقوق ضائع نہ ہوں؛ کیوں کہ خواتین کی پہلی اور سب سے اہم ذمہ داری بچوں کی تعلیم وتربیت اور امورخانہ داری اور خانگی مسائل میں شوہر کے شریک وسہیم بننا ہے، ملازمت ثانوی درجے میں ہے: " والمرأة راعية علي أهل بيت زوجها وولده وهي مسئولة عنها"(۱)

(۲) شرعی پردہ کا اہتمام خوب سے خوب تر ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:
وقل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن ويحفظن فروجهن ولا يبدين زينتهن إلا ما ظهر منها"(النور :۳۱)
اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں کھلا رہتا ہے۔

(۳) لباس سادہ اور جسم کے لئے ساتر ہو، بھڑک اور جاذب نظر، پرکشش اور نیم عریاں قسم کا نہ اور ایسا لباس بھی نہ ہو جس سے جسم کا کوئی حصہ نمایاں ہوتا ہو، کیوں کہ حدیث میں عورتوں کے لئے ایسے لباس پہننے کی ممانعت آئی ہے۔
بعض عورتیں کپڑا پہننے والی والی ہیں، مگر وہ برہنہ ہیں، دوسروں کو مائل کرنے والی ہیں اور خود مائل ہونے والی ہیں، ایسی عورتیں ہرگز جنت میں نہیں جائیں گی اور نہ اس کی خوشبو پائیں گے، حالانکہ اس کی خوشبو اتنی اتنی دور سے آتی ہے۔(۲)

(۴) بناؤ سنگھار اور عطر وغیرہ کے استعمال کے ساتھ نہ نکلے، اس کی ممانعت قرآن وحدیث میں آئی ہے:﴿ ولا تبرجن تبرج الجاهلية الأولى﴾ (الأحزاب: ۳۳) اور دکھلاتی نہ پھرو جیسا کہ دکھلانا دستور تھا پہلے جہالت کے وقت ﴿ولا

(۱) بخاری: حدیث: ۱۷۳۸
(۲) مسلم: حدیث: ۲۱۲۸

﴿ولا یضربن بأرجلهن لیعلم ما یخفین من زینتهن﴾ (النور :۳۱)
اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے۔

(۵) راستہ پر امن ہو یعنی آمد و رفت کے دوران کسی شر اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

(۶) ایسے ہسپتال میں کام کریں جہاں خواتین ہی خواتین ہوں تو دیکھا جائے کہ دیگر خواتین مسلمان ہیں یا غیر مسلم، اگر غیر مسلم ہیں تو وہ مسلم خواتین کے حق میں اجنبی مرد کی طرح ہیں؛ لہٰذا ان سے پردہ کرنا ہوگا اور ان کے سامنے دوپٹہ اور برقع نہ اتاریں۔(۱)

(۷) یہ بغرض ملازمت باہر نکلنا شوہر یا ولی کی اجازت سے ہو، اس لئے شوہر کو حق حبس حاصل ہے: چونکہ حدیث میں ہے:

" أیما امرأة خرجت من بیت زوجها بغیر إذن زوجها کانت فی سخط الله حتی ترجع إلی بیتها أو یرضی عنها زوجها" (۲)

جو عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر باہر نکلے تو وہ اللہ کے قہر میں ہے، یہاں تک کہ وہ گھر لوٹ آئے یا شوہر اس سے راضی ہو جائے۔

ایکسرے (X- Ray) کے احکام:

ضرورت کے وقت علاج کی غرض سے اکسرے لئے جا سکتے ہیں، ان کے منفی اثرات کی وجہ سے صرف ضرورت پر ہی اکتفا کیا جائے۔البتہ اکسرے کے دوران پردے وغیرہ سے متعلق احکام کا خیال رہے۔

۱- **دوران اکسرے پردہ کا لحاظ کیا جائے**، صرف جتنی ضرورت ہو تو اس کا ہی اکسرا لیا جائے اور پردے کی پوری رعایت ہو خصوصا عورت مغلظہ وغیرہ کے اکسرے کے وقت خصوصا احتیاطی پہلوؤں کو اپنانا ضروری ہے۔

۲- **خلوت کے احکام کی رعایت**: ایکسرے کے دوران خلوت کے احکام کی رعایت

---

(۱) رد المحتار: ۶/۳۷۱، دار الفکر، بیروت
(۲) کنز العمال، حدیث: ۴۵۰۰۶

نہایت ضروری ہے، خصوصا شعاعی ایکسرے (radiography) جس میں مریض کے ساتھ دیگر لوگوں کا اس کے مضر اثرات کی وجہ سے آنا ممنوع ہوتا ہے، اس لئے اس ایکسرے کو عورتوں کے عورتیں اور مردوں کے مرد انجام دیں، اگر کبھی عورت کے ایکسرے مرد لے تو وہاں عورت کے محرم موجود ہو یا کوئی نرس وغیرہ وہاں موجود ہو، اسی طرح مرد کا ایکسرا عورتیں لیں تو وہاں بھی اس کی رعایت ہو خلوت محرمہ نہ ہونے پائے۔

۳- اگر ایکسرے میں غلطی کی وجہ سے مریض کو نقصان ہو جائے تو اس کا ذمہ دار ڈاکٹر نہیں ایکسرے لینے والا شخص ہوگا۔(۱)

(۱) الموسوعة الطبية الفقهية :۲۰۴۔۲۰۵۔۲۰۶

اس زمانے میں عموماً کافر ڈاکٹر مسلمان کا علاج کرتے ہیں، یہ کافر ڈاکٹر خواہ یہودی ہوں یا نصرانی یا دوسری ملتوں سے تعلق رکھتے ہوں۔

جب معاملہ اس طرح ہے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کافر ڈاکٹروں کا مسلمانوں کا علاج خصوصاً آپریشن کرنا جو پُرخطر مراحل پر مشتمل ہوتا ہے جس میں مریض کو نقصان پہنچانا آسان ہوتا ہے جائز یا ناجائز؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مسلمان کو کافر کے پاس علاج ومعالجہ کی ضرورت درپیش ہو تو وہ اپنا علاج اسکے پاس کروا سکتا ہے، ہاں البتہ شرط یہ ہے کہ وہ کافر خیر خواہ اور معاملات میں امانت دار ہو۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ

"أنّ النبيّ وابابكر استأجرا رجلاً من بني الدّيل هادياً خرّيتاً وهو على دين كفار قريش فدفعا اليه راحلتيهما ووعداه غار ثور بعد ثلاث ليال......" (۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بنی الدیل ایک شخص کو بطور راہ نما کے اجرت پر لیا اور وہ کفار کے دین پر تھا، ان دونوں نے اس کو اپنی سواریاں حوالہ کیں، اور اس سے تین دن کے بعد غارِ ثور میں ملاقات کا وعدہ کیا۔

---

(۱) بخاری : باب استئجار المشركين عند الضرورة ،حدیث:۲۱۴۴

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ کہتے ہیں کہ:

"واذا کان الیھودی أو النصرانی خبیراً بالطب ثقةً عند الانسان جاز لـه أ ن یسطبـه کما یجوز أن یؤدعـه المال، وأن یعامله وقد استأجر رسول الله ﷺ مشرکاً لمّا ھاجر وکان ھادیاً خرّیتاً ماھراً بالھدایة الی الطریق من مکة الی المدینة وأتمنه علی نفسه وماله۔

وقد رُوی أنّ الحارث بن کلدة وکان کافراً أمر ھم رسول الله ﷺ أن یستطبوه، واذا وجد طبیباً مسلما اولی، وأمّا لم یجد الّا کافرا فله ذلك، واذا خاطبه بالتی ھی أحسن کان حسناً"(۱)

"اگر یہودی یا نصرانی طب سے واقف ہو، لوگوں کو اس پر اعتماد ہو تو اس کے لئے اس سے علاج کرانا جائز ہے جس طرح یہ جائز ہے کہ اس کے پاس مال بطورِ ودیعت کے رکھے، اور اس کے ساتھ معاملہ کرے، حضور ﷺ نے ایک مشرک کو جس وقت آپ ا نے مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت کیا تھا تو اس کو بطورِ راہنما کے لیا تھا اور اس کو اپنی جان اور مال کے سلسلے میں امین بنایا تھا۔

اور یہ بھی روایت ہے کہ حارث بن کلدہ یہ شخص کافر تھا، اس کو حضور ﷺ نے طب اور علاج کی اجازت دی تھی، اگر مسلمان طبیب ملتا ہے تو بہتر ہے، اور اگر صرف کافر طبیب ہی ملے تو اس سے علاج کیا جا سکتا ہے"۔

یہاں امام ابن تیمیہؒ نے کافر ڈاکٹر سے علاج کرنے کو جائز کہا ہے؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ مسلم ڈاکٹر سے علاج کرایا جائے، چونکہ یہاں نقصان پہنچانے کا اندیشہ نہیں ہوتا، اور اس میں کافر کے مقابلہ میں نفع زیادہ ہوتا ہے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی

(۱) مختصر الفتاویٰ المصریة للبعلی :۵۱۶، دارابن قیم۔الدمام۔السعودیة، الطبعة الثانیة، ۱۴۰۶۔۱۹۸۶

ہے کہ میں سخت بیمار ہوگیا، میرے پاس رسول اللہ ﷺ میری عیادت کے غرض سے تشریف لائے، آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھا، تو مجھے اس کی ٹھنڈک میرے دل میں محسوس ہوئی، اور فرمایا: تم کو بخار ہوگیا ہے، تم حارث بن کلدہ کے پاس جاؤ، وہ شخص علاج اور دوا کرتا ہے: "فأت الحارث بن كلدة أخا ثقيف فانه رجل يتطبب" (۱)

ابن حجرؒ نے حارث بن کلدہ کے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے علاج کے قصہ سے کافر کے یہاں دوا اور علاج کا جواز نقل کیا ہے جب کہ وہ طب کو جانتا ہو اور وہ بھروسہ مند ہو۔(۲)

خلاصۂ کلام:

خلاصۂ یہ ہے کہ مذاہبِ اربعہ میں (۳) مسلمان طبیب کے نہ ہونے کی صورت میں یا کافر کے زیادہ ماہر ہونے کی صورت میں اسے علاج ومعالجہ کرنا درست ہوگا، البتہ یہ بات ملحوظ رہے کہ وہ دوائی کے طور پر حرام اشیاء: شراب، خنزیر، مینڈک اور نجاست وغیرہ تجویز نہ کرے، ساتھ ہی ساتھ کافر کا ثقہ اور بااعتماد ہونا بھی ضروری ہے۔

عبدالفتاح محمد ادریس اپنے مجمع الفقہ الاسلامی کے آٹھویں اجلاس میں جو ۱/تا۷/محرم ۱۴۱۴ھ ۲۷/جون ۱۹۹۳ء کو برونائی میں منعقد ہوا تھا فرماتے ہیں:

"جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ غیر مسلم سے ضرورت کے وقت دوا اور علاج جائز ہے اور جب ضرورت نہ ہو تو کچھ لوگ تو اس سے علاج کو

---

(۱) ابوداؤد: باب فی تمرة العجوة، حدیث: ۳۸۷۵، مجمع الزوائد: باب فی عرق النساء، حدیث: ۸۳۰۰، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں یونس بن حجاج ثقفی ہیں، جن کو میں نہیں جانتا، اور اس کے بقیہ رجال ثقہ ہیں۔

(۲) الاصابة: ۱/۲۸۹

(۳) المدخل لابن الحاج: ۴/۱۰۷، مغنی المحتاج للخطیب الشربینی: ۳/۱۳۳، حاشیة ابن عابدین: ۲/۱۱۶، مداواة الرجل المرأة ومداواة الكافر المسلم: ۴۲، لمحمد علی البار، دار المنارة للنشر والتوزيع

حرام کہتے ہیں اور کچھ لوگ اس کو ناپسند کرتے ہیں، ان کے حرام اور مکروہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ: یہ مسلمانوں کے لئے تجویز کردہ ادویہ میں کوئی ایسی چیز شامل کرسکتے ہیں جو ان کے لئے نقصان دہ ہو، یا ان کے لئے ایسی دوا تجویز کرسکتے ہیں جو ایسے مفردات اور اشیاء کو شامل ہوتی ہیں جس کو شارع نے حرام کہا ہے"۔(۱)

کافر ڈاکٹر کے تجویز کردہ دواؤں کے احکام

ان تمام چیزوں سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان کا کافر سے علاج کرنا جائز ہے؛ لیکن اس کے پاس علاج کرنے کی صورت میں اس کی تجویز کردہ حرام دوا کو قبول نہ کرے۔

اسی طرح رمضان میں روزہ توڑنے، اور دیگر عبادات کے سلسلے میں اس کی بات نہ مانے، بلکہ اس بارے میں عادل مسلمان ڈاکٹر سے رجوع کرے، چونکہ اس جیسی چیزوں میں کافروں کی گواہی معتبر نہیں ہوتی۔

علامہ ابن قیمؒ بدائع الفوائد میں فرماتے ہیں کہ:

"فی استئجار النبی عبد االله بن أریقط هادیا فی وقت الهجرة وهو كافر علی جواز الرجوع الی الكافر فی الطب والأدوية والحساب والعيوب ونحوها ، ما لم يكن ولاية تتضمّن عدالة ، ولا يلزم من كونه كافراً ألّا يوثق به فی شيء أصلاً ، فانّه لا شيئی أخطر من الدلالة فی الطريق ولا سيّما فی مثل طريق الهجرة "(۲)

"حضور ﷺ کا ہجرت کے موقع سے بطورِ راہنما اور رہبر کے عبداللہ بن اریقط کو اجرت پر لینا حالانکہ وہ کافر تھا اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کافر سے طب، علاج، ادویہ اور عیوب وغیرہ سے متعلق رجوع کیا جاسکتا ہے،

(۱) مداواة الرجل المرأة ومداواة الكافر المسلم لمحمد علی البار

(۲) بدائع الفوائد لابن قيم :الفائدة : ۲۰۸/۳، دار الكتاب العربي، بيروت، لبنان

جب کہ یہ امور ان چیزوں سے متعلق نہ ہو جس میں عدالت شرط ہوتی ہے، اس کے صرف کافر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی بھی چیز کے سلسلے میں اس پر بالکلیہ اعتماد نہ کیا جائے چونکہ ہجرت کے راہ کی دلالت اور رہنمائی سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہوتی''۔

بہرحال علامہ ابن قیمؒ اور علامہ ابنِ تیمیہؒ کی رائے میں مسلمان ڈاکٹر کی عدم موجودگی میں باوثوق، بھروسہ مند، قابلِ اعتماد کافر ڈاکٹر سے بھی علاج کیا جاسکتا ہے، جس طرح مسلمان کے پاس امانت رکھنا، اس سے معاملہ کرنا بہتر ہے اسی طرح یہاں پر بھی اس سلسلے میں کافر کے مقابل مسلمان سے علاج کرنا بہتر ہوگا۔

امام موفق الدین عبداللطیف البغدادیؒ فرماتے ہیں:

"قال احمدؒ : يجوز الرجوع الى الطبيب من أهل الذمّة فى الدواء والمباح ، ولا يسمع قوله اذا وصف دواءً محرماً كالخمر ونحوه ، وكذالك لا يسمع قوله فى الفطرة والصلاة والصوم ونحو ذلك ، ولا يقبل مثل هذا الاّ من مسلمين عدلين من أهل الطب"(۱)

''امام احمدؒ کہتے ہیں کہ: اہل ذمہ طبیب سے مباح دوا اور علاج کے سلسلے میں رجوع کرنا جائز ہے، اس کی بات اگر وہ حرام دوا تجویز کرے تو قبول نہیں کی جائے گی جیسے شراب وغیرہ، اور اسی طرح اس کی بات افطار، نماز، روزہ اور اس جیسی چیزوں کے بارے میں نہیں سنی جائے گی، اور اس بارے میں صرف دو عادل، مسلمان طبیبوں کی بات مانی جائے گی''۔

کیا طبابت پر اجرت لینا جائز ہے؟

شرعی دلائل سے طبابت کی اجرت لینے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی صحیحین کی حدیث میں ہے وہ فرماتے ہیں کہ

(۱) الطب من الكتاب والسنّة للبغدادی :۱۸۴

"احتجم النبی ﷺ وأعطیٰ الحجّام أجرہ "(۱)

اس حدیث شریف سے پچھنا لگانے کے لئے کسی کو اجرت پر لینے کا جواز معلوم ہوتا ہے، یہ ایک قسم کا آپریشن ہے، تو آپریشن کے لئے کسی کو اجرت پر لینے کے جواز کے بارے میں یہ حدیث اصل ہوگی۔

بلکہ حافظ ابن حجرؒ نے تو اس کو طبیب کے عمومی علاج کے لئے اجرت لینے کے جواز کے سلسلے میں اصل تسلیم کیا ہے، وہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"وفیه الاجارۃ علی المعالجة بالطب "(۲)

''اور اس میں طب سے علاج کے سلسلے میں اجرت لینے کا جواز معلوم ہوتا ہے''۔

صحیحین میں حضور اکرم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ: آپ ﷺ ان لوگوں کو جنہوں نے ایک قبیلہ کے سردار کا بچھو کے کاٹنے پر جھاڑ پھونک کے ذریعہ علاج کیا تھا، اور اسے اللہ کے حکم سے شفا حاصل ہوگئی تھی، انھوں نے ان کو بکری کا ایک ریوڑ دیا تو وہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: "اقسموا واضربوا لی بسهم معکم " (۳) اس کو تقسیم کرو اور اس میں میرا بھی ایک حصہ لگاؤ۔

مؤفق الدین عبداللطیف البغدادیؒ کہتے ہیں:

"فی أخذهم القطیع دلیل علی جواز أخذ الأجرۃ علی الطب والرقی ، یؤیّد قوله صلی الله علیه وسلم "واضربوا لی معکم بسهمٍ "(۴)

''ان کے ریوڑ کے لینے میں اس بات کی دلیل ہے کہ طب اور جھاڑ پھونک پر اجرت لی جاسکتی ہے۔ اور حضور ﷺ کا یہ فرمانا بھی کہ اس

(۱) بخاری : باب خراج الحجام : حدیث: ۲۱۵۹

(۲) فتح الباری لابن الحجر: قوله من کلّم موالی العبد : ۴/۴۵۹، دارالمعرفۃ۔ بیروت، ۱۳۷۹

(۳) مسلم: باب جواز أخذ الأجرۃ علی ، حدیث: ۲۲۰۱

(۴) الطب من الکتاب والسنّة : ۱۹۱، تحقیق عبد اللمعطی قلعی، دار المعرفة ، بیروت

میں میرا حصہ لگاؤ اس کی تائید کرتا ہے"۔

امام ابوداؤدؒ نے اپنی سنن میں اس حدیث پر یہ عنوان قائم کیا ہے: "باب فی کسب الأطباء" انہوں اس حدیث کو علاج ومعالجہ پر اجرت کے لینے کے سلسلے میں اصل مانا ہے۔

یہاں سے طب پر اجرت لینے کا جواز معلوم ہوتا ہے اور آپریشن خواہ قدیم یا جدید یہ بھی طب کی ایک قسم ہے۔

اہلِ علم نے مباح منفعت پر اجرت کے لینے کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے:

ابن رشدؒ کہتے ہیں:" واتّفقوا علی اجارة الدور والدواب وللنّاس علی الأفعال المباحة" (۱) اوران لوگوں نے گھروں اور جانوروں کے فعلِ مباح کے لئے اجرت پر لینے کے لئے جواز پر اتفاق کیا ہے۔

اور آپریشن بھی مباح منفعت کو حاصل کرنا ہے؛ لہذا اس پر بھی کسی کو اجرت پر لیا جاسکتا ہے، امام ابومحمد عبداللہ بن قدامہؒ نے آپریشن کے لئے اجارہ کی مشروعیت کی جانب اس طرح اشارہ کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"ویجوز الاستئجار علی الختان والمداواة وقطع السلع لا نعلم فیه خلافاً ......" (۲) اور جائز ہے ختنہ کے لئے اجرت پر لینا اور دوا اور علاج کے لئے اور پھوڑے کو کاٹنے کے لئے، ہم اس سلسلہ میں کسی کے اختلاف کو نہیں جانتے۔

آپریشن کے لئے اجارہ کے جواز پر جس طرح نقلی دلائل ہیں اسی طرح عقلی دلائل بھی ہیں:

۱- آپریشن کے لئے اجرت پر لینا اسی طرح جائز ہے جس طرح دیگر مباح افعال کے لئے اجرت پر کسی کو لینا جائز ہے، چونکہ دونوں شرعاً مباح اور مشروع ہیں۔ (۳)

---

(۱) بدایة المجتهد لابن رشد: القسم الأول فی أنواع الاجارات: ۶/۴، دار الحدیث –القاهرة

(۲) المغنی لابن قدامة: فصل استأجر حجاما لیحجمه: ۳۹۸/۵، مکتبة القاهرة

(۳) المغنی لابن قدامة: فصل استأجر حجاما لیحجمه: ۳۹۸/۵، مکتبة القاهرة

۲- آپریشن کے لئے بطورِ اجرت پر کسی کو لینا ایسے ہی جائز ہے جس طرح ختنہ کرنے کے لئے کسی کو اجرت پر لینا جائز ہے، چونکہ مقصود دونوں کا مباح منفعت کا حاصل کرنا ہے۔(۱)

اگر ہم آپریشن پر اجرت لینے کو ناجائز کہیں گے تو اس کی وجہ سے بہت زیادہ مشقت اور تکلیف ہوگی، چونکہ بغیر اجرت کے کوئی بھی ڈاکٹر آپریشن نہیں کرے گا، اور حرج ومشقت شریعت میں ممنوع ہے، لہذا اجرت نہ لینے کا قول بھی ممنوع ہوگا۔

امام عزالدین ابن سلامؒ نے کہا ہے کہ: " أنّ الطب من جملة المنافع التي لو لم يحكم بجواز الاجارة عليها هلك النّا س "(۲) طب منجملہ ان منافع کے ہے جس کے بارے میں اجارہ کے جواز کا حکم نہ دیا جائے تو لوگ ہلاک ہوجائیں۔

انہیں عقلی اور نقلی دلائل کی وجہ سے فقہاء نے آپریشن پر اجرت کے لینے کے جواز کے قول کو اختیار کیا ہے، چنانچہ انہوں نے ان کے دور کے آپریشن کی معروف اور مشہور صورتوں میں اجرت کے لینے کے جواز کا قول نقل کیا ہے، جیسے ختنہ کرنا، پچھنا لگانا، تکلیف دہ دانت اکھاڑنا، گوشت کٹ کے گرنے والی بیماری میں ہاتھ کاٹنا۔

کیا مستند ڈاکٹر کے لئے مشورہ فیس لینا جائز ہے؟

اگر ڈاکٹر مستند ہے یعنی فن علاج سے باخبر بھی ہے اور کسی مستند طبیب یا ادارہ نے اسے علاج کرنے کی اجازت واہل قرار دیا ہے تو اس کے لئے علاج کرنا اور مشوہ دے کر فیس لینا جائز ہے، لیکن یہ فیس مریض کی مالی حالت کو مدنظر رکھ کر لینی چاہئے، مرتب حضرت مفتی اعظم پاکستان حضرت اقدس حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ نے "امداد المفتیین: ۹۷۶" میں تحریر فرمایا ہے کہ

"یہ حکیم کی اجرت، جاننے اور تشخیصِ مرض اور تجویزِ نسخہ کی ہے، اس میں

---

(۱) المصدر السابق: ۱۲۶

(۲) كتاب قواعد الأحكام لعزالدين ابن عبد السلام: ۶۹/۲، دار الشرق للطباعة بمصر، ۱۳۸۸ھ

کسی قسم کی کراہت نہیں ہے، بلاشبہ جائزہ ہے، بشرطیکہ حکیم حکیم ہو یعنی کسی حاذق طبیب نے اس کو علاج کرنے کی اجازت دی ہو ورنہ معالجہ کرنا جائز نہیں'' (۱)

(۱) جدید مسائل کا حل: ۵۰۲

مریض یا اس کے ولی سے اجازت کے احکام

علاج ومعالجہ اور مریض کے جسم میں تصرف کے لئے ڈاکٹر کا اجازت لینا ضروری ہے خواہ کتابی شکل میں ہو، یا اشارے، کنایہ کے ذریعہ جس سے مریض کی رضا معلوم ہوتی ہو تو یہ بھی طبی تصرف کی اجازت کے لئے کافی ہوگا۔

طبی تصرف کی اجازت کے لئے اشارہ کے معتبر اور کافی ہونے کے لئے یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

”لددنا رسول الله ﷺ فأشار أن لا تلدونی فقلنا: كراهية المريض للدواء، فلمّا أفاق قال: ألم أنهكم أن لا تلدّونی، لا يبقى أحد منكم الّا لدّ“(۱)

اس سے پتہ چلا کہ بمعنی اور مفہوم اشارے کو بھی یہاں صریح اور صاف درجہ دیا گیا ہے، ہاں البتہ خاموشی کو اجازت کا درجہ حاصل نہ ہوگا، چونکہ شرعی قاعدہ ہے ”لا يُنسب لساكت القول“(۲)”خاموش کے جانب کوئی قول منسوب نہ ہوگا“۔

بیمار کو اجازت کا حق:

اگر بیمار کو اپنے ارادے کے اظہار اور اپنی رضا مندی کو بتلانے کی قدرت رکھتا ہو تو بس اسی کی اجازت معتبر ہوگی، جب تک اس کے اندر اہلیت اور لیاقت ہے کسی اور کو

---

(۱) بخاری: باب اذا أصاب قوم من رجل، حدیث:۶۸۹۷

(۲) الاشباہ والنظائر للسبکی: کتاب الاجماع :۱۶۷/۲

اجازت دینے پر مجبور کرنے یا کسی کو اجازت دینے کا حق نہ ہوگا۔

چونکہ پہلے تو دوا اور علاج کا کرنا ضروری اور لازمی چیز نہیں ہے اور اس لئے بھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

"لدّنا رسول الله فأشار أن لا تلدونى فقلنا : كراهية المريض للدواء ، فلمّا أفاق قال : ألم أنهكم أن لا تلّدونى ، لا يبقى أحد منكم الّا لدّ "(۱)

''حضور ﷺ کی ممانعت کے باوجود جنہوں نے آپ ﷺ کی منہ میں دوا ڈالی، آپ ﷺ نے بطورِ سزا کے ان کو منہ میں دوا ڈالنے کو کہا، سزا یہ کسی غلطی اور خطا پر دی جاتی ہے، تو اس سے یہ پتہ چلا کہ دوا اور علاج کے لئے مریض کی اجازت ضروری ہے''۔

بیمار کے ولی کو اجازت کا حق:

مریض اور بیمار کے ولی کو اجازت کا حق اس وقت حاصل ہوگا جب کہ مریض بذاتِ خود اجازت نہ دے سکتا ہو، اپنی رضا یا عدمِ رضا کا اظہار نہ کرسکتا ہو۔

ابن قدامہ المقدسی کہتے ہیں کہ:

"وان ختن صبيّا بغير اذن وليّه أوقطع سلعة من انسان بغير اذنه أو صبّى بغيرا ذن وليه فسرت جنايته ضمن لأنّه قطع غير ما ماذون فيه وان فعل ذلك الحاكم أو من له ولاية عليه أو فعله من أذنى له لم يضمن لأنّه ماذون فيه شرعاً "(۲)

اور ولی اپنے ماتحت کے سلسلے میں اسی تصرف کا اختیار رکھتا ہے جس میں اس کی بھلائی اور مصلحت ہو، اسلئے کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ

---

(۱) بخاری : باب اذا أصاب قوم من رجل ،حدیث:۶۸۹۷

(۲) المغنى لابن قدامة : فصل استأجر حجاما ليحجمه :۳۹۸/۵،مكتبة القاهرة

اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ﴾ (الاسراء:۳۴) البتہ ایمرجنسی طبی احوال میں ولی کی اجازت ضروری نہیں ہوتی۔

یہ اجازت محدود ہوگی یا عام؟

پھر یہ جو مریض نے ڈاکٹر کو طبی تصرف کی اجازت دی ہے کیا یہ اجازت عام ہوگی یا محدود ہوگی؟ مریض ڈاکٹر سے یوں کہے: تم میرا فلاں علاج کرو یا مریض یوں کہے: میں تمہیں اپنے علاج کے لئے ہر طرح کے تصرف کی اجازت دیتا ہوں؟ تو معاصرین فقہاء نے اس عام اور علی الاطلاق اجازت کو بھی درست قرار دیا ہے۔(۱) اور وکالتِ عامہ کے جواز کے اکثر فقہاء قائل ہیں۔(۲)

بہر حال مرض اور علاج وغیرہ میں مریض کے ڈاکٹر کو یہ بتانا ضروری نہیں کہ تم میرے فلاں علاج کے لئے تصرف کر سکتے ہو اور فلاں کے لئے نہیں کر سکتے۔

مریض کی مطلق اجازت پر ڈاکٹر کے تمام تصرفات کے جائز ہونا اس پر موقوف ہے کہ وہ اس کے تمام تصرفات حفظانِ صحت کے لئے ہوں، ہاں اگر ڈاکٹر علاج ومعالجہ، آپریشن اور عملِ جراحی کے دوران کئی ایک ڈاکٹروں اور وہاں پر موجود دیگر ماہرین سے رجوع کرے تو یہ اولیٰ اور بہتر ہے۔

اگر ولی موجود نہ ہو؟

اگر صورتحال یہ ہو کہ بیمار کا ولی موجود نہ ہو جس کی وجہ سے اس کی اجازت لینا ناممکن ہو تو، اگر مریض کی حالت خطرہ میں نہ ہو اور تاخیر میں کسی قسم کا اندیشہ نہ ہو تو اس کے آنے اور آکر اجازت دینے کا انتظار کیا جائے گا، چونکہ دوسرے ملک میں بغیر ضرورت کے تصرف کی اجازت نہیں۔(۳)

اگر یہ اندیشہ ہو کہ اگر ولی سے اجازت لی جاتی ہے تب تک مریض کی جان چلی جائے گی یا اس کو کسی طرح کا نقصان پہنچ جائے گا اور اس ابتدائی اور ایمرجنسی طبی امداد اس

---

(۱) احکام الجراحة الطبية للشنقيطی :۲۴۲-۲۴۳

(۲) الأم للشافعی :۲۳۷/۳ (۳) المهذب لأبی اسحاق فيروزآبادی: ۴۳۴/۱

کو نہ دی گئی تو اس موت کے منہ میں چلے جانے کا اندیشہ ہو جیسے سڑک حادثات وغیرہ میں ہوتا ہے تو ایسی صورت میں ڈاکٹر مریض پر ولی کی اجازت کے بغیر بھی تصرف کرسکتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ:" من قدر علی انجاء شخص باطعام أو سقی فلم یفعل فمات ضمنه " (۱) جو شخص کسی کو کھانا کھلا کر یا کسی چیز کو پلا کر اس کو نجات دینے اور اس کو موت سے بچانے پر قادر ہو اور وہ اس طرح نہ کرے تو ضامن ہوگا۔

اگر مریض علاج کی اجازت نہ دے؟

اگر بیمار شخص علاج کی اجازت بالکل نہ دے تو اس پر علاج کے لے دباؤ نہیں ڈالا جائے گا، چونکہ جمہور کے مطابق علاج کرنا یہ واجب اور لازم نہیں۔

اسی واسطے اگر بیمار شخص دوا اور علاج سے رکا رہے اور مر جائے تو وہ گنہ گار نہیں ہوگا ، اور اسے اپنے آپ کو ہلاک کرنے والا نہیں کہا جائے گا، چونکہ دوا اور علاج کا ترک کرنا یہ حرام نہیں ہے، چونکہ دوا اور علاج کے ذریعہ نفع یقینی نہیں ہے، اور نہ ہی یہ شفا اور صحت کا تنہا ذریعہ ہے، اسی کی فقہاء نے بھی تصریح کی ہے۔

ابن عابدین شامیؒ کہتے ہیں کہ:

"فان ترك الأكل والشرب حتى هلك فقد عصىٰ لأنّ فيه القاء النفس الى التهلكة ، وأنّه منهى عنه فى محكم التنزيل بخلاف من امتنع عن التداوى حتى مات ، اذ لا يتيقنّ بأنه يشفيه "(۲)

"اگر وہ شخص کھانا پینا چھوڑ دے یہاں تک کہ ہلاک ہو جائے تو اس نے

(۱) الاختيارات الفقهية :۶۰۲/۱،دار المعرفة ، بيروت ،لبنان،الطبعة :۱۳۹۷ھ/۱۹۷۸م

(۲) ردالمحتار على الدرالمختار لابن عابدين : كتاب الحظر والاباحة :۳۳۸/۶،دار الفكر —بيروت ،الطبعة الثانية:۱۴۲ھ

گناہ کیا، چونکہ اس طرح کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اور اس سے قرآن مجید میں منع کیا گیا ہے، اس کے برخلاف اگر دوا اور علاج سے رک جائے تو گنہ گار نہ ہوگا؛ اس لئے کہ اس کے ذریعہ شفا کا ہونا یقینی نہیں"۔

اس سلسلہ میں اللجنة الدائمة کا فتوی ملاحظہ ہو:

"مجلس باتفاق یہ طئے کرتی ہے کہ آپریشن کا عمل عاقل بالغ مریض کی اجازت کے بغیر انجام نہیں دیا جاسکتا، خوہ وہ مرد ہو یا عورت؛ اگر وہ بالغ نہ ہو تو اس کے ولی کی اجازت ضروری ہوگی"۔(۱)

(۱) قرار هيئة كبار العلماء : رقم:۱۱۹، تاریخ:۱۴۰۴

ڈاکٹروں کی غلطیوں پر مواخذہ کے اصول

اس کا مطلب یہ ہے کہ ڈاکٹر جان بوجھ کر ایسی کاروائی اور ایسا اقدام کرے جو مریض کے لئے نقصان کا باعث ہو، خواہ یہ نقصان آپریشن کی وجہ سے ہو یا دوسرے امور سے، طبی جانچ کے دوران، یا سُن کرنے کے عمل کے دوران یا نشہ آور کیمیکل کے استعمال کے دوران یہ نقصان در آئے۔

یہ تمام صورتیں زیادتی کے تحت آتی ہیں، یہ صورتیں عموماً پیش تو نہیں آتیں مگر بعض خسیس اور کمینہ قسم کے لوگ جو اللہ کا خوف نہیں کرتے اور اللہ عزوجل کے حدود اور اس کے محارم کا احترام نہیں کرتے وہ اس طرح کی گھٹیا ہوئی حرکت کر سکتے ہیں۔

زیادتی اور ضرر اور نقصان پہنچانے کا ثبوت تین ذرائع سے ہوسکتا ہے:

۱- اقرار ۲- گواہی ۳- تحریر

غلطی اور نقصان پر ہونے والے اثرات:

جب بیماران کے مواخذہ اور جواب دہی کو ثابت کردے تو اس غلطی اور نقصان کے اعتبار سے اس کا شرعی اثر مرتب ہوگا۔

طب کے علمی اصول اور ضوابط کی جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے جو نقصان در پیش ہو وہاں ضمان اور تاوان دینا ہوگا۔

اسی طرح جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے غلطی کی صورت اور اصولِ علمیہ سے انحراف کی صورت میں اگر ڈاکٹر اور ان کے معاون عملہ کے یہاں کوئی طبی عذر نہ ہو تو ان کی تعزیر

کی جائے گی۔

ضمان:

ڈاکٹر اور اس کے معاون عملہ پر آپریشن کے امور کی انجام دہی کے دوران جو تلف اور نقصان پیدا ہوا ہو اس کے وہ ضامن ہوں گے، اس کی مندرجۂ ذیل صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱- پہلی صورت: وہ اس مہم اور کارروائی کو جانتے ہی نہ ہوں اور ان کا نقصان کا قصد وارادہ بھی نہ ہو اور مریض کو بھی ان کی جہالت کا علم نہ ہو۔

اس صورت میں جہالت کامل اور جزئی ہوتی ہے، پہلے کی مثال ڈاکٹر آپریشن کرے اور وہ اس آپریشن کی معلومات بالکل نہیں رکھتا یا جو شخص بیہوش کرتا ہے، نشہ دیتا ہے اور جو ایکسرے نکالتا ہے اور طبی تصویریں لیتا ہے وہ اس سے بالکل واقف نہ ہو۔

اس کی مثال یہ ہے کہ آپریشن کرنے والا ڈاکٹر اس مہم کو کچھ جانتا ہو یا اس کو اس کی تمام معلومات ہوں؛ لیکن ان معلومات کو عملی شکل دینے سے وہ ناواقف ہو، اس صورت میں اصل اطباء اور ان کے معاون عملہ کی کارروائی سے جو نقصان پیدا ہوا ہے اس کا ضمان واجب ہوگا، چونکہ سنت سے ثابت ہے "من تطبّب ولم يُعلم من الطبّ قبل ذٰلك فهو ضامن "(۱) "جو شخص پیشۂ طبابت کو اپنائے؛ حالانکہ وہ اس کا علم ہی نہیں رکھتا تو اس کا ضامن ہوگا"۔

اس حدیث کے ظاہر سے پتہ چلا کہ ناواقف اور جاہل طبیب کے علاج کے نتیجے میں جو اثرات ہوں گے اس کا ضمان لازم ہوگا، حضور ﷺ کے اس ارشاد میں ادویہ کے ذریعہ اور آپریشن کے ذریعہ ہر صورت کو شامل ہے۔

دیت کتنی واجب ہوگی؟

شیخ زین الدین بن ابراہیم بن نجیم الحنفیؒ فرماتے ہیں: "......قطع الحجّام

---

(۱) أبوداؤد: باب فيمن تطبّب بغير علم فأعنت، حدیث: ۴۵۸۶، حاکم نے کہا ہے: یہ روایت صحیح ہے اور شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے، علامہ ذھبی نے ان کی موافقت کی ہے: المستدرك: اما حديث شعبة: حدیث: ۷۴۸۴۔

لحماً من عينه ، وكان غير حاذق فعميت فعليه نصف الديّة " (۱)
حجام نے اس کی آنکھوں سے گوشت کاٹا، اور وہ ماہر نہیں تھا اس کی وجہ سے وہ اندھا ہو گیا تو اس پر نصف دیت ہوگی۔

یہاں ان کا یہ قول "وكان غير حاذق " اس کا مطلب یعنی وہ اس کاروائی سے جس کو اس نے انجام دیا ہے جاہل ہے، پھر اس کا حکم بیان کیا کہ اس پر نصف دیت کی ضمان واجب ہوگی، البتہ چونکہ آنکھ جسم میں دو ہیں، اسلئے دونوں کے تلف کرنے سے مکمل دیت واجب ہوگی، ان میں سے ایک کے تلف پر آدھی دیت واجب ہوگی۔

ابن الہادیؒ کہتے ہیں:

"أجمع العلماء على أنّ الأعضاء المثناة فى الانسان كالعينين ، واليدين ، والرجلين ، والأذنين ونحوهما تجب الدية بتلفهما ، ونصف الدية بتلف العضو الواحد منهما" (۲)

علماء اس پر اجماع ہے کہ جو اعضاء جسمِ انسانی میں دو دو ہیں جیسے: دو آنکھ، دو ہاتھ، دو پیر، دو کان اور اس جیسے تو اس میں اسکے تلف سے دیت واجب ہوگی، اور اس میں سے ایک عضو کے تلف پر نصف دیت واجب ہوگی۔

۲- دوسری صورت: وہ اس مہم اور عمل کو جانتے ہوں، لیکن انہوں نے اسکے انجام دہی کے وقت اس کے اصول کو ملحوظ نہیں رکھا۔

اس میں دو طرح کے نقص واقع ہوتے ہیں:

۱- ماہرین کے یہاں ان امور اور اعمال کی جو حد ہے اس سے تجاوز کرے۔

۲- علاج میں کمی اور کوتاہی۔

پہلی صورت کی مثال: آپریشن کے ڈاکٹر کا ختنہ میں کاٹنے میں زیادتی کرنا، یا نشہ اور سُن کرنے کی دوائی کے استعمال میں زیادتی کرنا یا سخت شدید، ضرر رساں مواد کا اس

(۱) الدر المختاروحاشية ابن عابدين :فصل فى الفعلين :۵٦٧/٦،دار الفكر ـبيروت
(۲) الاجماع لابن المنذر :۷۳،ومعنى ذوى الأفهام لابن عبد الهادى:۳۰۸

کے لئے استعمال کرنا، حالانکہ اسکے اختیار کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔

یا جو شخص ایکسرے لیتا ہے وہ شعائیں اور کرنیں زیادہ ڈالے، یا جس جگہ کی تصویر لینا ہے اس کی کئی بار بلا ضرورت تصویر لینے سے اس کی شعاعوں اور کرنوں سے اس کو نقصان ہو جائے۔

دوسری قسم کی مثالیں: آپریشن کرنے والا ڈاکٹر کچھ بیماری کو ختم کر دے اور کچھ بیماری کو نکالنے کی استطاعت کے باوجود چھوڑ دے اور اس کے نکالنے کے لئے کوئی حائل اور رکاوٹ چیز بھی نہ ہو۔

یا نشہ دینے والا شخص ہلکا نشہ دے جس کی وجہ سے بیمار آپریشن کے دوران ہوش میں آجائے اور اسے اس کی وجہ سے بے انتہا تکلیف ہو جائے۔

تو ان دونوں صورتوں میں ڈاکٹر اور اس کا معاون عملہ ماہرین کے اصول معتبرہ کی مخالفت کرنے والا شمار ہوگا، اور فقہاء کے یہاں ڈاکٹر کی اپنی مہم میں حد سے تجاوز، کمی یا کوتاہی جو نقصان کا باعث ہو ضمان کو لازم کرتی ہے۔

شیخ محمد بن الحسن الطّوری الحنفیؒ کہتے ہیں:

”ویستفاد من مجموع الروایتین اشتراط عدم التجاوز والاذن لعدم وجوب الضمان حتی اذا عدم أحدهما أو کلاهما یجب الضمان “(۱)

”ان دونوں روایتوں کے مجموعہ سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ حد سے تجاوز نہ کرنا اور اجازت کا ہونا یہ شرط ہے ضمان کے واجب نہ ہونے کے لئے، اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی فوت ہو جائے یا دونوں فوت ہو جائیں تو ضمان واجب ہوگا“۔

یہاں مصنف نے اپنی اس عبارت ”حتی اذا عدم أحدهما “میں ہے بتلایا ہے کہ ڈاکٹر اگر اپنے عملِ جراحی کے دوران متعینہ جگہ سے تجاوز کرے تو اس پر ضمان ہوگا۔

---

(۱) تکملة البحرا لرائق للطوری :ولا یضمن الأجیر حجام أو فصاد :۸/۳۳،دار الکتب الاسلامی

امام ابراہیم بن فرحون المالکیؒ فرماتے ہیں کہ:

"امّا اذا کان جاھلاً أو فعل غیر ما اذن له فیه خطأ أو تجاوز الحدّ فیما اذن له فیه أو قصر عن المقدار المطلوب ضمن "(۱)

''بہر حال اگر وہ شخص جاہل ہو یا وہ کوئی ایسا کام کرے جس کی اس کو اجازت نہیں دی گئی تھی اور اس میں وہ غلطی کرے یا جتنے کی اجازت تھی اس سے تجاوز کرے یا مقدارِ مطلوب سے کم کرے تو ضامن ہوگا''۔

ان کی اس عبارت "أو تجاوز الحد فیما أذن فیه" یعنی آپریشن اور عملِ جراحی کے دوران مقدارِ مطلوب سے تجاوز کرے، ان کی عبارت "أو قصر فیه عن المقدا ر المطلوب" یا اس میں مقدار مطلوب سے کمی اور کوتاہی کرے۔

۳-تیسری صورت: وہ اس عملِ جراحی کی کاروائی سے واقف ہو اور انہوں نے اس کے اصول وضوابط کو ملحوظ بھی رکھا ہو؛ لیکن عملِ جراحی کے دوران ہاتھ پھسل گیا ہو۔

اس صورت میں بیمار کو جو نقصان پہنچا ہے وہ ڈاکٹر کی جانب سے عمداً نہیں ہے اور نہ طبی عمل کے لئے یہ کام مقصود تھا، اس کی مثال: آپریشن کرنے والے ڈاکٹر کا ہاتھ بے خبری میں حرکت کر جائے اور ایسی شریانوں کو کاٹ دے یا ایسی جگہ کو زخمی کر دے جس سے مریض کو نقصان لاحق ہو جائے۔

ایکسرے لینے والے کا ہاتھ پھسل جائے اور وہ اس کی کرنیں اور شعائیں غیر ضروری اور غیر مقصود جگہ پر ڈالے جس سے جلد کو نقصان پہنچ جائے۔ طبی دوربین سے تصویر کشی کرنے والا اس طبی آلہ کو اندر جسم میں داخل کرتے وقت یا اس کے نکالتے وقتاً سے کچھ حرکت ہو جائے اس غیر مقصود حرکت کی وجہ سے کچھ آنتوں میں خراش ہو جائے۔

یہاں جو کاروائی اور عمل نقصان کا ذریعہ بنا ہے، اس کا اصل محرک عملِ جراحی سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ وہ اس سے الگ تھلگ چیز ہے، تو یہ غلطی سے واقع ہونے والی

(۱) تبصرة الحكام لابن فرحون :فصل فی الحجام والبیطار وشبیههما: ۳۴۲/۲، مکتبة الكلیات الأزهرية

جنایت کے قبیل سے ہوگا، اطباء اور ان کے معاون عملہ سے ضمان طلب کیا جائے، علماء کے یہاں اس اصل کی وجہ سے کہ غلطی سے واقع ہونے والی جنایت اور زیادتی میں خواہ اس سے جان چلی جائے یا کسی عضو کو نقصان پہنچ جائے تو ضمان واجب ہوگا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِناً اِلَّا خَطَأً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِناً خَطَأً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ اِلٰى أَهْلِهٖ اِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا......﴾(النساء :۹۲)

امام ابن المنذرؒ کہتے ہیں کہ:

"الاجماع على وجوب تضمين الطبيب الذى أخطأ فأدّىٰ خطؤه الى التلف ، فقال رحمه الله "واجمعوا على أنّ قطع الخاتن اذا أخطأ فقطع أو بعضها فعليه ما أخطأ به يعقله عنه العاقلة "(۱)

''اس بات پر اجماع ہے کہ وہ طبیب ضامن ہوگا جس نے غلطی کی ہو اور اس کی غلطی کی وجہ سے تلف ہوا ہو، پھر کہتے ہیں: اور تمام کا اس پر اتفاق ہے کہ ختنہ کرنے والا جب غلطی کرے اور اس کو پورا کاٹ دے یا اس کا بعض حصہ کاٹ دے تو اس کی جانب سے عاقلہ کو دیت دینی ہوگی''۔

۴- چوتھی صورت: یہ لوگ عملِ جراحی کا علم رکھتے ہوں، اور انہوں نے اس کے اصول کو بھی اپنایا ہو، لیکن نہ ہی مریض سے، نہ اس کے ولی سے اور نہ ہی سلطان کی جانب سے انہوں نے اس آپریشن کی اجازت لی ہو۔

اس صورت میں عملِ جراحی کے لئے نہ مریض کی طرف سے اجازت ہوتی ہے اور نہ ولی کی طرف سے، اور آپریشن کا عمل ماہرین کے اصول کے مطابق انجام دیا ہوا ہوتا ہے، لیکن اللہ کے حکم سے مریض کے جسم کو نقصان پہنچ جاتا ہے، خواہ یہ نقصان اس کی جان

(۱) الاجماع لابن منذر :۱۱۹

چلے جانے کا باعث بنے یا نہ بنے۔

اس صورت میں ڈاکٹر نقصان کا ضامن ہوگا، احناف (۱) مالکیہ، شوافع، حنابلہ اور جمہور کا یہی قول ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ جب مکلّف شخص نے اسے اجازت دی ہوئی تو اس کا حق ساقط ہو چکا ہوتا، یہاں جب اس نے اجازت نہیں دی ہے، اصل کے اعتبار سے ضمان باقی رہے گا۔(۲)

قصاص کا بیان:

قابلِ گرفت ومواخذہ غلطی کے ثابت ہونے پر جو اثرات اور نتائج مرتب ہوتے ہیں اس میں سے ایک قصاص بھی ہے، قصاص صرف ایک حالت میں واجب ہوتا ہے کہ زیادتی ثابت ہو جائے، جب زیادتی ثابت ہو جائے گی کہ ڈاکٹر نے مریض کے قتل کا ارادہ کیا تھا یا اس کے جسم کے کسی حصہ کو تلف کرنے کا ارادہ کیا تھا اور اس نے عملِ جراحی کو اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کا ذریعہ بنایا ہوا تھا تو اس سے قصاص لیا جائے گا، خواہ یہ نقصان جان چلی جانے کی شکل میں ہو یا جسم کے کسی حصہ کے چلے جانے کی شکل میں ہو۔

شیخ خلیل بن اسحاق المالکیؒ اپنی مختصر میں قصاص کو لازم کرنے والے امور کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں: "کطبیب زاد عمداً" وہ طبیب جو جان بوجھ کر زیادتی کرے۔(۳)

تو یہاں جان بوجھ کر زیادتی کرنے والے طبیب پر قصاص کو واجب کہا ہے۔

شیخ محمد بن احمد الدسوقی المالکیؒ علاج ومعالجہ کرنے والے ڈاکٹر پر اس کی زیادتی کے ارادے کی صورت میں قصاص لئے جانے کو کہا ہے:

"انّما لم یُقتصّ من الجاهل لأنّ الفرض أنّه لم یقصد ضرراً، وانّما قصد نفع العلیل، ورجا ذلك، وامّا لو قصد ضرره فانّه یقتصّ منه"(۲)

---

(۱) الفتاوی الهندية :۳۵۷/۵ (۲) المغنی :۱۲۱/۶، تحفة المودود، ۱۵۳

(۳) المختصر الخليل :باب فی احكام الدماء والقصاص :۲۳۰/۱، دار الحديث / القاهرة، الطبعة الاولی، ۱۴۲۶ھ

(۴) حاشيه الدسوقی :باب حد الشارب: ۳۵۵/۴، دار الفكر، بيروت

اس عبارت سے بھی پتہ چلا کہ جو ڈاکٹر آپریشن کے دوران زیادتی کا ارادہ کرے خواہ جان کے چلے جانے میں یا کسی عضو کے تلف ہونے کے سلسلے میں تو اس سے شرعاً قصاص لینا جائز ہے۔

اس حکم کی جس کی صراحت فقہاء نے کی ہے اس کی اصل قرآن کی آیات ہیں، اللہ عزوجل کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى بِالْأُنْثَى﴾ (البقرة: ۱۷۸)

اور اللہ عزوجل کا یہ بھی ارشا ہے:

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ﴾ (البقرة: ۱۷۹)

تعزیر کا بیان:

تعزیر یہ جہالت اور لاعلمی کے باوجود علاج کرنے یا ماہرین کے یہاں جو اصول وضوابط ہیں اس کی پیروی نہ کرنے پر کی جائے گی۔

جہالت اور لاعلمی سے جو غلطی اور نقصان ہوجائے تو اس شخص کی تعزیر کی جائے ؛ چونکہ اس نے اپنے طبیب ہونے کا جھوٹا دعوی کیا اور اپنی اس بناوٹی طبابت کے ذریعہ لوگوں کی روحوں اور حرمت کو پامال کیا اس کو ایسی سزا دی جائے کہ پھر دوبارہ وہ اس طرح کا عمل نہ کر سکے۔

اسی واسطے فقہاء کرام نے تعزیر کی اجازت دی ہے اور جاہل طبیب کو سزا دینے کا حکم دیا ہے۔

ابن عبدالسلامؒ کہتے ہیں:

"وينفرد الجاهل بالأدب، ولا يؤدّب المخطئ ......
صرف جاہل تادیب کے قابل ہے اور غلطی کرنے والے کی تادیب نہیں کی جائے گی۔(۱)

(۱) تبصرة الحكام لابن الجوزی :فصل فی الحجام والبیطار وشبههما: ۳۴۶/۲،مکتبه الكليات الازهرية

یہاں تادیب سے مراد یعنی ایسی سزا دینا کہ لوگوں کو دھوکہ پھر نہ دے سکے، اور لوگوں کی جانوں کو ہلاکت اور بربادی کے حوالے نہ کردے۔

اعضاء کا سرقہ اور اس کی سزا:

اطباء آپریشن اور مریضوں کے علاج کے دوران جو اعضاء کا سرقہ کرتے ہیں کیا اسے سرقہ اور چوری قرار دے کران کے ہاتھ کاٹے جائیں یا اچک لینا، چھین یا غصب کر لینا قرار دے کر اس میں تعزیر کو واجب کریں یا اس کو حرابہ اور فساد فی الارض قرار دے کر اس کی سزا لازم کریں یا اسے انسانی جسم پر تعدی اور زیادتی قرار دے کر قتل عمد یا جان سے کمتر جنایت کی صورت میں قصاص، دیت یا تعزیر وغیرہ لازم کریں۔

سرقہ کی سزا ہاتھ کاٹنے کو لازم قرار دینے کے لئے مالِ مسروق کے دیگر شرائط کے ساتھ اس کا متقوم ہونا بھی ضروری ہے، کیا انسان کے اعضاء اموال کی طرح متقوم ہیں، جمہور کے مذہب کے مطابق انسانی اعضاء مال نہیں کہ اس کے چوری کرنے پر سارق طبیب کے ہاتھ کاٹے جائیں۔

چنانچہ دکتور محمد یسری فرماتے ہیں:

”هذا مردود بتعريف جناية السرقة من كونها أخذ المال ، والأعضاء البشرية ليست بمال لا من الحر ولا من العبد، إذ لا يجوز بيع يد العبد أو رجله بالاتفاق ، إنما الجائز بيع جميعه علي هيئته، كما أن من شروط السرقة أن يتم الأخذ فيها خفية وليس جهارا ولا عن طريق الحيلة والمخادعة ؛ فإن هذا العمل أقرب للاختلاس أو خيانة الأمانة منه إلى السرقة“(۱)

”یہ سرقہ کی جنایت کی تعریف کے اعتبار سے مردود ہے کہ اس میں مال کو لینا ہوتا ہے، اور انسانی اعضاء یہ مال نہیں ہیں نہ ہی آزاد شخص کے اور نہ

(۱) سرقة الأعضاء بالجراحة الطبية :۴۰۵

ہی غلام شخص کے، اس لئے غلام کے ہاتھ یا پیر کو بالاتفاق بیچنا جائز نہیں، بیچنا جائز تو اس کے پورے وجود کا ہے اس کی ہیئت اور حالت میں، اسی طرح سرقہ کی ایک شرط یہ ہے کہ اس میں لینا چپکے سے ہوتا ہے نہ کہ علی الاعلان اور نہ ہی حیلہ سازی، دھوکہ دہی کے ذریعہ؛ اس لئے یہ عمل جھپٹ لینے یا امانت میں خیانت سے زیادہ مماثل ہے" (۱)

اور سرقہ کے ثبوت کے لئے طبیب کا ان اعضاء کو خفیۃ لینا ضروری ہے، یہ بھی متحقق نہیں ہے؛ چونکہ طبیب جس وقت مریض کے اعضاء کو لینے کے لئے اقدام کرتا ہے اور یہاں سرقہ کے علاوہ اختلاس (مختلس اس کو کہتے ہیں جو مال کو علی الاعلان جان بوجھ کر لے کر جلدی سے بھاگ جائے، اس پر غلبہ پا کر نہیں: "هو الذي ياخذ المال جهرة متعمدا على السرعة في الهرب من غير غلبة " (۲) کے معنی میں بھی نہیں پائے جاتے؛ چونکہ وہ بھاگ نہیں گیا اور نہ انتہاب (منتہب اس کو کہتے ہیں جو غیر کا مال اس پر غلبہ حاصل کر کے لے لے؛ لیکن یہ ڈاکو نہیں ہوتا) کے معنی میں ہے، چونکہ ڈاکٹر نے مریض پر غلبہ پا کر اعضاء حاصل نہیں کئے، البتہ اس کو امانت میں خیانت کرنے والا کہہ سکتے ہیں اور وہ اس کے سامنے پڑا ہوا جسم ہے اور اس نے یہ جسم ڈاکٹر کو بطورِ امانت کے حوالہ کیا ہے اور اس کے لئے یہ شرط رکھی ہے کہ وہ اس کے صلاح اور درستگی کے لئے کام کرے نہ کہ فساد اور بگاڑ کے لئے؛ لیکن امانت میں اگر کوئی خیانت کرے تو اس میں سرقہ کی طرح ہاتھ نہیں کاٹے جاسکتے؛ بلکہ امانت کو لوٹا کر اس کی تعزیر کی جائے گی، اگر امانت ضائع ہو جائے تو تعدی کرنے والے پر اس کا ضمان لازم ہوگا۔

اور حدیث میں ہے: " ليس على المنتهب قطع، ومن انتهب نهبة مشهورة فليس منا" (۳) "ليس على الخائن قطع " (۴) خیانت کرنے

(۱) سرقة الأعضاء بالجراحة الطبية :۴۰۵

(۲) فتح القدير لابن همام :۳۷۳/۴

(۳) أبوداؤد : باب القطع في الخلسة والخيانة، حديث:۴۳۹۳۔

(۴) أبوداؤد :باب القطع في الخلسة والخيانة، حديث:۴۳۹۴۔

والے کے ہاتھ کاٹے نہیں جائیں گے(۱) لوٹ مار کرنے والے کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے، جو شخص لوٹ مار کرے تو وہ ہم میں سے نہیں۔

اور حضرت جابر بن عبداللہ کی حدیث میں ہے:" لا یقطع الخائن ، ولا المنتهب ولا المختلس "(۲) خیانت کرنے والے، زور زبردستی کر کے لینے اور اچک لینے والے کا ہاتھ کاٹا نہیں جائے گا۔

اس لئے طبیب سارق کو مختلس ، منتهب قرار نہیں دیا جا سکتا، البتہ خائن قرار دے سکتے ہیں؛ لیکن خائن کی تعزیر ہوتی ہے، اس کے ہاتھ کاٹے نہیں جا سکتے۔ بلکہ اس کو امانت میں خیانت بھی نہیں کہہ سکتے؛ کیوں کہ سرقہ ، اچک لینا، چھین لینا اور خیانت ان تمام کا تعلق اموال اور اس پر زیادتی سے ہوتا ہے اور اعضاءِ بشریہ کو اموال نہیں کہہ سکتے۔

طبیب کے ان اعضاء کے چوری کرنے میں حرابہ اور فساد فی الأرض کا معنی بھی نہیں پایا جاتا، جمہور فقہاء کے یہاں ''حرابہ'' کے معنی ہیں:

"إشهار السلاح وقطع السبيل خارج المصر" شہر سے باہر تلوار سونت کر لوٹ مار کرنا۔

امام مالکؒ کہتے ہیں کہ: خارج مصر اور داخلِ مصر دونوں برابر ہیں (۳) یعنی جو بھی تلوار سونت کر لوٹ مار کرے وہ محارب ہے۔

ظواہر کے یہاں محارب وہ ہے جو راستے میں لوگوں کو ڈرائے، دھمکائے خواہ تلوار سے یا بغیر تلوار، دن میں یا رات میں، شہر میں یا جنگل، خلیفہ کے محل میں یا جامع مسجد میں۔

جیسا کہ جمہور کے قول کے مطابق محاربین کا اطلاق ڈاکوؤں پر ہوتا ہے تو طبیب کے جرم اور اس کے اعضاء کے سرقہ کو اس میں شامل نہیں کیا جا سکتا ، چونکہ حرابہ کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ یہ سرکشی اور زیادتی علی الاعلان ہو اس میں چوری، دھوکہ دہی، حیلہ بازی

---

(۱) أبوداؤد : باب القطع فی الخلسة والخیانة، حدیث:۴۳۹۵۔

(۲) ابن ماجة: باب الخائن والمنتهب والمختلس، حدیث:۲۵۹۱۔

(۳) بداية المجتهد لابن راشد : ۳۴۰/۲

کے معنی نہ پائے جاتے ہوں۔

اور حرابہ میں یہ بھی ضروری ہے کہ مالِ ماخوذ محفوظ نصاب ہو (ایک دینار یا دس درہم ہو) اور انسانی اعضاء کو مال نہیں قرار دیا جا سکتا اور نہ اس کی سزا دی جا سکتی ہے۔

بایں طور کہ ڈاکٹر کے مریض کے کسی ایسے عضو کے کاٹ لینے کی صورت میں جس میں اس کی موت واقع ہوگئی ہو، اس کو قتل کیا جائے، یا سولی پر لٹکایا جائے جیسے محارب اور ڈاکو کے مال لینے کی صورت میں اور قتل کرنے کی صورت میں اس کو یہ سزا ہوگی۔

اگر ڈاکٹر کسی عضو کو اس سے نفع حاصل کرنے یا بغیر نفع کو مقصود بنائے ہوئے یوں ہی ضائع کردے اور اس کی وجہ سے مریض کی موت واقع نہ ہو تو اس کا داہنا ہاتھ اور بایاں پیر ایک جگہ سے کاٹے جائیں۔

اور اگر اس سے بھی کم جرم ہو تو اس میں کم سزا مارنے یا جلاوطن کرنے کی ہوگی۔(۱)

یا اسے قتل سے کمتر جنایت قرار دیں۔

اب یہ ڈاکٹر مریض کے جن اعضاء پر زیادتی کرے گا خواہ یہ اعضاء ہر وقت نئے شکل اختیار کرتے رہتے ہوں جیسے خون، حیوانات منوی، بیضوی منوی یا جسم کے مفرد اعضاء پر زیادتی کرے جیسے تلی وغیرہ یا جوڑی دار اعضاء جیسے گردے، آنتیں وغیرہ اور یہ عمداً، قصداً اور اختیاری طور پر کرے تو اس نے قتل سے کمتر جنایت کا ارتکاب کیا۔

اور کسی عضو کے علاحدہ کرنے میں اگر اس سے مریض کی جان چلی گئی تو قصاص واجب ہوگا، ورنہ پوری دیت دینی ہوگی۔

اور انفرادی عضو کے نکالنے میں مکمل دیت اور بعض عضو کے کاٹنے میں بعض دیت اور شجاج (یعنی سر اور چہرے کو خصوصاً زخم کرنا، دیگر اعضاء کے سر اور چہرے کے علاوہ زخمی کرنا یہ جراحت کے قبیل سے ہے) وغیرہ اور موضحہ (یعنی وہ زخم جس میں ہڈی ظاہر نہ ہو) سے اوپر ارش (دیت سے کم پر ارش کا اطلاق ہوتا ہے) متعین اور کم میں حکومتِ عدل (کہتے ہیں وہ کدش جس کے سلسلے میں شرعی دلیل وارد نہ ہوئی ہو) منصف کا فیصلہ دینا ہوگا۔

---

(۱) بدایۃ المجتهد لابن رشد: ۴۳۱/۲

اور جراحتوں میں اگر وہ جائفہ (جو پیٹ اور سینے کے اندر ہو) نہ ہو یعنی جس کے ظاہر میں ہو تو حکومت واجب ہوگی اور اگر اندورن اور جوف کا عضو ہو تو ثلث دیت دینی ہوگی۔

راجح قول:

راجح قول طبیب کے اعضاء کے سرقہ کی جنایت کو قتل سے کمتر جنایت قرار دیں اور اس کے علاوہ یہ امانت میں خیانت اور فساد فی الأرض بھی ہے۔ اور قتل یا اس سے کمتر جنایت کی سزا قصاص یا دیت یا تعزیز ہے جیسا کہ معلوم ہوا۔

بعض فقہاء معاصرین نے اس مسئلہ میں یہ رائے دی ہے کہ طبیب کے سرقہ کی اس جنایت کو تو اسے قتل کی سزا دیں گے گرچہ اس کا یہ قتل جنایت کی وجہ سے نہیں؛ بلکہ تعزیرا ہوگا۔

چنانچہ دکتور سلیمان فہد (جو جامعۃ الامام محمد بن سعود کے استاذ اور اس کے کلیہ شرعیۃ کے شعبہ فقہ کے صدر ہیں) فرماتے ہیں کہ:

جو تم نے طبیب کے اعضاء کے سرقہ یا اجنہ کے سرقہ کا ذکر کیا ہے، یہ بہت بڑا جرم ہے، اس میں سرقہ کی حد کافی نہیں؛ بلکہ اس میں تعزیر کی سزا ہوگی جو امام یا اس کے نائب کی تعیین کے مطابق ہوگی اور بہت سے اہل علم جن میں امام مالک شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن قیم بھی ہیں کہتے ہیں کہ: تعزیری سزا کی کوئی حد نہیں ہے؛ بلکہ یہ امام کے اجتہاد پر موقوف ہے، وہ اس سزا کو قتل تک بھی پہنچا سکتا ہے، جرم کے بڑے اور چھوٹے ہونے کے اعتبار سے یہ سزا کم یا زیادہ ہوتی ہے اور اس طبیب کا جرم بہت بڑا ہے؛ اس لئے اس کو تعزیرا قتل کی سزا دی جائے گی؛ لیکن یہ امام یا اس کے نائب کے سپرد ہوگا۔

دواسازی کے احکام

دوا کے مشمولات

دوا کے مرکبات یا تو مباح ہوں گے یا حرام، پھر وہ خلط ملط ہونے کے بعد اپنی حقیقت وحیثیت باقی رکھیں گے یا ان کی حقیقت اور حیثیت بدل جائے گی۔

اس طرح اس کی چار صورتیں ہوں گی:

۱- جائز اور مباح چیزیں جو دوا بنانے کے بعد اپنے اندر اپنے اجزاء ترکیبی کی حقیقت کو باقی رکھیں۔

۲- حرام چیزیں جو دوا بننے کے بعد اپنی خاصیت کو باقی رکھیں۔

۳- مباح چیزیں جو دوا بننے کے بعد اپنی حقیقت کو کھودیں۔

۴- حرام چیزیں جو دوا بننے کے بعد جس کا حکم اور حقیقت بدل جائے۔

احکام

۱- **پہلی صورت** کا حکم یہ ہے کہ اس سے بالاتفاق علاج جائز ہے، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: "ان اللہ خلق الداء والدواء فتداووا، ولا تداووا بحرام" (۱) بیشک اللہ نے بیماری اور دوا پیدا کی ہے؛ لہٰذا دوا اور علاج کرو حرام سے علاج نہ کرو۔

۲- **دوسری صورت** کا حکم یہ ہے کہ وہ حرام چیزیں اگر شراب ہے تو اس سے علاج بالاتفاق ناجائز ہے۔ اور اگر شراب کے علاوہ دیگر محرمات ہوں تو مندرجہ ذیل شرط کے ساتھ جائز ہے۔

الف: اس کا کوئی جائز بدل نہ ہو۔

ب: اس سے بیماری کے دور ہونے کا یقین ہو۔

---

(۱) مجمع الزوائد: باب شرب الماء علی الریقہ، حدیث ۸۲۸۸

ت: بیماری کے ازالہ کی مقدار ہی پر اکتفا کرے۔

۳-تیسری صورت کا حکم بھی دوسری قسم کی طرح ہے۔

۴-چوتھی صورت کا حکم: کسی بھی چیز کی ماہیت اور حقیقت کا اس طرح بدلنا کہ وہ پھر اپنی سابقہ حالت پر عود نہ کر سکے جیسے شراب کا سرکہ بن جانا، گندی چربی کا صابون بن جانا۔

اگر یہ حرام چیز ازخود اپنی سابقہ حالت کے خلاف کوئی دوسری ہیئت اختیار کر لے جیسے شراب دوسرے کے عمل دخل کے بغیر ازخود سرکہ بن جائے تو اس سے انتفاع جائز ہے۔

اس لئے کہ اس میں حرمت کی علت نشہ تھا، جب وہ علت ختم ہوگئی تو حکم اور معلول بھی ختم ہوگیا۔

اور اگر وہ حرام چیز کسی کے عمل سے دوسری چیز بن جائے تو وہ حلال نہیں ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شراب کے متعلق پوچھا گیا جس کا سرکہ بنالیا گیا ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناجائز قرار دیا۔

”ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سُئل من الخمر تتخذ خلّاً فقال لاَ“(۱)

شراب کے علاوہ دیگر محرمات کے بارے میں ظاہری قول یہی ہے کہ اس کی حقیقت اور ماہیت کو بدل کر اس سے استفادہ جائز ہوتا ہے۔

مجمع الفقہ الاسلامی کی قرارداد میں ہے:

”نجاست کا دوسرے مادے سے بدل جانا، جو صفات اور خواص میں اس سے مختلف ہو جیسے تیل، چربی کا صابون بن جانا، یا کسی چیز کے بنانے میں مادے کا ہلاک ہوجانا، اور اسکی ذات وصفات کا بدل جانا، اسلامی فقہ میں اس چیز کی پاکیزگی اور اس سے نفع اندوزی شرعاً مباح ہونے کا ذریعہ بن جاتا ہے“۔(۲)

---

(۱) مسلم: کتاب الأشربة ،باب ما جاء فی الخمر تخلل ،حدیث:۱۹۸۳

(۲) قرارات المجمع الفقه الاسلامی ۳۹

دواؤں میں خنزیر کے اجزاء کا استعمال:

خنزیر کی ہڈیوں اور کھال سے جیلاٹین نکالا جاتا ہے، جس سے دوائی بھرنے والے کپسول بنائے جاتے ہیں، کھائی جانے والی ادویہ میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔

فقہ اکیڈمی انڈیا نے جیلاٹین کی حقیقت یوں بیان کی ہے۔

۱- جیلاٹین ایک نامیاتی مرکب ہے، جو ایک طرح کا پروٹین ہے، یہ جانور کی کھال اور ہڈیوں میں موجود ایک دوسرے قسم کے پروٹین کولاجن (Colagen) سے کیمیائی تبدیلیوں کے بعد بنایا جاتا ہے، جو کولاجن سے یکسر اپنی رنگت، بو، ذائقہ اور خاصیت میں مختلف ہوتا ہے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ شریعت نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے، اگر ان کی حقیقت اور ماہیت تبدیل ہو جائے تو سابقہ حکم باقی نہیں رہتا۔

اکیڈمی کے سامنے ماہرین کے ذریعہ جو تحقیق سامنے آئی ہے، اس کے مطابق جلاٹین بنایا جاتا ہے، بلکہ وہ ایک نئی حقیقت کے ساتھ ایک نئی چیز ہوتی ہو جاتی ہے، اس لئے اس کے استعمال کی گنجائش ہے۔

خنزیر کی چربی کا حکم:

۱- خنزیر کی چربی عموماً مرہم، کریم اور بعض دواؤں میں استعمال کی جاتی ہے۔

۲- خنزیر کا انسولین علم جدید کے دریافت کرنے والوں کا کہنا ہے کہ خنزیر سے حاصل کئے جانے والے انسولین کا استعمال خون میں شکر کی مقدار کو برابر کرتا ہے۔

خنزیر کے اجزاء بالکل ناپاک ہوتے ہیں اس لئے ان کا استعمال اور اس سے دوا اور علاج ناجائز ہے۔

لجنۃ الدائمہ کا فتوی:

”خنزیر کے انسولین کا شوگر کے مریض کے لئے اس کے زوراثر ہونے کی وجہ سے اس کا بطور دوا استعمال حرام ہے۔(۱) اس کی جگہ گائے کے

(۱) فتاوی اللجنۃ الدائمہ: ۲۵-۲۸

انسولین سے کام لیا جا سکتا ہے‘‘(۱)

اگر خنزیر کے انسولین کا کوئی بدل نہ مل رہا ہو تو اسے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

دواسازی میں الکحل کا استعمال:

الکحل ایک مادہ ہے جو شراب اور دیگر مشروبات کی خصوصیات اپنے اندر لئے ہوئے ہوتا ہے، اس کی بہت ساری قسمیں ہیں صرف ایک قسم نشہ آور ہے۔

دواسازی میں الکحل کا استعمال عام طور پر دوا کی حفاظت کے لئے ہوتا ہے، بعض دواؤں میں استھائیل الکحل (Ethyl alkohal) ہوتا ہے یہ نشہ آور ہوتا ہے لہٰذا ادویات بنانے میں اس کا استعمال ناجائز ہے۔

انگریزی ادویات اور الکحل آمیز دواؤں کے استعمال کے بارے میں ایک استفتاء اور اس کا جواب:

سوال: دور حاضر میں اکثر امراض میں انگریزی ادویات استعمال ہوتی ہیں جن میں الکحل بھی استعمال ہوتا ہے شرعی نکتہ نگاہ سے اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: انگریزی ادویات کے بارے میں متاخرین علماء کرام کا فتوی یہ ہے کہ اگر ان میں شراب یا دیگر محرم اشیاء کا استعمال یقینی یا ظن غالب سے ثابت ہو تو بغیر شدید ضرورت کے استعمال کرنا درست نہیں ہے، ویسے انگریزی ادویات کا استعمال مرخص ہے۔(۲)

اس سلسلہ میں فقہ اکیڈمی کا فیصلہ ہے کہ: ان دواؤں کا استعمال جائز ہے جن میں الکحل اتنی مقدار ہو جو دوا بنانے کے لئے ضروری ہو اور اس کا متبادل نہ ہو، اس شرط کے ساتھ کہ کسی راست باز طبیب نے وہ دوا تجویز کی ہو، اسی طرح زخموں کی خارجی صفائی، جراثیم کو مارنے نیز تیلوں اور کریم وغیرہ میں بھی الکحل کا استعمال جائز ہے۔(۳)

---

(۱) الموسوعة الطبية الفقهية ، مادہ خنزیر :۴۴۴

(۲) فتاوی حقانیة: ۲/ ۳۹۷بحوالہ جدید مسائل کا حل:۴۸۳

(۳) مکہ اکیڈمی کے فیصلے:۴۱۰، ایفا پلشرز، دہلی

بعض دیگر نشہ آور مواد کا استعمال اور ان کے احکام:

دوا سازی میں بعض نشہ آور مواد استعمال کیا جاتا ہے جیسے مورفین، کوکائین، ہیروئین، کودائین، یہ چونکہ نشہ آور ہوتے ہیں اس لئے اس کے استعمال کی ممانعت پر فقہاء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

"افیون اور یہ بھنگ یہ شراب سے زیادہ خبیث ہیں چونکہ یہ عقل اور مزاج دونوں کو بگاڑ دیتے ہیں، اور اس کے اندر عورتوں کے سے اطوار و عادات پیدا ہو جاتے ہیں" (۱)

مسہر ادویہ کا استعمال:

طلبہ مطالعہ کے لئے اور ڈرائیور جاگنے کے لئے جو مسہر ادویہ استعمال کرتے ہیں یہ حرام ہیں اس لئے کہ اس کا نقصان نفع سے بڑھ کر ہے، جو چیز ایسی ہو وہ حرام ہوتی ہے۔ (۲)

دواؤں کا تجربہ کرنا:

دوا کے پاس اور کامیاب ہونے کے لئے اسے کئی ایک مراحل سے گذرنا پڑتا ہے پھر معدودے چند انسانوں پر پھر اس کے بعد اس کو میڈیکلوں میں اسٹور کیا جاتا ہے۔

کیا حیوانوں پر دواؤں کا تجربہ کیا جاسکتا ہے؟

اگر اس میں مصلحت اور منفعت کا پہلو ہو تو جائز ہے؛ لیکن اس میں حیوان کی رعایت کرنا حیوان پر کم از کم نقصان سے مطلوبہ نتائج تک پہونچنے کی کوشش کرنا ہوگا۔

شیخ ابن العثمین سے طب اور دوا سازی کی ترقی کے لئے حیوانوں پر تجربہ اور بحث وریسرچ کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے جواب دیا میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ

(۱) رد المحتار: ۲۹۴/۵ (۲) من فتاوى اللجنة الدائمة

إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴾ (البقرہ:۲۹)

لیکن اس تجربہ میں آسان تر اور جانور کو تکلیف نہ ہو ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

انسانوں پر دواؤں کے تجربہ کے احکام:

انسان پر دواؤں کا تجربہ کرنا جب وہ حد سے نقصان دہ نہ ہو، اور اس شخص کی اجازت ہو تو جائز ہے۔ اس شرعی قاعدہ کی وجہ سے "إن الضرر الأشد يزال بالضرر الأخف" (زیادہ نقصان کے بدلے کم نقصان کو برداشت کیا جائے گا، اور اگر اس سے بے انتہاء نقصان پہونچ سکتا ہو تو اس صورت میں اس کی رضا مندی کے ساتھ بھی ان تجربات کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

اللہ عز وجل کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾

(النساء:۱۹۵)

حق تصنیع کو محفوظ کرنا:

نئی نئی دواؤں کو دریافت کرنے، اور اس کی تحقیق و تفتیش اور اس کو ایجاد کرنے کے لئے بے انتہا محنت اور بڑا سرمایہ درکار ہوتا ہے۔

تو کیا اس دوا بنانے والے شخص یا کمپنی کو اس دوا کے حق تصنیع کو محفوظ کرنے کا حق ہوگا؟

اس بارے میں ظاہر قول تو یہی ہے کہ دوائی دریافت کرنے والی کمپنی کو اس کے حق تصنیع کو محفوظ کرنے کا اختیار ہے۔

مجمع الفقہ الاسلامی کی قرارداد:

"تجارتی نام، تجارتی نشان (لوگو) تجارتی عناوین حق تالیف وحق تصنیع یہ حقوق خاص ان لوگوں کے ہوتے ہیں جنہوں نے اسے ایجاد کیا ہو،

موجودہ دور میں اس کی مالی قیمت بھی ہوتی ہے کیوں کہ اس دور میں حقوق بھی مال شمار ہوتے ہیں، ان حقوق کا شریعت اعتبار کرتی ہے، لہذا ان حقوق پر کسی کو زیادتی کرنے کا حق نہ ہوگا۔ حق تالیف وحق اختراع یہ بھی شرعی طور پر قابل حفاظت ہیں اور ان حقوق والوں کو اس میں تصرف کا حق حاصل ہے، اس پر زیادتی یا دست درازی جائز نہیں'' (۱)

اسی طرح لجنۃ الدائمۃ نے بھی یہ فتوی دیا ہے۔ (۲)

کمپنیاں اپنے پروڈکٹ پر جو تنبیہات لکھتی ہیں:

کمپنیاں اپنی دوائی کے ڈبہ پر یا اس کے ساتھ ایک چٹھی منسلک کرتی ہیں جس میں دوا کے استعمال کے بارے میں رہنمایانہ باتیں اور ہدایات ہوتی ہیں، اور دوا کے نفع بخش اور نقصان دہ پہلوؤں کی وضاحت درج ہوتی ہے۔ اس کا مقصود ڈاکٹر، اور مریض کو دوا کی طبیعت سے آگاہ کرنا ہوتا ہے تاکہ دوا کے غلط استعمال کے بعد ہونے والے نقصان کی ذمہ داری کمپنی پر نہ ہو بلکہ خود ڈاکٹر یا مریض پر ہو۔

یہ گویا ایسا ہے جیسے عقد بیع میں مبیع کے عیوب کو بتلانا یعنی کمپنی اس کے نقصان دہ پہلو کو بتلا کر اپنی براءت کا اظہار کرتی ہے اس کے بعد بھی اگر کوئی خریدتا ہے تو اس کے نقصان کا وہ خود ذمہ دار ہے۔ ابن ہمام کہتے ہیں کہ: " العلم بالعيب عند البيع أو القبض مسقط للرد أو الأرش " (۳) بیچنے کے وقت یا قبضے کے وقت عیب کا علم یہ واپسی اور ارش کو ساقط کرتا ہے۔

دوا استعمال کرنے والے کو نقصان ہو جائے تو ذمہ دار کون؟

اگر یہ نقصان طبی ہدایات میں درج شدہ نقصانات کی قبیل سے ہے تو نقصان کی ذمہ داری دوا بنانے والی کمپنی پر نہ ہوگی؛ بلکہ ڈاکٹر اس کا ذمہ دار ہوگا۔ اور اگر وہ نقصان

---

(۱) قرارات وتوصيات مجمع الفقه الإسلامی :۴۹

(۲) فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء :۱۸۷/۱۳

(۳) الموسوعة الكويتية :۱۲۳/۲۰

کمپنی کے تنبیہات میں شامل نہیں ہے تو دوا بنانے والی کمپنی اس کی ذمہ دار ہوگی۔

دوا بنانے والوں نے اپنی وسعت بھر کوشش کی، اور اس سلسلہ کی پوری جانکاری رکھتے تھے انہوں نے غلطی کا ارادہ بھی نہیں کیا ان کے اوپر ضمان نہ ہوگا۔؛اس لئے کہ سرچ اور جانچ کرنے والوں نے اپنے لئے کچھ نہیں کیا، انہوں نے کمپنی کے مفاد کے لئے اور اس کے اخراجات پر کام کیا ہے، جس طرح تجارت پر کمپنی کو نفع حاصل ہوگا، اسی طرح اس کے نقصان کا تاوان بھی اسی کو دینا ہوگا، اور یہی عدل کا تقاضہ ہے۔(۱)

جن لوگوں نے اس دوا کے چلانے کی اجازت دی، ان پر بھی نقصان کی ذمہ داری نہ ہوگی، اس لئے کہ ان کی اجازت کمپنی کے پیش کردہ دلائل کی روشنی میں ہے، اس بارے میں ان کی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی۔(۲)

دوا بنانے والے پر نقصانات کا ذمہ دار کون ہے؟

دواسازی میں بے شمار خطرات ہوتے ہیں، دواساز کمپنیوں میں دواساز نقصان وحوادث سے دوچار رہتے ہیں اگر اس نقصان میں کسی دوسرے کا عمل دخل تھا تو اس غلطی کرنے والے پر ضمان ہوگا، خواہ اس نے غلطی جان بوجھ کر نہ کی ہو۔

شرعی قاعدہ ہے:"المباشر ضامن وان لم يتعمد أويتعدّى" (۳)

اور اگر وہ نقصان خود دواساز کی غلطی سے واقع ہوا ہے تو کسی دوسرے پر ضمان نہ ہوگا۔

ابن تیمیہؒ کہتے ہیں:"ومن أمر عاقلاً أن ينزل بئراً أويقعد شجرة فهلك بذلك لم يضمنه" (سبب بننے کی وجہ سے اسی طرح ضمان واجب ہوتا ہے جیسے براہِ راست اس عمل کو انجام دینے سے واجب ہوتا ہے)۔(۴)

دواساز کمپنیوں کے ہدایا کے احکام

بعض مرتبہ کمپنیاں طبی اداروں اور ڈاکٹرس کے لئے اپنی طرف سے خصوصی منافع

---

(۱) احکام الادوية فی الشريعة الاسلامية:۲۸۱ رسالة دكتوراة حسن بن احمد حسن الفكی

(۲) أحكام الأدوية فی الشريعة الإسلامية: ۲۸۲ (۳) الأشباه لا بن نجيم:۲۸۴

(۴) المحرر فی الفقه لا بن تيمية :باب مايوجب الدية فی النفس: ۱۳۸/۲مكتبة المعارف الرياض

کی (ہدایا کی شکل میں) پیشکش کرتے ہیں:

۱- اگر ان ہدایا کا مقصود کمپنی کی مارکٹنگ اور کمپنی کے مفاد میں کام کرنا ہے، اس کی پرواہ کے بغیر کہ کونسی دوا مریض کے لئے زیادہ بہتر ہے، اس کمپنی کی مخصوص دوا تجویز کی جائے جب کہ مارکٹ میں اس کے مقابل دیگر دوائیں اس سے سستی اور زود اثر ہیں، تو اس طرح کے ہدایا کا لینا ڈاکٹرس کے لئے جائز نہیں۔

اس لئے کہ اس میں مندرجہ ذیل مفاسد ہیں:

۱) ڈاکٹر کی جانب سے امانت میں خیانت، پیشہ طب جو کہ نہایت ہی اخلاص کا طالب ہے مریض کے ساتھ ہمدردی اور حسن سلوک جسکا اخلاقی فریضہ ہے، یہاں ڈاکٹر نے کمپنی کے مفاد کے خاطر مریض کے ساتھ بددیانتی کی ہے اور اس آیت کے بموجب خیانت ناجائز ہے۔ (الأنفال:۲۷)

۲) ان ہدایا کا مقصد کبھی یہ ہوتا ہے کہ ذمہ دار ادارے بعض حفظ وسلامتی سے متعلق جو شرائط ہیں اس سے چشم پوشی کرلیں اگر حفظ وسلامتی سے متعلق یہ تمام شرطیں ذمہ دار اداروں کی جانب سے طئے شدہ ہیں تو اس میں کمی وکوتاہی پر پردہ ڈالنے کے لئے ان ہدایا کا لینا، دینا رشوت کے قبیل سے ہے، اور رشوت دینے اور لینے دونوں سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

طبی اداروں اور ڈاکٹرس پر بعض کمپنیوں کے حقوق ہوتے ہیں جن کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ پس اگر یہ طبی ادارے، اور ڈاکٹرس ان حقوق کی رعایت کے لئے کمپنی سے ہدایا کی شرط رکھیں تو ہدیہ دینا اور لینا دونوں ناجائز ہے اس لئے کہ یہ بھی رشوت ہے اور ناحق مال لینا ہے۔

اور اگر اس حق کو حاصل کرنا بغیر مال دیئے ہوئے ممکن نہ ہو تو جمہور علماء احناف، شوافع، مالکیہ، حنابلہ کے نزدیک دینا جائز ہے۔

کمیشن کے احکام

ڈاکٹر کا مریض کو کسی مخصوص لیبارٹری یا ہسپتال کی طرف بھیجنے پر کمیشن وصول کرنا چند شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

۱ اپنے فہم وتجربہ کی روشنی میں ان کی طرف بھیجنا مریض کے لئے زیادہ مفید اور زیادہ تسلی بخش سمجھتا ہو۔

۲- انہیں سے علاج یا ٹسٹ کروانے پر مریض کو مجبور نہ کیا جائے۔

۳- کمیشن فیصد کے اعتبار سے یا متعین رقم کی صورت میں طئے ہو۔

۴- کمیشن ادا کرنے کی وجہ سے لیباٹری یا ہسپتال والے مریض سے علاج اور ٹیسٹ کے سلسلہ میں کسی قسم کا دھوکہ نہ کرتے ہوں۔

۵- اس کمیشن کی ادائیگی کا بوجھ ریٹ بڑھا کر مریض پر نہ ڈالا جائے؛ بلکہ کمیشن دینے والے حاصل شدہ نفع سے کمیشن ادا کریں۔

٦- مریض کو بلا وجہ اور ضرورت سے زائد ٹسٹ لکھ کر نہ دیئے جائیں۔

اگر ان شرائط کا لحاظ نہیں کیا جاتا تو پھر ڈاکٹر کے لئے کمیشن وصول کرنا اور لیبارٹری یا ہسپتال والوں کا کمیشن دینا جائز نہیں۔

اسی طرح ڈاکٹر کا کس مخصوص کمپنی کی دواء مریض کو لکھ کر دینا، پھر دواساز کمپنیوں سے کمیشن ودیگر مراعات حاصل کرنا جائز ہے، جب کہ ڈاکٹر کمیشن وصول کرنے کی خاطر غیر معیاری وغیر ضروری اور مہنگی ادویات تجویز نہ کرے، کسی دوسری کمپنی کی دواء مریض کے لئے زیادہ مفید سمجھتے ہوئے خاص اس کمپنی ہی کی دوا تجویز نہ کرے، دواساز کمپنیاں ڈاکٹر کو دیئے جانے والے کمیشن تحفہ اور مراعات کا خرچہ مہنگی کر کے مریض سے وصول نہ

کریں، کمیشن تحفہ ومراعات کی ادائیگی کا خرچہ وصول کرنے کے لئے ادویات کے معیار میں کمی نہ کرے۔(۱)

مختلف دواساز کمپنیوں کی طرف سے دیئے گئے تحائف ڈاکٹر کے لئے لینا جائز ہے یا نہیں؟

اس بارے میں دارالعلوم کراچی کا فتوی:

سوال: ادویات ساز کمپنیاں ڈاکٹر حضرات کو مختلف اقسام کے تحائف دیتی ہیں تو:

(۱) کیا یہ تحائف لینا جائز ہے (۲) کیا یہ تحائف لے کر کسی غریب کی مدد کی جاسکتی ہے؟

جواب: ڈاکٹر کے لئے یہ تحائف جائز نہیں بشرطیکہ ان تحائف کی وجہ سے ڈاکٹر مریض کو غیر معیاری یا مہنگی دوائی لکھ کر نہ دیتا ہو، ورنہ یہ تحائف نہیں ہوں گے بلکہ رشوت ہوگی ڈاکٹر کے لئے یہ لینا جائز نہ ہوگا۔

جواز کی صورت میں یہ تحائف ڈاکٹر خود بھی استعمال کرسکتا ہے اور اپنی مرضی سے کسی غریب مریض کو بھی دے سکتا ہے۔

فتوی ۱۸، اس فتوی میں محمد کمال الدین راشدی اور عبدالرؤف سکھروی نائب مفتی دارالعلوم کراچی کی دستخطیں ثبت ہیں۔(دارالافتاء دارالعلوم کراچی)

علمی اسفار اور کانفرنس میں شرکت:

بعض کمپنیاں علمی اسفار اور کانفرسوں کے انعقاد کے بوجھ کو برداشت کرتی ہیں، اگر اس کا مقصد کمپنی کا اشتہار اور ڈاکٹروں کو اپنے مفاد میں کام کرنے کے لئے لینا ہے تو یہ ناجائز ہے۔

ڈاکٹر کو مریض کی مصلحت اور مفاد پیش نظر رکھنا چاہیے نہ کہ کمپنی کے مفاد کو۔(۱)

ہاں اگر اس کا مقصود تشہیر اور اعلان نہ ہو بلکہ کمپنی کے بجٹ میں کچھ حصہ اس طرح کے علمی سیمیناروں، اور کانفرنسوں کے لئے مختص ہو تو اس طرح کی کانفرنس میں شرکت میں کوئی حرج نہیں ہے۔

---

(۱) جدید مسائل کا حل: ۴۹۵

(۲) الفتاوی الطبیبه المعاصرة، عبدالرحمن الجرعی: ۹۸ مؤسسة الأئمة للنشر والتوزیع الریاض

علمی واکتشافی ریسرچ اور کھوج کی مالی امداد اور طب سے متعلق کانفرنسوں کا تعاون جب کہ اس سے تجارتی پروپیگنڈہ، اور اشتہار واعلان جیسے مفادات کا حاصل کرنا مقصود نہ ہوتو اس طرح کے کاموں کے لئے طب کے میدان میں کارکرد کمپنیوں سے ہدایا اور مالی تعاون لینا حرام نہیں ہے، بلکہ اصل اباحت ہے، نیکی کے کام میں تعاون ہے۔ (المائدۃ:۲) اسی طرح کمپنی کا مقصود غریبوں محتاجوں کا تعاون اور ان کے علاج ومعالجہ میں شرکت ہوتا ہے تو یہ بھی تعاون علی البر کی قبیل سے ہو کر جائز ہوگا۔

دواؤں کی تشہیر کے اصول واحکام:

طبی میدان میں کام کرنے والے جو سامان اور طبی خدمات ایجاد کریں اس کی تشہیر مختلف ذرائع ووسائل سے کرنا؛ تاکہ لوگوں میں اس کا تعارف ہو اور انہیں اس کے منافع سے آگاہ کیا جائے۔

حکم: اصلاً معاملات حلال ہیں ہاں البتہ اس کے خلاف کوئی دلیل موجود ہو۔

اس لئے اگر اس میں کسی بھی طرح کے حرام اور ناجائز چیزوں کا ارتکاب نہ کیا جارہا ہوتو یہ جائز ہے۔ اور اگر اس میں کسی حرام یا ممنوع چیز کا ارتکاب کیا جائے جیسے گانے بجانے کے آلات یا بے پردہ عورتوں کے ذریعہ اشتہار یا ستر عورت کے بغیر اشتہار یا حرام ذرائع کے ذریعہ اعلان یا کفار سے مشابہت یا اسلام مخالف عادات کا اشتہار۔ (۱)

یا اس میں لوگوں کے امراض اور اسرار اور عزتوں سے کھلواڑ کیا گیا ہو۔ (۲)

یا اس میں اس دوا کے علاوہ دیگر اسباب شرعیہ نیز حضور ﷺ سے منقول علاج ومعالجہ پر ردوقدح کیا گیا ہوتو ناجائز ہے۔

علاوہ ازیں اعلان میں یہ بات واضح رہے کہ اس چیز کے مشمولات وخصائص اس کے بنانے کی تاریخ، اس کے استعمال کا طریقہ، اس کی مقدار، اس کی قیمت وغیرہ بالکل دوٹوک انداز میں بیان کئے گئے ہوں۔

---

(۱) إعلام الموقعين :۳۰۸-۳۱۴

(۲) ترمذی: باب ماجاء فی تعظیم المؤمن، حدیث:۳۰۳۲

جڑواں بچوں (twin) چپکے ہوئے) کے احکام

نماز اور دیگر فرائض کی ادائیگی

تو یہاں جڑواں دو اشخاص کے سلسلے میں جو کہ ہر اعتبار سے ایک دوسرے سے علاوہ علاحدہ ہیں، خواہشات، جذبات، اعضائے جسمانی وغیرہ میں ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں، میں ان کی نماز اور دیگر فرائض کی ادائیگی جو کہ ان کی دوسرے کی رضامندی پر موقوف ہوتی ہے تو اس سلسلے کا حکم یہ ہے کہ:

۱- اگر یہ شرعی احکام فرائض سے تعلق رکھتے ہیں جیسے نماز کی ادائیگی، روزہ کا رکھنا اور حج کا کرنا وغیرہ تو صرف ایک کے نماز کے راضی ہونے پر دوسرے کے لئے بھی نماز کا ادا کرنا ضروری ہوگا، اور اس کا نماز کی ادائیگی میں تعاون کے مثل ہوگا؛ چونکہ ایک کی نماز کی ادائیگی دوسرے پر موقوف ہے اور اس سلسلے میں دوسرے کو مجبور کیا جائے گا۔

۲- اگر کوئی ایسی چیز یا حکم ہے جو ایک شخص کے ذمہ تو واجب ہے؛ لیکن دوسرے کے نہیں، مثلاً کسی نے نذر مانی کہ میرے اس کام کے ہونے پر اتنی رکعت نماز ادا کروں گا تو دوسرے کے لئے اس کی موافقت ضروری نہیں۔

۳- جو امور سنن و مستحبات اور ترکِ مکروہات سے تعلق رکھتے ہیں تو اس میں ایک دوسرے کی موافقت ضروری نہیں۔

۴- اور جو امور افضل اور مفضول اور جواز کے درجے میں تقدیم و تاخیر کے پہلو رکھتے ہیں تو یہاں اخف اور ہلکے پہلو رکھنے والے کی رائے کو ترجیح دی جائے گی، چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز وغیرہ میں بھی ضعیف اور کمزور کی رعایت کا حکم دیا ہے، اس لئے ان دونوں میں سے جو نرم پہلو کو اختیار کرنا چاہتا ہے اس

کے قول وعمل کو ترجیح ہوگی۔

۵- اور اگر دونوں کسی ایسے معاملے میں اختلاف کریں جس میں دونوں پہلو برابر ہوں تو اس بارے میں ان کی آپسی مصالحت پر اعتماد کیا جائے گا۔(۱)

جڑواں (چپکے ہوئے) اشخاص کی حین حیات اور بعد وفات علاحدگی کے احکام:

۱) اگر دو مسلمان ماہر اور عادل طبیب یہ کہیں کہ ان کو علاحدہ کرنے کا نقصان ان کے یکجا رہنے کے نقصان سے کم تر ہوگا تو اس وقت ان دونوں کو علاحدہ کیا جائے گا اور اگر ان کے علاحدہ کرنے کا نقصان ان کے یکجا رہنے سے بڑھ کر ہو تو علاحدہ نہ کیا جائے گا۔اس کے علاوہ علاحدہ کرنے کے جواز کی صورت میں ان کے اولیاء اس کے اخراجات کے برداشت کرنے کی بھی صلاحیت رکھتے ہوں، یا کوئی امدادی تنظیم کے تعاون سے یہ عمل انجام دیا جائے گا۔

۲) ان کی وفات کے بعد ان کے علاحدگی کے احکام:

چونکہ مردوں کو غیر شدید ضرورت کے ایک قبر میں نہ دفنانا اور اسی طرح ان کا رخ قبلہ ہونا ان امور کی بھی رعایت کا شریعت نے حکم کیا ہے(۲) اگرچہ بعض لوگوں نے ان دونوں اشخاص کو مرنے کے بعد علاحدہ کرنے کا مثلہ کے مانند قرار دے کر علاحدہ کرنے سے منع کیا ہے، لیکن اس سلسلے میں راجح قول یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کو اگر اس طور پر علاحدہ کرنا ممکن ہو کہ اس کا اثر جسم کے اندرون پر نہ پڑے تو ان کو علاحدہ کیا جائے گا اور علاحدہ قبلہ رو دفن کیا جائے گا چونکہ اس صورت میں ان کے ساتھ چھیڑ خانی کی ضرورت نہ ہوگی اور نہ ہی میت کا مسخ ہوگا، اگر یہ کچھ اعضاء میں مشترک ہوں تو اس صورت میں جس کی وجہ سے علاحدہ کرنے کے لئے کافی کاروائی کرنی ہوگی تو ایک ساتھ دفن کردیں گے۔(۳)

---

(۱) أحکام التوائم الملتصقة :۳۰،فیصل سعید بالعمش

(۲) حاشیه قلیوبی وعمیرة: ۱/۴۰۰،المبسوط للسرخسی: ۲/۴۷،بدائع :۱/۳۱۹

(۳) حاشیة علي تحفة المحتاج ، للعبادی: ۳/۱۷۲،حاشیة علی نهایة المحتاج للشرنبلالی:۲/۴۷

۳) اگر ان میں سے کسی ایک کے بدن کو نجاست لگ جائے اگر وہ اس کے ازالے پر قادر ہے تو اسکے ساتھ نماز درست نہیں، اگر قادر نہ ہو تو درست ہے۔(۱)

رہی جمعہ کی نماز تو اس سلسلے میں وہ دونوں آپس میں مصالحت کریں گے ایک ہفتہ وہ جمعہ جماعت سے ادا کرے گا اور دوسرا دوسرے ہفتہ، دوسرا ظہر ادا کرے گا، اسی طرح عیدین کے سلسلے میں۔اسی طرح جماعت سے نماز تو اس سلسلے میں بھی مثلا ایک ایک دن وہ آپسی مصالحت سے جماعت سے نماز ادا کریں گے اور دوسرا تنہا۔

۴) دو جڑے ہوئے اشخاص کے مابین نکاح پہلے اس ثبوت پر موقوف ہے کہ وہ نکاح کی استطاعت اور نکاح کے جذبات میں ایک دوسرے سے علاحدہ ہیں، لیکن ان دونوں کے مرد ہونے کی صورت میں نکاح کی صورت میں ان کے لئے ستر اور پردہ پوشی کا مسئلہ ہو جائے گا اس لئے بعض اہل علم نے ان کے نکاح کو حرام قرار دیا ہے چنانچہ ابن قیم نے اس حوالہ سے امیر المومنین کا واقعہ نقل کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ "لا یکون فرج فی فرج وعین تنظر" ایک آنکھ کے دیکھتے ہوئے دو اشخاص کے درمیان صحبت نہیں ہو سکتی۔(۲) اور ان دونوں کے عورت ہونے کی صورت میں دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا لازم آئے گا، اس صورت میں حضرت اشرف علی تھانویؒ نے بھی عدم جواز کا ہی فتوی دیا ہے کہ ان کا خنثی مشکل کا حکم ہے۔(۳)

لیکن اگر ان کو نکاح کی اجازت نہیں دی جاتی ہے تو پھر ان کے معصیت اور گناہ میں مبتلا ہونے کا امکان ہے جو ان کے ایک دوسرے کے نکاح کی صورت میں نظر اور کامل ستر کے نہ پائے جانے کے گناہ سے بڑھ کر ہے۔

۵) ان میں سے کوئی ایک حد یا قصاص میں ماخوذ ہو تو دوسرے پر نقصان درپیش

---

(۱) الام للشافعی :۱/۱۱۰ (۲) الطرق الحکمیۃ لابن قیم :۸۴

(۳) امداد الفتاوی:۲/۲۵۰۔۲۵۱،مقالۃ برہان الدین السنبھلی، التوأم المتلاصق:۷

ہوسکتا ہے، جرم کے مرتکب کو تو سزا دی جائے گی لیکن اس سے دوسرے کو بھی تکلیف ہوگی، اگر قتل یا حد کے جرم میں دونوں شریک ہیں تو ان پر حد کے نفاذ کے سلسلہ میں کوئی مسئلہ نہیں، لیکن صرف ایک کے قتل یا قصاص یا حد والے جرم میں مبتلا ہونے کی صورت میں دوسرے کو ضرر لاحق ہونے کے اندیشہ سے حد اور قصاص نہیں لیا جائے گا؛ بلکہ اس کے بدل دیت دی جائے اور زنا، چوری وغیرہ کے ارتکاب کی صورت میں صرف ایک کے اس میں ملوث ہونے کی وجہ سے اور دوسرے کے مجرم نہ ہونے کی وجہ سے ان سے حد ساقط ہو جائے گی۔(۱)

جڑواں بچوں (twin) کے احکام:

۱- حنفیہ اور مالکیہ اور حنابلہ کا راجح قول یہ ہے کہ جڑواں بچوں کی ماں کے نفاس کی مدت کی شروعات پہلے بچہ کی ولادت سے شروع ہوتی ہے، چونکہ جو خون پہلے بچے کے پیدائش کے بعد دیکھتی ہے یہ ولادت کے بعد کا خون ہے جو کہ نفاس کا خون ہے۔

بعض حنابلہ کہتے ہیں کہ: نفاس کے مدت کی شروعات تو پہلے لڑکے کی ولادت سے ہوتی ہے، لیکن اختتام دوسرے لڑکے کی ولادت سے شمار ہوگا، یعنی پہلے لڑکے کی ولادت سے عورت نفاس والی شمار ہوگی؛ لیکن نفاس کی مدت (چالیس دن) اس کا شمار دوسرے لڑکے سے کیا جائے گا، اس طرح جو عورت دو لڑکے جنے اس کی مدت نفاس چالیس دن سے بڑھ جائے گی۔

شوافع کے یہاں دونوں جڑواں بچوں کے درمیان آنے والا خون یہ حیض کا خون شمار ہوگا اور نفاس کی مدت دوسرے بچے کی ولادت کے بعد سے ہوگا۔

۲- جو ایک بچے سے حمل ہے اس عورت کی عدت اس بچے کی پیدائش سے ختم ہو جائے گی اور جو جڑواں بچوں کی حاملہ کی عدت جمہور کے نزدیک دوسرے بچے

(۱) أحکام التوائم الملتصقہ: ۴۵

کی ولادت سے ختم ہوگی ؛ چونکہ عدت کے ختم ہونے کا اعتبار یہ رحم کی براءت اورفراغت سے ہوتا ہے۔(۱)

ڈاکٹر کا مریض کے علاج سے رک جانا، اثرات واحکام:

اگرکوئی مریض قریب الہلاک ہوتو اس کے لئے ابتدائی طبی امداد فراہم کرنا اور ہلاکت سے بچانا ضروری ہے، اگرکوئی شخص بموجب شرع ایک جان کو بچاتا ہےتو وہ ﴿فَكَأَنَّمَا أَحۡيَا النَّاسَ جَمِيۡعاً﴾ (المائدہ:۳۲)اور یہ تمام علی البر(نیکی میں تعاون) کے قبیل سے ہے جس کی ترغیب قرآن نے کی ہے،(المائدۃ:۲)اوراحادیث میں کسی شخص سے تکلیف کودورکرنے پرثواب جزیل کاوعدہ کیا گیاہے،اس معنی پر بےشمارروایتیں ہیں۔

اس سلسلے میں فقہاء کی یہ عبارتیں بھی دلالت کرتی ہیں:

فقہاء کا اس سلسلہ میں اتفاق ہے کہ قریب بہلاکت انسان کو بچانا واجب ہے ،جیسے کسی کے ساتھ کھانا ہواور کسی شخص کو اس کی سخت حاجت درپیش ہوتو اس کو اس کھانے کا دینا ضروری ہوگا، ایسے ہی اگرکوئی شخص کسی اندھے کوکنویں کی طرف جاتے ہوئے دیکھے یا کوئی انسان ڈوبنے کے قریب ہو، اگر وہ اس کو بچانے کی قدرت رکھتا ہواور کوئی اور نہ ہوتو اس کا بچانا واجب عین ہے اورضروری ہے۔اور دوسرے لوگ بھی وہاں موجود ہوں تو ان تمام پراس کا بچانا فرض کفایہ ہے، اگرکوئی ایک بھی اس کو بچانے کے لئے اقدام کرتا ہےتو باقی لوگوں کا حق ساقط ہوجائے گا، ورنہ تمام گنہ گار ہوں گے(۲۱) چونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشادگرامی ہے:"جس خاندان میں ایک آدمی بھی بھوکا رہےتو اللہ عزوجل کا ذمہ اس سے بری ہے""بات فیھم امرء جائع فقد برئت منه ذمة الله" (۳)اورحضوراکرم ﷺ کا یہ بھی ارشادگرامی ہے"تین اشخاص وہ ہیں جن سے اللہ عزوجل روزِ قیامت بات نہ فرمائیں گے، اورنہ ان کی جانب نظر کریں گےاورنہ ان کا تزکیہ کریں گے، اوران کے لئے دردناک عذاب ہوگا، ان میں

---

(۱) الموسوعة الطبية الفقهية :۲۲۶ (۲) حاشیه ابن عابدین :۴۴۰/۱،المبسوط : ۲۷۱/۳۰

(۳) مسند احمد : مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب ،حدیث:۴۸۸۰

سے ایک وہ شخص ہے جس کے پاس جنگل میں زائد پانی ہو اور اسے مسافر کو نہ دے "یمنع منه ابن السبیل "(۱)

ان روایات اور فقہاء کی عبارت کے بموجب اگر کسی شخص کو جلدی علاج کی ضرورت ہو تو اس کا علاج فراہم کرنا علاج جاننے والوں پر ضروری ہے، اگر کوئی شخص اس کے علاج ومعالجہ کو انجام دے تو ساروں کے ذمہ سے فرض ساقط ہو جائے گا ورنہ سبھی گناہ گار ہوں گے۔

جن احوال میں طبیب کا علاج ومعالجہ سے رکنا درست نہیں:

۱- جب وہ ڈاکٹر کسی ہاسپٹل میں ڈیوٹی انجام دیتا ہو اور مریض دواخانہ آئے؛ لہٰذا جو ڈاکٹر کسی ادارہ صحت میں بطور نوکری اور ڈیوٹی کے کام کرتا ہو تو اس کا علاج ومعالجہ سے رکنا درست نہیں، چونکہ اس نے اپنی ڈیوٹی کے ذریعے وہاں آنے والے مریض کے علاج کی ذمہ داری لی ہے۔

۲- ایسے ہی مریض کا کوئی ذاتی کلینک ہو اور یہ علاقہ دوسرے دواخانوں سے دور واقع ہو تو وہاں اس علاقہ کی مریضوں کی ضروریات کا لحاظ بھی ضروری ہے، تو ایسی صورت میں بھی کسی عذر شرعی کے بغیر ذمہ داری سے بری نہیں ہوگا۔

۳- اسی طرح استثنائی احوال مثلاً جنگ اور وبائے عام کے وقت بھی کسی طبیب علاج ومعالجہ سے رکنا درست نہیں، ایسی صورت میں تو تمام اطباء پر علاج ومعالجہ کا عمل فرض عین ہو جاتا ہے۔

۴- ابتدائی طبی امداد کے وقت مثلاً کوئی شخص سڑک پر زخمی حالت میں پڑا ہوا ہے تو اس کا ان ایمرجنسی حالت میں اپنی طبی خدمات کو پیش کرنا ضروری ہوگا۔

ان احوال میں طبیب کا علاج ومعالجہ سے رکنا درست نہیں ورنہ تو اپنی کوتاہی کا جواب دہ ہوگا۔

جن احوال میں طبیب کا علاج ومعالجہ سے رکنا درست ہے:

(۱) بخاری : باب الیمین بعد العصر ، حدیث:۲۵۲۷

۱- جب کہ مریض ڈاکٹر کی ہدایات پر عمل پیرا نہ ہو۔

۲- جب کہ مریض دوسرے ڈاکٹر سے پہلے ڈاکٹر کی رائے کے بغیر رجوع کرلے۔

۳- وہ کسی کے ماتحت ہو یا کسی ایمرجنسی کام میں مصروف ہو تو یہ بھی اس کے لئے عذر شرعی ہے۔

۴- علاج کرنے پر خود ڈاکٹر کو نقصان یا تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس وقت بھی اس کا علاج نہ کرنا عذر شرعی ہے۔ اگر اس کو پہنچنے والا یہ نقصان بالکل معمولی ہو جو مریض کو پہنچنے والے نقصان سے کم ہو تو علاج کرنا ضروری ہوگا۔

۵- ڈاکٹر کسی دوسرے مریض کے علاج میں مصروف ہو اور اس مریض کی حالت کے سخت ہونے کی وجہ سے اس کا علاج ترک کرنا ممکن نہ ہو۔

۶- خود ڈاکٹر بیمار ہو یا جہاں مریض ہے وہاں تک پہنچنا ممکن نہ ہو۔

۷- یا مریض دوسرے ڈاکٹر کا انتظام کرسکتا ہو جو آکر اس کا علاج کرسکتا ہو۔(۱)

کیا علاج کے ترک پر طبیب پر ضمان واجب ہوگا؟

کیا اس طبیب پر ضمان واجب ہوگا جو باوجود استطاعت علاج کے علاج نہ کرے تو اس سلسلے میں دو قول ہیں:

۱) جمہور فقہاء کا جس میں حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی ایک روایت کے مطابق اس پر ضمان واجب نہ ہوگا، کیونکہ طبیب کے علاج کے ترک کرنے سے اس کی موت واقع نہیں ہوئی اور نہ ہی طبیب نے کوئی براہ راست یا بالواسطہ کوئی ایسا عمل کیا کہ اس کی موت واقع ہو؛ ہاں البتہ وہ گنہ گار ہوگا۔(۲)

۲- دوسرا قول یہ ہے کہ طبیب پر ضمان واجب ہوگا، یہ مالکیہ اور حنابلہ، ابن حطاب حنبلی اور نووی وغیرہ کی رائے ہے۔(۳)

---

(۱) امتناع الطبيب عن العلاج بين الشريعة والقانون : مقالة الدكتور عبد الله بن ابراهيم الموسى : مجلة الشريعة والقانون ، العدد الرابع والأربعون ، ذوالقاعدة :۱۴۳۱ھ، اکتوبر:۲۰۱۰ء

(۲) المبسوط :۲۷۱/۳۰، الفتاوى الهندية :۳۳۸/۵

(۳) الامتناع عن إسعاف المريض :۱۲۸، اعداد ، د ، هالة بنت محمد بن حسين جتنية

معذورین کے مسائل

شریعت کی اصل بنیاد میں ہی آسانی اور سہولت شامل ہے، جب مکلّف میں تخفیف اور رخصت کے اسباب اور وجوہات پائے جائیں گے تو اللہ عزوجل کی جانب سے تخفیف ہوگی، اور احکام کے سلسلے میں اس کے لئے آسانی پیدا کی جائے گی، جیسا کہ اس بارے میں نصوصِ شرعیہ سے پتہ چلتا ہے۔

جن اسباب سے سہولت اور آسانی آتی ہے انہیں میں سے بیماری بھی ہے جو انسان کے لئے اس کے اعمال میں رکاوٹ بنتی ہے، جیسے آپریشن میں مریض کو بعض عبادات سے رکنا پڑتا ہے، اور ان اعضاء کے اپنے طبعی اور فطری حالت میں آنے تک بعض عبادات کے ارکان کو ترک کرنا پڑتا ہے، یہ سب اس واسطے ہوتا ہے کہ اس آپریشن سے جو شفاء اور علاج مطلوب ہے وہ اللہ کے حکم بجلد حاصل ہو جائے۔

عبادات سے متعلق جو رخصتیں ہیں، جس کی مریض کو آپریشن کے بعد ضرورت پڑتی ہے کچھ تو طہارت سے متعلق ہیں اور کچھ نماز سے اور کچھ روزہ سے اور کچھ حج سے۔

طہارت کی رخصتیں:

اصل اس بارے میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿اِنْ كُنْتُمْ مَرْضٰىٓ اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا ......﴾

(المائدة :٦)

اللہ عزوجل نے مریض کو اصل فرض وضو سے اس کے بدل تیمّم کی طرف آنے کی اجازت اس وقت دی ہے جب کہ اس تخفیف اور آسانی کی وجہ مریض کے پانی کے

استعمال سے عاجز آنا پایا جائے، آپریشن اور دیگر امراض میں مبتلا اشخاص کبھی حدثِ اصغر اور اکبر میں پاکی کے لئے پانی کے استعمال سے عاجز آتا ہے، چونکہ اس میں پانی کے استعمال سے زخموں کو نقصان ہوسکتا ہے، اسی واسطے نبیٔ کریم ﷺ نے ان صحابہ رضی اللہ عنہم پر عتاب فرمایا تھا جنہوں نے اس شخص کو جس کو زخم تھا اور وہ جنبی ہوگیا تھا تو اسے غسل کرنے کو کہا تھا، اس نے غسل کیا اور مرگیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "قتلوه قتلهم الله "(۱)

تو اس سے صاف طور پر پتہ چلا کہ ایسا زخم جس کو دھونے سے اس کو نقصان ہوسکتا ہو تو ایسا شخص اس عضو کو دھونے کے بجائے مسح کرسکتا ہے، اگر یہ ممکن ہو ورنہ تیمّم کرے، خواہ یہ زخم پورے جسم پر ہو یا جسم کے اکثر حصہ پر جب کہ اس زخم والے شخص کو دھونے یا وضو کرنے میں اس عضو کے تلف ہونے یا ضرر یا نقصان ہونے کا اندیشہ ہو۔

علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ: اسی مجبوری کے پیشِ نظر فقہاء نے اس رخصت پر عمل کرنے کی صراحت کی ہے، جس میں مریض کے غسل کرنے میں اس کے ہلاکت یا اس کے کسی عضو کے ضائع اور تلف ہونے اور برباد ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کو تیمّم کرنے کی رخصت ہے، انہوں نے اس کے لئے پانی کے نہ ہونے کی شرط نہیں لگائی، عطاؒ کا اس بارے میں اختلاف ہے، انہوں نے اس کے تیمّم کے صحیح ہونے کے لئے پانی کے موجود نہ ہونے کی شرط لگائی ہے، اللہ عزوجل کے اس ظاہری قول کی وجہ سے ﴿فلم تجدوا ماء﴾ (المائدۃ:٦)۔(۲)

صحیح وہی ہے جس کو جمہور اہلِ علم نے اختیار کیا ہے کہ زخمی شخص کے لئے پانی کے ہوتے ہوئے بھی تیمّم کے لئے رخصت ہے، اللہ عزوجل کے اس ارشاد کی وجہ سے

﴿وَلَا تَقْتُلُوْا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ (النساء:۲۹)

اس آیتِ کریمہ سے پتہ چلا کہ انسان کا اپنے آپ کو قتل کرنا حرام ہے، یعنی وہ

(۱) ابوداؤد: باب في المجروح يتيمم، حديث:۳۳۶، اس روایت کو ابن السکن نے صحیح کہا ہے: التلخيص الحبير: ۳۹۵/۱، دار الكتب العلمية

(۲) رد المحتار: كتاب الطهارة: ۹۱/۱

ایسے اسباب کو اختیار کرے جو اس کی ہلاکت کا باعث بنتے ہیں ، اسی طریقہ پر وضو اور غسل بھی بعض بیماریوں میں ہلاکت کی وجہ بنتا ہے، لہذا یہ بھی ہلاکت کے اسباب میں شمار ہوگا، لہذا زخمی شخص کے لئے وضو کا اختیار کرنا جائز نہ ہوگا۔

حضرت عمر ابن العاص رضی اللہ عنہ کو بھی جب ان کے ٹھنڈک میں غسل کرنے پر اپنی ہلاکت کا اندیشہ ہوا تو انہوں نے بھی اس آیت سے استدلال کیا، اور غسل کے بجائے تیمّم کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس عمل کو درست رکھا۔

اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ جو اسباب بھی ہلاکت کا ذریعہ بنتے ہوں وہ رخصت کی وجہ بنیں گے ، اس میں بجائے غسل کے تیمّم کیا جائے گا ، آپریشن میں بھی ہلاکت کی یہ وجہ موجود ہے۔

امام شافعیؒ کے یہاں زخم میں تیمّم کی رخصت کے لئے یہ شرط ہے کہ غسل اور تیمّم میں تلف ہونے کا اندیشہ ہو...... محض اندیشہ کی وجہ سے تیمّم کی اجازت نہ ہوگی؛ لیکن چونکہ ان لوگوں نے یہ صراحت کی ہے کہ بیماری کے بڑھ جانے کے اندیشہ، یا زخم کے ٹھیک ہونے میں دیر ہونے ، یا بہت کمزوری ، یہ سب صحیح قول کے مطابق تیمّم کی رخصت کی وجہ بنتے ہیں ۔(۱)

آپریشن میں اس کی بہت ساری شکلیں ایسی ہوتی ہیں ، جس میں وضو یا غسل کرنے سے بے شمار نقصانات ہو سکتے ہیں ، کبھی اس جگہ دھونا اسکے سوجنے اور زہر آلود ہونے کی وجہ بن جاتا ہے ، اور اکثر اوقات تو اس سے مریض کی موت بھی واقع ہو جاتی ہے۔

اسی لئے اگر مشقت اس درجہ ہو کہ اس میں تیمّم کی رخصت ضروری اور لازمی ہو کہ جان کے چلے جانے یا عضو کے چلے جانے کا اندیشہ ہو یا مشقت حاجت کے درجہ کی ہو کہ تکلیف بڑھ جائے گی ، یا تکلیف کی زیادتی کی وجہ سے نقصان یا شفایابی میں تاخیر ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسے شخص کے لئے تیمّم کرنا جائز ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ یہ زخم سارے

(۱) الوسیط فی المذهب للغزالی :۱/۴۴۰ ـ روضة الطالبين :۱/۱۰۳

بدن پر ہوں یا اعضائے وضو یا اکثر اعضاء پر ہوں۔(۱)

چونکہ اصل ان اعضاء میں طہارت کیلئے پانی کا استعمال کرنا ہے، خواہ غسل کے لئے ہو یا وضو کے لئے، اگر اصل پر قادر ہے تو وہی کرے، زخم کی جگہ پر مشقت کی وجہ سے وہاں مسح کی رخصت ہوگی۔

☆ اگر وہ زخم ایسا ہو کہ اس کے علاوہ کو دھونا ممکن ہو اور اس جگہ پر مسح کیا جاسکتا ہو تو مریض جتنا ہو سکے اتنا غسل کرے اور اس جگہ پر مسح کرے، اس کو تیمّم کی رخصت نہ ہوگی۔(۲)

اسی طرح اگر زخم پر پٹی ہو اور اس کے نکالنے میں نقصان ہو تو اس پر مسح کرنا جائز ہے، چونکہ اس کے نکال کر دھونے میں مشقت ہوگی۔

اسی لئے ڈاکٹروں اور ان کے معاون عملہ کو چاہئے کہ جب زخم کی جگہ پٹی باندھیں تو اس پٹی کے باندھنے میں دو شرطیں ملحوظ رکھیں:

الف: ایک تو یہ ہے اس زخم پر پٹی باندھنے کی ضرورت ہو اگر ضرورت نہ ہو تو اور وہ زخم کی جگہ پٹی باندھے تو وہ ایسا کر سکتے ہیں؛ لیکن وہ مریض کو بتائیں کہ وہ دھوتے وقت اور غسل کرتے وقت اس کو نکال لے، اگر وہ اس طرح نہ کریں تو گنہ گار ہوں گے۔

ب: جس قدر پٹی باندھنے کی ضرورت ہو اسی قدر باندھے، مثلاً اگر ضرورت بازو کے چوتھائی حصہ کو باندھنے کی ہو تو اس چوتھائی سے زیادہ باندھنا جائز نہ ہوگا، اس قاعدہ کی وجہ سے "الضرورات تقدّر بقدرھا"(۳)

امام سیوطیؒ اس قاعدہ کے فروع کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"والجبيرة يجب أن لا تستر من الصحيح الّا ما لا بدّ منه للاستمساك" (۴)

---

(۱) قوانين الأحكام الشرعية لابن الجوزی :۵۲

(۲) الدر المختار للحصكفی :۴۶/۱ (۳) الاشباہ والنظائر :۸۶

(۴) الاشباہ والنظائر للسيوطی :۸۵/۱،دار الكتب العلمية ،الطبعة الأولى ،۱۴۱۱ھ)

’’اور پٹی کے لئے ضروری ہے کہ وہ صحیح حصہ کو نہ چھپائے مگر بقدرِ ضرورت جو امساک اور پکڑ کے لئے ضروری ہو‘‘۔

اگر ڈاکٹر غیر ضروری جگہ کو ڈھنک دیں تو بیمار اس ڈھنکے ہوئے حصہ کو وضو اور غسل کے وقت نکال لے گا، اگر پٹی زخم سے زائد حصہ پر ہو تو اس زائد پٹی کے نیچے کو دھونا ہوگا، اور بقدرِ ضرورت مسح کرے گا۔

امامِ کاسانیؒ کہتے ہیں:

”وان كا ن ذلك لا يضرّ بالجرح عليه أن يحلّ ويغسل حوالى الجراحة ولا يجوز المسح عليها ، لانّ الجواز لمكان الضرورة فيقدّر بقدر الضرورة “(۱)

’’اور اگر وہ اس زخم کے لئے نقصان دہ نہ ہو تو اس کو کھولے اور اس زخم کے اطراف کو دھولے، اس پر مسح کرنا جائز نہیں؛ کیونکہ مسح کا جواز ضرورت کی وجہ سے ہے تو یہ جواز بقدرِ ضرورت ہوگا‘‘۔

اس زخم کو پٹی سے باندھنے کی ضرورت ختم ہو جائے تو اصل حکم یعنی غسل اور دھونے کو اختیار کرنا ہوگا، اس شرعی قاعدہ کی وجہ سے ”ما جاز لعذرٍ بطل بزواله “ (۲) جو چیز عذر کی وجہ سے جائز ہوتی ہے، عذر کے ختم ہونے سے ختم ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر اور نرسوں کو یہ بتلانا ہوگا کہ عذر کے ختم ہونے پر زخم کی جگہ کو دھولیں۔

اگر زخم کی جگہ سے خون کا بہنا بند نہ ہو، اسی طرح اس سے جو پیپ نکل رہا ہے وہ ختم نہ ہو، اور مریض کے لئے اس کا دھونا اور پاک کرنا دشوار ہو تو وہ شخص اپنی اس حالت میں نماز پڑھ سکتا ہے، مشقت اور تکلیف کی وجہ سے اس کی پاکی ضروری نہیں؛ چونکہ قاعدۂ شرعیہ ہے ”أنّ الأمر اذا ضاق اتّسع “(۳) جب معاملہ مشکل اور دشوار ہو جائے تو اس میں وسعت اور کشادگی آجاتی ہے۔

---

(۱) بدائع الصنائع للكاسانى: شرط جواز المسح : ۱۳/۱، دار الكتب العلمية

(۲) الاشباہ والنظائر للسیوطی: ۸۵ (۳) الأشباہ والنظائر لابن نجیم: ۸۴

یہاں اس مریض کے لئے تنگی ہے، اگر ہم اس صورت میں مریض کو دھونے کا حکم کریں گے تو اس کی وجہ سے وہ جگہ زہر آلود بھی ہوسکتی ہے، یا اس کے صحیح ہونے میں تاخیر ہوسکتی ہے تو یہاں اس کی پاکی کے سلسلے میں رخصت ہوگی۔

اسی طرح اگر مریض کے لئے استنجاء کرنا مشکل ہو، خواہ زخم پیچھے کی شرمگاہ میں ہو یا اگلی شرمگاہ میں تو وہ بغیر استنجاء کے نماز پڑھ سکتا ہے۔

وضو کے مسائل

وضو میں انجکشن:

اگر وضو کی حالت میں جسم میں انجکشن لگایا اور اس سے سوئی کے اندر خون نہیں آیا جیسا کہ گوشت اور کھال میں لگنے والے انجکشن میں ہوتا ہے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا، اور اگر انجکشن لگاتے وقت سوئی میں بہہ پڑنے کی مقدار میں خون نکل آئے جیسا کہ کبھی کبھی رگ میں لگائے جانے والے انجکشن کے دوران ہوتا ہے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

"کما لو مصت علقه فامتلأت بحیث لو شقت لسأل منها الدم کما فی الحلبی" (۱) اگر خونِ بستہ کو چوسے، پھر اس سے اس طرح بھر جائے کہ اگر وہ پھٹ جاتا تو اس سے خون بہہ پڑتا جیسے کہ حلبی میں ہے، اور شامی کہتے ہیں: "والظاهر أنّ الامتلاء غیر مقید لأنّ العبرة للسیلان" اور ظاہر یہ ہے کہ یہ بھرنا کسی خاص طرح سے خاص نہیں ہے چونکہ اعتبار بہنے کا ہے۔ (۲)

وضو میں گلوکوز چڑھانا:

گلوکوز کی بوتل چڑھاتے وقت اگر اس کی نلکی یا سوئی کے حصہ میں خون آجائے تو

(۱) حاشیة الطحاوی علی مراقی الفلاح :۱/۱۸۷، دار الکتب العلمیة ،بیروت، الطبعة الاولی: ۱۴۱۸ھ

(۲) رد المحتار :سنن الوضوء: ۱/۱۳۹، دار الفکر ، بیروت

وضوٹوٹ جائے گا اور اگر خون رگ سے اوپر بالکل نہ آئے بلکہ صرف گلوکوز کا پانی اندر جاتا ہے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا" وکذا ینقضه علقة مصّت عضوا وامتلأت من الدم ومثلها القراد ان کان کبیرا لأنّه حینئذٍ یخرج منه دم سفوح سائل" اسی طرح جو خونِ بستہ عضو کو ہو جائے اور وہ خون سے بھر جائے اور اسی طرح اس چیچڑی جو کتوں وغیرہ کو لگتی ہے اگر وہ بڑی ہو تو کیونکہ اس سے بہتا ہوا خون نکلتا ہے۔(۱)

کان سے پیپ نکلنے سے ہر حال میں وضو ٹوٹ جائے گا؟

کان سے پانی اگر کسی بیماری یا زخم وغیرہ کی وجہ سے نکلے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا اور بغیر کسی بیماری کے نکلے تو وضو نہیں ٹوٹے گا، البتہ کان سے پیپ نکلنے سے ہر حال میں وضو ٹوٹ جائے گا۔

غسل کے مسائل

مصنوعی دانتوں کے ساتھ غسل:

جس کے منہ میں مصنوعی دانت کی بتیسی رکھی ہو تو غسل کے لئے بتیسی باہر نکالنا ضروری نہیں، البتہ یہ ضروری ہے کہ دانتوں کو نکال کر کلی اور غرغرہ کیا جائے "وغسل الفم أی استیعابه الخ ......والمبالغة فیهما بالغرغرة "(۲) اور منہ کا دھونا استیعاب کے ساتھ الخ......اور ان دونوں میں مبالغہ کرنا۔

دانتوں میں بندھے ہوئے تار مانع غسل نہیں:

اگر دانتوں کے ہلنے کی وجہ سے ان کو سونے، چاندی وغیرہ کے تاروں سے باندھ دیا گیا ہو یا کھوکھلے دانتوں میں مسالہ بھر دیا گیا ہو تو ان کو نکالنا ضروری نہیں ہے، محض اوپر سے کلی کرنے سے غسل درست ہو جائے گا:

---

(۱) درمختار مع حاشیة ابن عابدین : سنن الوضوء:۱۳۹/۱،دار الفکر ،بیروت

(۲) درمختار ر بیروت :سنن الوضوء ۱۱۶/۱،دار الفکر ،بیروت

”الصرام والصباغ ما فی ظفرهما یمنع تمام الاغتسال وقیل کل ذلك یجزیهم للحرج والضرورة ومواضع الضرورة مستثناة عن قواعد الشرع کذا فی الظهیریة “(۱)

زخم پر مسح کے مسائل

زخم پر مسح:

اگر کسی کا کوئی حصۂ بدن زخمی ہوگیا اور اس کے لئے پانی نقصاندہ ہو تو اس پر تر ہاتھ سے مسح کرے، اگر یہ بھی نقصاندہ ہو تو معاف ہے، مسح کی بھی ضرورت نہیں: ”فی أعضاء ہ شقاق غسله ان قدر والّا مسحه والاّ ترکه “(۲)

زخم کی پٹی پر مسح:

اگر زخم کے منہ پر دوا لگا کر پٹی باندھ دی گئی ہو یا پھایہ رکھ دیا گیا ہو، اب اگر وضو کرتے وقت پٹی کے کھولنے اور پھایہ کے ہٹانے میں تکلیف ہو اور پانی زخم کے لئے مضر ہو تو پٹی اور پھایہ پر وضو کے وقت مسح کرنا جائز ہے، چاہے پٹی باوضو باندھی گئی ہو یا بلا وضو ”ویمسح نحو مفتصد وجریح علی کل عصابة مع فرجتها فی الأصح ان ضرّه الماء “(۳)

پلاسٹر پر مسح:

ہڈی ٹوٹنے پر جو پلاسٹر چڑھایا جاتا ہے وہ بھی پٹی کے حکم میں ہے اس کے اوپر مسح کرنا جائز ہے:

”واذا نکسّر عضو من أعضاء ہ وهو محدث فشد علیه العصابة ثم توضأ ومسح علی العصابة جاز ، لأنّ

---

(۱) فتاوی الهندیة : الفصل الاول فی فرائض الغسل :۱۳/۱، دار الفکر، بیروت

(۲) درمختار مع حاشیة ابن عابدین :۱۰۲/۱، دار الفکر ،بیروت

(۳) درمختار بیروت : مطلب نواقض المسح :۲۸۱/۱

المسح علی العصابة بمنزلة غسل ما تحتها "(۱)

زخم اچھا ہونے پر پٹی گر جائے:

زخم کی پٹی اگر زخم اچھا ہونے سے پہلے گر گئی تو دوبارہ پٹی باندھنے پر ازسرِ نو مسح کرنا ضروری نہیں، اس لئے کہ عذر باقی ہے، ہاں اگر زخم اچھا ہونے کے بعد پٹی گر گئی یا کھولی گئی تو اب زخم یعنی پٹی کے نیچے کے حصہ کا دھونا ضروری ہوگا اور پٹی ہٹنے کی وجہ سے سابقہ مسح باطل ہو جائے گا:

"واذا سقطت الجبائر لا عن برء لا یلزمه الغسل أصلاً ، وان سقطت عن برءٍ یجب غسل ذلك الموضع خاصة "(۲)

پٹی بدلنے پر اعادۂ مسح مستحب ہے:

اگر کسی شخص نے زخم پر دوہری پٹی باندھ رکھی ہو اس میں سے اوپر والی پٹی کھول لی ، یا دوا لگانے کے لئے دوسری پٹی بدل لی تو مسح کا اعادہ ضروری نہیں، البتہ مستحب ہے کہ اوپر کی پٹی ہٹانے کے بعد والی پٹی پر مسح کر لیا جائے ،اسی طرح نئی بدلی گئی پٹی پر بھی مسح کرنا مستحب ہے: "ولو بدّلها بأخری أو سقطت العلیا لم یجب اعادة المسح بل یندب "(۳)

پٹی کے نیچے آنے والے زائد حصہ کا حکم:

اگر زخم ایسی جگہ واقع ہے کہ اس پر پٹی باندھنے میں زخم کے اصل حصہ کے علاوہ بدن کا کچھ اور حصہ بھی چھپ جاتا ہے تو اس پورے حصہ پر مسح ضرورةً جائز ہے: "قوله علی کلّ عصابة "أی علی کلّ فرد من أفرادها کعصابة المفتصد "(۴)

مسئلہ: اگر کسی عضو مثلاً پیر وغیرہ میں شگاف ہو جائے جیسا کہ موسم سرما میں بعض لوگوں کو

(۱) المحیط البرهانی :الفصل السادس فی المسح علی العصابة :۱۸۴/۱

(۲) المحیط البرهانی : کتاب الدعوی :۱۸۴/۱،دار الکتب العلمیة ،بیروت

(۳) درمختار مع حاشیة ابن عابدین : مطلب نواقض المسح:۲۸۰/۱

(۴) حاشیة ابن عابدین : مطلب نواقض المسح :۲۸۰/۱

ہوتا ہے، پھر اگر دھونا تکلیف دہ ہو تو اس جگہ کا مسح کر لے باقی حصہ اس عضو کا دھولے اور اگر مسح بھی تکلیف دہ ہو تو مسح بھی نہ کرے، شامی میں ہے "في أعضائه شقاق غسله إن قدر وإلا مسحه وإلا تركه أي إن لم يقدر علي المسح" (۱) اس کے اعضاء میں پھٹن ہو تو اگر ممکن ہو تو غسل کرے ورنہ مسح کرے ورنہ ویسے ہی چھوڑ دے، اگر مسح کی قدرت نہ رکھتا ہے۔

مسئلہ: اگر زخم کو نقصان کی وجہ سے یا شدت تکلیف کی وجہ سے دھو نہ سکتا ہو تو مسح کر لے اور سابقہ عذر کی وجہ سے مسح بھی نہ کر سکتا ہو تو اس عضو سے حکم طہارت ساقط ہو جائے گا، اس عضو کے غسل و مسح کے بغیر پڑھ لے۔ (۲)

مسئلہ: زخم پر پٹی باندھنے میں کچھ صحیح عضو بھی بندھ گیا ہو تو اس پر مسح جائز ہے۔ (۳)

مسئلہ: پٹی پر ایک دفعہ مسح کرنا اس وقت تک کے لئے کافی ہے جب تک کہ بعد صحت پٹی نہ کھولی جائے، اگر کئی ماہ تک بھی ایک پٹی بندھی رہے تو اول روز کا مسح کافی ہے، تجدید کی ضرورت نہیں (۴) اگر پٹی دوسری بدل لی گئی تو اولیٰ یہ ہے کہ اس پر دوسری دفعہ مسح کرے؛ لیکن اگر نہ کیا تو یہ بھی جائز ہے۔ (۵)

معذور کے احکام:

شرعاً معذور اس شخص کو کہتے ہیں جس میں نقضِ وضو کا سبب اس تسلسل کے ساتھ پایا جائے کہ اسے کسی ایک نماز کے پورے وقت میں طہارت کے ساتھ فرض نماز ادا کرنے کا موقع بھی نہ مل سکے، مثلاً: نکسیر پھوٹی ہو کہ کسی طرح بند نہیں ہوتی یا ہر وقت پیشاب کا قطرہ آتا رہتا ہے یا ناسور سے خون جاری رہتا ہو یا عورت مستحاضہ ہو وغیرہ وغیرہ۔

اگر ایک نماز کے پورے وقت میں یہ کیفیت پائی گئی تو اسے معذور قرار دیا جائے گا

---

(۱) رد المحتار: باب صلاة المريض، حديث: ۱۰۲/۲

(۲) فتاوی قاضی خان: ۶۲/۱ (۳) قاضی خان: ۶۳/۱

(۴) قاضی خان: ۶۳/۱ (۵) قاضی خان: ۶۳/۱

اوراس کے بعد ہر پورے وقت میں کم ازکم ایک مرتبہ جب کہ تک وہ عذر پایا جاتا رہے گا وہ معذور برقرار رہے گا، اوراگر آئندہ کوئی پوراوقت اس عذر سے خالی پایا گیا تو وہ شخص معذور شرعی کے حکم سے خارج ہوجائے گا:

”وصاحب عذر من به سلسل البول لا يمكنه امساكه أو استطلاق بطن أو انفلات ريح أو استحاضة ـالى قوله ـان استوعب عذره تمام وقت صلوة مفروضة بأن لا يجد فى جميع وقتها زمناً يتوضأ ويصلى فيه خاليا عن الحدث ولو حكماً “(۱)

”واذانقطع الدم ونحوه من الاعذار وقتاً كاملاً من أن يكون صاحب عذرٍ “ (۲)

معذور کا وقت سے پہلے وضو کرنا:

معذور شخص نے کسی نماز کے وقت سے پہلے (دوسری نماز کے وقت میں) وضو کر لیا تو اس وضو سے اگلے وقت کی نماز پڑھنا درست نہیں، اسلئے کہ وقت نکلنے سے معذور کا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

”وصاحب عذر الخ ، وحكمه الوضوء الخ لكل فرض اللام للوقت ـالى قوله ـفاذا خرج الوقت بطل “ (درمختار) أفاد أنّ الوضوء انما يبطل بخروج الوقت فقط لا بدخوله خلافا لزفر الخ “(۳)

قطرے کے مریض کے لئے طہارت کا آسان طریقہ:

جس شخص کو پیشاب کے بعد دیر تک قطرہ آتا رہتا ہو اسے چاہئے کہ پیشاب سے فراغت پر سوراخ کے اندر کوئی چیز مثلاً روئی وغیرہ رکھ لے؛ تاکہ اس کے اندرونی حصہ

(۱) در مختاربيروت :مطلب فى أحكام المعذور :۳۰۵/۱،دار الفكر ،بيروت

(۲) حلبى كبير:۱۳۶ (۳) حاشية ابن عابدين :مطلب فى أحكام المعذور :۳۰۶/۱

سے پیشاب باہر نہ آنے پائے ، اسلئے کہ جب تک پیشاب کا قطرہ باہر نہ آئے گا اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا؛ لیکن روزے کی حالت میں اس عمل کو نہ کرنا اولیٰ ہے:

”قلت : ومن کا ن بطئ الا ستبراء فلیفتل نحو ورقة مثل العشیرة ویحتشی بھا فی الا حلیل فانھا تتشرّب ما بقی من أثر الرطوبة التی یخاف خروجھا ـ الی قولہ : وقد جرّب ذلك فوجد أنفع من ربط المحل، لکن الربط أولی اذا کان صائما لئلا یفسد صومه علی قول الامام الشافعی رح“ (۱)

معذور کے کپڑوں کا حکم:

جس شخص کے کپڑے پیشاب یا خون کے قطرات سے مسلسل ناپاک ہوتے رہتے ہیں اور اسے اتنا وقت نہیں مل پاتا کہ ایک نماز بھی پاک کپڑوں میں پڑھ سکے مثلاً ہر دو تین منٹ پر ناپاکی ہوتی رہتی ہے تو ایسے شخص کے لئے کپڑوں کو دھونا یا بدلنا ضروری نہیں ، انہیں ناپاک کپڑوں میں نماز پڑھ سکتا ہے، ہاں اگر اسے اتنا وقت ملتا ہو کہ پوری نماز بلا نجاست کے پڑھ سکے تو اس کے لئے کپڑوں کا بدلنا یا دھونا ضروری ہوگا:

”وان سأل علی ثوبه فوق الدرھم جاز له أن لا یغسله ان کا ن لو غسله تنجس قبل الفراغ منھا أی الصلوة والّا یتنجس قبل فراغه فلا یجو ز ترك غسله ، ھو المختار للفتوی“(۲)

مریض کے لئے ناپاک کپڑے بدلنا مشکل ہو تو کیا کرے؟:

اگر مریض کے پہنے ہوئے کپڑے یا نیچے بچھی ہوئی چادر ناپاک ہو اور بیماری اور مشقت کی بناء پر کپڑوں کا اتارنا یا چادر کا بدلنا مشکل ہو تو ایسے مریض کے لئے اسی حال میں نماز پڑھنا جائز ہے:

(۱) حاشیة ابن عابدین :فروع فی الاستبراء :۳۴۵/۱

(۲) در مختار مع حاشیة ابن عابدین :مطلب فی أحکام المعذور : ۳۰۶/۱

"مريض تحته ثياب نجسة ، وكلما بسط شيئا تنجّس من ساعته صلى على حاله ، وكذا لو يتنجس الا أنه يلحقه مشقة بتحريكه "(۱)

پیشاب کی نلکی کے ساتھ نماز:

جس شخص کو پیشاب مسلسل آنے کا مرض ہو اور اس نے نلکی لگا رکھی ہو جس کے ذریعہ سے پیشاب بوتل میں جمع رہتا ہو تو ایسا شخص شرعاً معذور ہے اور وہ اسی حالت میں وضو کر کے نماز پڑھ سکتا ہے، یہ ناپاکی اس کے حق میں مضر نہیں۔

"وان سأل على ثوبه فوق الدرهم جاز له أ ن لا يغسله إن كان لو غسله قبل الفراغ منها أى الصلو ة "(۲)

☆ دردِ سر کی شدت کی وجہ سے وضو میں اگر سر پر مسح نہ کر سکتا ہو یا غسل واجب ہو؛ لیکن دردِ سر کی شدت کی وجہ سے سر دھو نہ سکتا ہو تو راجح مفتی بہ قول یہ ہے کہ وضو میں سر کے مسح کرنے کی فرضیت ساقط ہو جائے گی اور غسل میں سر کا دھونا ساقط ہو جائے گا:

"من به وجع راس لا يستطيع معه مسحه محدثا ولا غسله جنبا يسقط عنه فرض مسحه وكذا غسله فى الغسل" (۳)

☆ اگر بائیں ہاتھ میں دنبل وغیرہ ایسا عذر ہو کہ جس کی وجہ سے اس سے استنجاء نہ کر سکتا ہو تو بلا کراہیت داہنے ہاتھ سے استنجاء جائز ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے: " إذا كان باليسري عذر يمنع الاستنجاء بها جاز ان يستنجى بيمينه بلا كراهة"(۴)

☆ اگر مریض یا مریضہ خود وضو نہ کر سکتے ہوں تو دوسرے شخص سے وضو

(۱) درمختار مع حاشية ابن عابدين :باب سجود التلاوة ۱۰۳/۲

(۲) در مختار مع حاشية ابن عابدين : مطلب فی أحكام المعذور :۳۰۶/۱

(۳) رد المحتار: شروط المسح علي الخفين:۲۶۰/۱

(۴) الفتاوى الهندية: كتاب الصلاة:۵۰/۱

کرانا جائز ہے؛ البتہ اگر خود استنجاء نہ کر سکتے ہوں تو اپنے لڑکے لڑکی ماں یا کسی اور سے استنجاء کرانا جائز نہیں ہے، بغیر استنجاء کئے ہوئے نماز پڑھ لے ہاں بیوی شوہر کو اور شوہر بیوی کو استنجاء کرا سکتا ہے:

”المرأة المريضة إذا لم يكن لها زوج عن الوضوء ولهاابنة أو أخت توضيها ويسقط عنها الاستنجاء وكذا الرجل يسقط عنه الاستنجاء إلا زوجته “ (۱)

☆ اگر کسی بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر استنجاء نہ کر سکتا ہو تو اس عذر کی وجہ سے کھڑے ہو کر بھی استنجاء کرنا جائز ہے۔

”يكره أن يبول قائما أو مضطجعا أو متجردا عن ثوبه من غير عذر؛فإن كان بعذر فلا بأس به“ (۲)

ٹسٹ ٹیوب بے بی سے وجوب غسل کا حکم:

وجوب غسل کا سبب نفس خروج منی نہیں؛ بلکہ اصل علت اس میں لذت اور تسکین قلب ہوتی ہے جو شہوت کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے، ٹیسٹ ٹیوب میں لذت اور تسکین کی علت مفقود ہوتی ہے اور اس میں صرف مادہ منویہ عورت کے رحم میں بذریعہ مشین پہنچایا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ اس طریقہ سے وہ لذت و تسکین نہیں جو مرد کے جماع کرنے سے عورت کو حاصل ہوتی ہے۔

انجکشن کے ذریعہ عورت کے رحم میں مادہ منویہ پہنچایا گیا تو عورت پر غسل واجب نہیں

اگر اس عمل سے شہوت پیدا ہوئی تو وجوب غسل راجح ہے اور اگر مطلقا شہوت نہ ہوئی تو غسل واجب نہیں، کر لینے میں احتیاط ہے، اگر یہ عمل ڈاکٹر یا شوہر کرے تو شہوت کا گمان زیادہ ہے؛ لہٰذا اس صورت میں وجوب غسل کا حکم راجح ہوگا۔ (۳)

---

(۱) الفتاوی الهندية: كتاب الصلاة:۵۰/۱، دار الفكر ، بيروت۔

(۲) الفتاوی الهندية: كتاب الصلاة:۵۰/۱۔

(۳) فتاوی رحیمیہ:۲۸۱/۶

انجکشن کے ذریعے خون کا نکالنا ناقض وضو ہے

انجکشن کے ذریعے خون کے نکالنے سے وضوٹوٹ جاتا ہے، گرچہ خون بدن کے کسی حصہ میں نہ لگے؛ کیوں کہ اگر یہ خون تھیلے میں نہ جاتا تو اس کے جسم پر بہہ جانا لازمی امر تھا، تھیلی کا وجود ایک خارجی امر تھا، تھیلا کا وجود ایک خارجی مانع ہے، اس سے حکم پر کوئی اثر نہیں پڑتا یعنی وضوٹوٹ جاتا ہے۔(۱)

مصنوعی بالوں کا وضوو غسل میں حکم:

موجودہ دور میں خواتین اپنے بالوں کو لمبا اور گھنا ظاہر کرنے کے لئے مصنوعی بال لگاتی ہیں، غسل یا وضو میں ان کا کیا حکم ہے؟۔

اگر چہ یہ عمل شرعاً ممنوع ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کے عمل کو موجب لعنت قرار دیا ہے، لیکن اگر یہ عمل کر بھی لیا جائے تو غسل میں چونکہ عورتوں پر صرف بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچانا ضروری ہوتا ہے؛ اس لئے وضو اور غسل میں ان خارجی بالوں کا ہٹانا ضروری نہیں؛ بلکہ وضو میں چوتھائی سر کا مسح اصلی بالوں پر ہو، ہاں اگر مصنوعی بالوں پر مسح کیا جائے تو وضو جائز نہ ہوگا۔(۲)

تیمّم کے مسائل

☆ کوئی ایسا مریض ہے جس میں پانی کا استعمال مضر نہیں ہے؛ لیکن مریض خود بلا اعانت غیر وضو کرنے سے قاصر ہے تو اگر دوسرا کوئی موجود نہ تو تیمّم باتفاق ائمہ جائز ہے اور اگر مریض کا نوکر یا لڑکا موجود ہو تو بالاتفاق تیمّم درست نہیں، اور اگر موجود شخص غلام یا نوکر یا لڑکا نہیں ہے؛ لیکن اپنی بیوی یا ایسا آدمی ہے کہ اگر اس سے مریض وضو کرانے کو کہے تو وہ وضو کرا دے گا تو ایسی صورت میں امام اعظمؒ کے نزدیک تیمّم کر لینا جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز نہیں:

"إن وجد خادما أي من تلزمه طاعته كعبده وولده لا يتيمم اتفاقا وإن وجد غيره ممن لو استعان به أعان به

(۱) فتاوی حقانیہ:۲/۵۱۹ (۲) فتاوی حقانیہ:۶/۵۳۶

ولو زوجته وظاهر المذهب أنه لا يتيمم أيضا بلا خلاف،
وقيل علي القول الإمام يتيمم ، وعلى قولهما لا"(۱)

☆ اگر مریض صاحبِ مال ہے اور ایسا شخص وہاں موجود ہے جو مناسب اجرت لے کر وضوء کرا سکتا ہے تو تیمّم درست نہیں۔

اگر خود قیام پر قادر نہ ہو؛ لیکن دوسرے کی مدد سے قیام کرسکتا ہو اور کوئی معین موجود بھی ہو پھر بھی بیٹھ کر نماز پڑھنا بالاتفاق جائز ہے۔(۲)

☆ دونوں ہاتھوں میں زخم یا کسی تکلیف کی وجہ سے اگر پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو اور نہ ایسا پانی موجود ہو جس میں اپنا منہ سر بھیگا سکے تو تیمّم کر کے نماز پڑھ لے، امام صاحب رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے۔(۳)

☆ اگر غسل یا وضو کرنے میں مریض ہو جانے کا یا مرض کے شدید ہو جانے کا یا دیر میں صحت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمّم جائز ہے، یونہی اگر پانی کا استعمال تو مضر نہ ہو؛ لیکن وضو کرنے میں جو حرکت ہوگی اس سے مرض کے بڑھ جانے کا خوف ہو جیسا کہ مرض اسہال میں اور بعض آپریشنوں میں ہوتا ہے تیمّم جائز نہیں۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ: " أو لمرض يشتد أو يمتد بغلبة ظن أو قول حاذق ولوتحرك" (۴) مرض کے شدید ہونے یا لمبے ہونے کا ظن غالب ہو یا ماہر ڈاکٹر نے یہ کہا، یا حرکت کرنے میں بھی اس کا اندیشہ ہو۔

☆ اس وقت تیمّم کے مسئلے میں سستی برتی جا رہی ہے، ذرا خیال نقصان کا ہوا اور تیمّم کرلیا، ہر کس و ناکس کے اس کہنے سے تیمّم کرتے دیکھا گیا، یا اس طبیب کے کہنے سے نماز کا پابند ہے نہ داڑھی شرعی یکمشت رکھتا ہے، اور نہ حلال وحرام کی فکر ہے، غرض معمولی بہانہ بنا کر تیمّم شروع کر دیتے ہیں تو خوب سمجھ لیجئے شریعت نے ان خیالات واخبار کا کوئی اعتبار نہیں کیا ہے، اس لئے ہرگز تیمّم نہیں ہوتا نہ نماز ہوتی ہے، اس مسئلے میں

---

(۱) رد المحتار: سنن التيمم:۲۳۳/۱ (۲) قاضی خان:۷۵/۱
(۳) الدر المختار: سنن التيمم:۲۳۴/۱ (۴) الدرالمختار: سنن التيمم:۲۳۳/۱

سخت احتیاط کی ضرورت ہے، جب تک تمام شرائط نہ پائی جائیں جو اوپر مذکور ہوئیں اس وقت تک تیمّم جائز نہیں۔(۱)

☆ اگر وضو میں ٹھنڈا یا تازہ پانی مضر ہے؛ لیکن گرم مضر نہیں تو گرم پانی سے وضو غسل فرض ہے، تیمّم جائز نہیں، اکثر لوگ اس جہل یا کسل کی وجہ سے لاپرواہی برتتے ہیں، فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے، البتہ گرم پانی با جرت نہ مل سکتا یا اجرت موجود نہ ہو تو تیمّم جائز نہیں۔

علامی شامی کہتے ہیں کہ:

”إذا لم تكن له أجرة حمام ولا ما يدفئه وإن كان له مال غائب يلزمه الشراء نسيئة وإلا لا“ (۲)

”اگر اس کے یہاں حمام کی یا گرم کرنے کے لئے لکڑی وغیرہ کی اجرت نہ ہو تو اگر اس کے یہاں مال ہو جو اس وقت موجود نہ ہو تو ادھار پانی خریدے ورنہ نہیں“

نہ پانی ہو نہ مٹی

اگر کوئی شخص کسی ایسی جگہ محبوس ہے جہاں نہ پانی ہو نہ مٹی وغیرہ جس سے تیمّم کر سکے یا کوئی ایسی بیماری لگ گئی جس میں نہ پانی کا استعمال کر سکتا ہو نہ مٹی کا جیسے تمام جسم میں زخم ہو جائیں یا اعضاء میں ایسا زخم ہو جائے جس کی وجہ سے نہ پانی کا استعمال کر سکتا ہو نہ مٹی کا تو مفتی بہ قول جمہور حنفیہ کا یہ ہے کہ اس حالت میں بھی نماز نہ چھوڑے، پھر اگر جگہ میسر ہو جائے تو واجب ہے کہ نمازی کی طرح نماز پڑھ لے؛ لیکن علامہ شامی کی تحقیق یہ ہے کہ اس میں نہ قرأت کرے نہ نیت، صرف صورت نمازیوں کی بنالے اور اگر رکوع وسجدہ کی جگہ بھی نہ ہو تو کھڑے ہو کر اشارے سے پڑھ لے، پھر ازالہ عذر کے بعد قریب تر وقت میں نماز کا اعادہ کر لے۔

(۱) احکام المعذورین: ۱۰، فرید بک ڈپو (۲) الدر المختار: سنن التیمم: ۲۳۴/۱

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ:

”وفاقد الطهورين يوخرها عنده وقالا يتشبه بالمصلين وجوبا فيركع ويسجد إن وجد مكانا يابسا وإلا يومى قائما ثم يعدى ولا يقرأ كما فى ابى السعود سواء كان حدثه أصغر أو أكبر ، قلت وظاهره أنه لا ينوى أيضا لأنه تشبه لا صلاة حقيقة“ (۱)

☆ جن اعضاء کا وضو میں دھونا فرض ہے؛ اگر ان میں سے اکثر ایسے زخمی ہوں کہ پانی کا استعمال نہ کرسکتا ہو تیمّم کرلے اور اگر ان اعضاء میں سے اکثر صحیح ہوں تو صحیح کو دھولے اور مجروح کا مسح کرلے، اگر زخم پر مسح نہ کرسکتا ہو تو پٹی باندھ کر پٹی پر مسح کرلے، اگر پٹی باندھنا بھی ممکن نہ ہو تو اس کی طہارت حقیقی و حکمی ساقط ہو جائے گی۔

یہ تفصیل تو وضو میں ہے، رہا غسل اس میں جسم کا اکثر حصہ معتبر ہے، اس لئے اگر اکثر زخم زدہ ہے تو غسل کا تیمّم کرلے اور اگر صحیح ہے تو اس کو دھولے اور باقی کا مسح کرے۔

یہ تفصیل اس وقت ہے جب کہ عضو صحیح کا دھونا بغیر زخم میں پانی لگے ممکن ہو، اگر ایسا نہ ہو مثلاً پیٹھ کے نچلے حصہ میں زخم ہو تو غسل میں جب جسم کے اوپری حصہ پر پانی گرے گا تو وہ ضرور بہہ کر پیٹھ پر جائے گا؛ اس لئے اس زخم کے اوپر جو حصہ ہے وہ سب مجروح (زخم زدہ) سمجھا جائے گا؛ اب دیکھیں گے کہ زخم کے نیچے کا حصہ جو صحیح عضو کے حکم میں ہے وہ اکثر ہے یا نہیں، اگر اکثر ہے تو نچلے کو دھو کر بقیہ حصہ کا مسح کرلیں لے اور اگر وہ حصہ اقل (کم) ہے تو عضو کا دھونا ساقط ہو گیا بنیت غسل تیمّم کرلیں گے۔

مسئلہ: اگر اعضائے وضو میں زخم زدہ حصہ و صحیح حصہ بالکل مساوی ہوں اور ایسے ہی غسل واجب ہونے کی صورت میں تمام بدن کا آدھا حصہ حقیقۃ یا حکما مجروح ہو اور آدھا حصہ صحیح ہو تو اعضاء صحیحہ کو دھولے اور زخم خوردہ کا مسح کرلے؛ لیکن علامہ شامیؒ نے امام محمد رحمہ اللہ سے دونوں اعضاء کے برابر ہونے کی صورت میں تیمّم

(۱) رد المحتار : كتاب الطهارة:۱/۸۰

نقل فرمایا ہے، بظاہر راجح یہی ہے۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"وان استویا غسل الصحیح ومسح الباقی وعن محمدؒ إذا کان علی الیدین قروح لا یقدر علی غسلها وبوجهه مثل ذلك تیمم ، وإن کان فی یدیه خاصة غسل ولا یتمم ، وهذا یدل علی أنه تیمم مع جراحة النصف؛ لکن یرد علی الشارح أنه جعل حکم المساواة فی الوضوء الغسل والمسح والذی فی العیون التیمم" (۱)

نماز کی رخصتیں

اس بارے میں اصل حدیث عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی ہے وہ فرماتے ہیں:

"کانت بی بواسیر فسألت النبی ﷺ عن الصلوة ؟ فقال: صلّ قائما ، فان لم یستطیع فقاعداً ، فان لم یستطیع فعلی جنبٍ" (۲)

"مجھے بواسیر ہوگئی تھی تو میں نے نماز کے بارے میں نبی کریم سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اگر اس طرح نہ کر سکو تو بیٹھ کر نماز پڑھو اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھو"۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ بیمار اگر کھڑا نہ ہو سکتا ہو تو اس کے لئے بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت ہے، اگر وہ نہ کھڑا ہو سکتا ہو اور نہ ہی بیٹھ سکتا ہو تو وہ اپنے پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھ سکتا ہے:

---

(۱) رد المحتار : فروع صلی المحبوس بالتیمم:۱/۲۵۷

(۲) بخاری : باب اذا لم یطق قاعدا صلی علی جنب ،حدیث:۱۱۱۷

”فقد دلّ الحديث على أنّ المريض اذا لم يستطع القيام جاز له أ ن يترخّص بالصلاة قاعداً ،فان لم يستطع القيام والقعود صلى على جنب “(۱)

علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ بیمار اگر نماز میں کھڑا ہو نہ سکتا ہو تو اس سے یہ فرض ساقط ہو جائے گا، امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں: ”واتّفقوا على أنّ القيام فيها فرض لمن لا علّة به“ (۲) اوران لوگوں نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ نماز میں قیام اس شخص کے لئے فرض ہے جس کو کوئی بیماری نہ ہو۔

اسی وجہ سے اگر مریض آپریشن کے بعد نماز کے لئے کھڑا نہ ہو سکے تو اس کے لئے بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی، کیا اس کے لئے شفاء میں تاخیر یا اس میں مشقت کا اندیشہ ہو تو کیا اس کو قیام چھوڑنے کی اجازت ہوگی؟ اس سلسلے میں علماء کے دو قول ہیں: صحیح قول یہ ہے اس کے لئے بیٹھنا اور قیام کو چھوڑ دینا جائز ہے، چونکہ شفاء میں دیری اور مشقت یہ دونوں علماء کے نزدیک صحیح قول کے مطابق رخصت کی وجہ بنتے ہیں۔

اسی طرح اگر حالت یہ ہو کہ وہ کھڑا تو ہوسکتا ہے؛ لیکن اس کے کھڑے ہونے میں نقصان ہوسکتا ہے جیسے شفایابی میں دیر کا ہونا، یا اس کا آپریشن کامیاب نہیں ہوسکا تو ان تمام صورتوں میں اس کے لئے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے۔

اگر اس سے ڈاکٹر یہ کہے کہ تم کو نقصان کے اندیشہ سے بیٹھ کر ہی نماز نہیں پڑھنا چاہئے، یا وہ بالکل بیٹھ ہی نہ سکتا ہو جیسا کہ ریڑھ کی ہڈی کے آپریشن میں ہوتا ہے تو اس کو اپنے پہلو کے بل لیٹنا بھی جائز ہے اور وہ اب اشارے سے نماز پڑھے گا۔(۳)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی گذشتہ حدیث کی وجہ سے کہ اس کے الفاظ ہیں: ”فان لم يستطع فعلى جنب “ اگر وہ استطاعت نہ رکھتا ہو تو اس کے لئے رکوع

(۱) فتح الباری :۳۹۷/۲

(۲) مراتب الاجماع لابن حزم : كتاب الصلوة :۲۶/۱، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

(۳) فتح القدير لابن همام :۳۷۵/۱

اور سجدہ کو بھی چھوڑنا بھی جائز ہے، مطلب یہ ہے کہ جھکنے یا رکوع یا سجدہ کرنے میں نقصان ہوسکتا ہو یا صحیح ہونے میں دیری ہوسکتی ہو تو جیسے قیام کی حالت میں ہوتا ہے تو اس کے لئے مشقت قیام اور قاعدہ دونوں میں ہونے کی وجہ سے لیٹ کر نماز پڑھنا جائز ہے اور اگر اسے قبلہ رخ کرانے والا کوئی نہ ہو تو وہ دوسری جہت پر بھی نماز پڑھ سکتا ہے۔(۱)

ہاں البتہ یہ ضروری ہے کہ معذوری اور ضرورت کا یقین ہو، اگر وہ کچھ رکعتوں کو کھڑے ہوکر پڑھ سکتا ہے تو جس قدر استطاعت ہے اس قدر کھڑے ہوکر نماز پڑھے۔(۲)

جیسا کہ یہ عمل حضور ﷺ سے تہجد کے سلسلے میں ثابت ہے۔(۳)

مریض کی نماز:

جو شخص کھڑے ہونے سے حقیقۃً عاجز ہوجائے کہ کھڑے ہوتے ہی گر جائے یا ضعف اور کمزوری کی وجہ سے کھڑا نہ ہوسکے، یا حکماً اس کے لئے قیام موجبِ مشقت ہو یعنی کھڑے ہوکر نماز پڑھنے سے مرض کے بڑھ جانے یا دیر سے ٹھیک ہونے کا اندیشہ ہو یا سر چکراتا ہو یا شدید تکلیف ہوتی ہو تو ایسے شخص کے لئے بیٹھ کر فرض اور واجب نمازیں پڑھنا جائز ہے اور قیام کا فریضہ اس سے ساقط ہے:

”من تعذر عليه القيام أي كله لمرض حقيقي وحده أن يلحقه بالقيام ضرر وبه يفتىٰ الخ أو حكميّ بأن خاف زيادته أو بطء برء ه بقيامه أو دوران رأسه أو وجد لقيامه ألماً شديداً ـالى قوله ـ صلى قاعداً“ (۴)

جو شخص سجدے پر قادر نہ ہو اس سے قیام ساقط ہے:

اسی طرح جو شخص کسی وجہ سے سجدہ کرنے پر قادر نہ ہو اس سے بھی نماز میں قیام کا فریضہ ساقط ہے، اس کے لئے بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنا افضل ہے، اگر کھڑے کھڑے

---

(۱) رد المحتار: مطلب قد يطلق الفرض علي ما يقابل الركن: ۴۵/۱

(۲) جواهر الاكليل: ۵۶/۱

(۳) بخاری: باب اذا صل قاعداً، ثم صحّ أو وجد خفّة تمّم ما بقى: حديث: ۱۱۱۸

(۴) رد المحتار: باب صلاة المريض: ۹۵/۲

اشارہ سے نماز پڑھے گا تو خلافِ اولی ہوگا۔ (نیز اس کے لئے کرسی یا اسٹول پر بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنے کی بھی گنجائش ہے):

”وان تعذّرا ليس تعذرهما شرطا بل تعذر السجود كاف لا القيام أوما قاعداً وهو أفضل من الايماء قائما لقربه من الأرض (درمختار) وفى الشامى : بل كلهم متفقون على التعليل بأنّ القيام سقط لأنّه وسيلة الى السجود بل صرح فى الحلية بأنّ هذا من المسائل التى سقط فيها وجوب القيام مع انتفاء العجز الحقيقى والحكمى “ (۱)

☆ بعض صورتوں میں بیٹھ کر نماز پڑھنا واجب ہوجاتا ہے مثلاً قیام کی وجہ سے زخم سے رطوبت یا خون نکلتا ہے یا پیشاب کے قطرات آنے لگتے ہیں یا کپڑے کی کمی کی وجہ سے جن اعضاء کا نماز میں چھپانا واجب ہے ان میں سے کسی کا چوتھائی حصہ کھل جاتا ہو یا قیام کے تعب کی وجہ سے بالکل قرأت ہی نہ کرسکتا ہو تو ان صورتوں میں بیٹھ کر نماز پڑھنا واجب ہے، اگر جماعت کے لئے جانے کی وجہ سے کھڑے ہوکر نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو صحیح یہ ہے کہ جماعت ترک کرکے گھر میں تنہا نماز پڑھ لے۔

فتاوی شامی میں ہے:

”وقد يتحتم القعود كمن يسيل جرحه إذا قام أو يسلسل بوله أو يبدوا ربع عورته أويضعف عن القرائة أصلا أو عن صوم رمضان ولو أضعفه عن القيام الخروج لجماعة صلى فى بيته منفردا “(۲)

☆ اگر بیٹھ کر بھی زخم بہتا ہو؛ البتہ چت لیٹ کر نہیں بہتا تو صحیح یہ ہے کہ

---

(۱) در مختار مع حاشية ابن عابدين: باب صلاة المريض :۹۸/۲

(۲) رد المحتار: باب صلاة المريض:۹۶/۲

نماز کھڑے ہوکر پڑھے چت لیٹ کر نہ پڑھے اور زخم بہنے کی وجہ سے اگر معذور کی تعریف صادق آوے تو باوجود خون جاری ہونے کے نماز صحیح ہو جائے گی۔(۱)

☆ مریض کو اتنی قوت تو نہیں ہے کہ کھڑے ہوکر تکبیر کے بعد قراءت کر سکے ہاں اتنی قوت ہے کہ کھڑے ہوکر تکبیر کے بعد ایک دو آیت پڑھ سکے یا صرف اتنی قوت ہے کہ قیام کے بعد تکبیر کہہ سکتا ہے ایک آیت بھی اس کے بعد نہیں پڑھ سکتا، ان دونوں صورتوں میں واجب ہے کہ کھڑے ہوکر تکبیر کہے، پھر بیٹھ کر نماز پوری کرے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں:

”ولو قدر على بعض القيام دون تمامه أو كان يقدر على القيام لبعض القراءة دون تمامها يؤمر بأن يكبر قائما ثم يقعد إن عجز “(۲)

☆ اگر سجدہ پر قادر ہو اور رکوع پر قادر نہ ہو تو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ قیام اور سجدہ کرے اور رکوع اشارہ سے ادا کرے؛ چونکہ ایسا ہونا مستبعد ہے؛ اس لئے فقہاء نے تعرض نہیں کیا۔(۳)

☆ اگر زمین پر کوئی چیز رکھ کر اس پر سجدہ کر سکتا ہو اور بغیر رکھے ہوئے سجدہ نہ کر سکتا ہو تو مصلی کے لئے لازم ہے کہ زمین پر کوئی چیز رکھ کر اس پر سجدہ کرے اور محض سر کے اشارے سے نماز ادا نہ کرے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ:

” لو كان قادرا على وضع شيء على الأرض مما يصح السجود عليه أنه يلزمه ذلك ؛ لأنه قادر على الركوع والسجود حقيقة ولا يصح الإيماء لقادر عليهما“(۴)

---

(۱) رد المحتار: باب صلاة المريض:۹۲/۲

(۲) رد المحتار: باب صلاة المريض:۹۲/۲ (۳) حوالہ سابق

(۴) رد المحتار: باب صلاة المريض:۹۹/۲

☆ اگر کمزوری کی وجہ سے نہ خود بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہو نہ کسی چیز پر ٹیک لگا کر بیٹھ سکتا ہو تو لیٹ کر سر کے اشارے سے نماز ادا کرے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں پیر قبلہ کی طرف کرے اور سر مشرق کی طرف، اگر بسہولت ہو سکے تو دونوں گھٹنوں کو کھڑا کر لے اور سر کے نیچے تکیہ رکھ لے؛ تا کہ اشارہ کرنا سہل ہو جائے، پھر تکبیر تحریمہ کہہ کر دونوں ہاتھ باندھ لے اور رکوع وسجدہ سر کے اشارے سے ادا کرے، رکوع کے لئے جتنا سر اٹھایا ہے اس سے زیادہ سجدہ کے لئے اٹھائے، تکیہ رکھنے میں یا موڑنے میں تکلیف ہو تو ترک کر دے۔ لیٹ کر نماز پڑھنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ داہنی یا بائیں کروٹ پر اس طرح سے لیٹے کہ چہرہ قبلہ کی طرف ہو جائے، افضل طریقہ پہلا ہے، دوسرا طریقہ پر بھی بلا کراہت جائز ہے، اس میں بھی افضل داہنی کروٹ پر لیٹنا ہے۔

☆ اگر مریض بیٹھ کر نماز پڑھنے پر قادر ہو؛ لیکن مضرت کا خطرہ مثلاً آنکھ کا یا نزول آب یا اور کوئی آپریشن ایسا ہوا ہے جس میں طبیب نشست کی اجازت نہیں دیتے تو بھی لیٹ کر اوپر مذکورہ طریقہ پر نماز پڑھ سکتے ہیں۔

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ:

” وإن تعذر القعود ولو حكما كما لو قدر على القعود ؛ ولكن بزغ الطبيب الماء من عينه وأمره بالاستلقاء أياما أو ماء مستقلا علي ظهره ورجلاه نحو القبلة غير أنه ينصب ركبتيه لكراهة مد الرجل أو على جنبه الأيمن أو الأيسر ووجهه إليها والأول أفضل “ (۱)

☆ اگر سر کے اشارے سے بھی نماز پڑھنے کی قدرت نہ ہو یعنی باوجود درستگی حواس کے اتنی قوت نہ ہو کہ سر سے اشارہ کر سکے تو نماز فی الحال معاف ہو گئی۔ اگر اتنا ضعف نماز کے پانچ وقتوں سے زیادہ تک باقی رہے تو قوت آنے کے بعد قضاء بھی نہیں اور اگر پانچ وقت تک اتنی قوت آ جائے کہ لیٹ کر سر کے اشارہ سے نماز پڑھ سکتا ہو تو

(۱) رد المحتار: باب صلاة المريض: ۹۹/۲

قضاء کرنا واجب ہے۔ اگر مریض کو کمزوری اور شدید ضعف کی وجہ سے یا سکتہ یا بیہوشی یا دماغی حالت کے درست نہ رہنے کی وجہ سے اتنا فہم وادراک بھی نہ رہے کہ نماز فرض ہے اور یہ کیفیت پانچ وقت سے زیادہ تک باقی رہے تو قضاء بھی نہیں ہے۔

کتنا ہی ضعف ہو جائے زندگی میں نماز کا فدیہ ادا کرنا جائز نہیں بخلاف روزہ سے عاجزی کی صورت میں حینِ حیات (زندگی میں) فدیہ ادا کرنا جائز ہے، پھر اگر قوت آجائے تو قضاء کرنا واجب ہے، البتہ نماز کی ادائیگی کے لئے وصیت کرنا واجب ہے، شدید ضعف کی وجہ سے استقبال قبلہ اور سترِ عورت اور طہارت سب ساقط ہو جاتے ہیں جیسے بھی ممکن ہو نماز پڑھ لے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ:

"وإن تعذر الإيماء برأسه وكثرت الفوائت بأن زادت على يوم وليلة سقط القضاء وإن كان يفهم وسقط الشرائط عند العجز بالأولى ولا يعيد في ظاهر الرواية "(۱)

اگر مریض کے حواس درست ہوں ؛ لیکن شدت کمزوری کی وجہ سے نماز کے مختلف افعال قراءت رکوع سجود وغیرہ نہ کرسکتا ہو یا ذرا ذرا دیر میں غفلت ہو جاتی ہو تو نماز اس کے ذمہ لازم نہیں رہتی، اس صورت میں اگر صحت ہو جائے تو قضاء کرے، ورنہ روزہ کی طرح نماز کی طرف سے فدیہ نہیں ہوتا۔

☆ اگر مذکورہ صورت میں کسی دوسرے کے بتلانے سے نماز ادا کی مثلا اس نے کہا کہ رکوع کرلو، اب سجدہ کرلو اگر اس دوسرے شخص کی تلقین سے ادا کیا ہے تو امید یہی ہے کہ نماز ادا ہو جائے گی، اگرچہ اس طریقہ سے ادا کرنا لازم نہیں تھا۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ:

"ولو اشتبه على المريض أعداد الركعات والسجدات لنعاس يلحقه بحيث لا يمكنه ضبط ذلك لا يلزمه

(۱) رد المحتار: باب صلاة المريض:۲/۹۹

الأداء ولو اداها بتلقين غيره ينبغي أن يجزه ؛ لأنه تذكير للضرورة " (۱)

☆ اگر قبلہ کی طرف خود متوجہ نہ ہوسکتا ہو نہ دوسرا شخص موجود ہو جو متوجہ کرے تو جس رخ پر بھی ہو نماز پڑھ لے صحت کے بعد اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اگر دوسرا شخص غلام یا نوکر ہو جو اس کو قبلہ رخ کروا سکتا ہو تو اس کی مدد سے نماز پڑھ لے، فتاوی ہندیہ میں ہے مطلقا بغیر اس دوسرے شخص سے کہے ہوئے اگر نماز پڑھ لے تو صحیح نہ ہوگی ہاں دوسرے کے انکار کے بعد اگر غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ لے تو بہر حال صحیح ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"لا يستطيع التوجه إلى القبلة وهو يعرفها ولم يجد أحدا يحوله إليها يصلى كذلك ولا يعيد فإن وجد أحدا يحوله إلى القبلة ينبغي أن يأمره حتى يحوله وإلا لا يجوز " (۲)

☆ اگر کوئی زخم ایسا ہو کہ ہر دم بہتا رہتا ہو جس سے ہر کپڑا ناپاک ہو جاتا ہے یا اسہال کی وجہ سے ہر لنگی یا پائجامہ وغیرہ ناپاک ہو جاتا ہو تو کپڑے اور بستر کے تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے کہ:

" مريض تحته ثياب نجسة إن كان بحال لا يبسط شيء غلا يتنجس من ساعة يصلى على حاله " (۳)

☆ جمعہ کی شرکت سے معذور شخص کے لئے مستحب یہ ہے کہ جب لوگ جمعہ

---

(۱) رد المحتار: باب صلاة المريض:۲/۱۰۰

(۲) الفتاوى الهندية: الباب الرابع عشر فى صلاة المريض:۱/۱۳۷

(۳) الفتاوى الهندية: الباب الرابع عشر فى صلاة المريض:۱/۱۳۷

پڑھ لیں، پھر یہ جمعہ کی جگہ ظہر پڑھ لے:

”ویستحب للمریض أن یؤخر الظھر إلی أن یفرغ الإمام “(۱)

☆ مریض جس کو جماعت سے نماز پڑھنے میں تکلیف ہو تو اس پر جماعت واجب نہیں۔(۲)

وضعِ حمل کے وقت نماز کا حکم

حاملہ عورت کو ولادت کے وقت نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو وضو یا تیمّم کر کے جیسے میسر ہو نماز ادا کرے، اگر چہ بچہ کا کچھ حصہ نکل چکا ہو، جسم پر خون وغیرہ کی رطوبت کی پرواہ نہ کرے، کیوں کہ وہ دم نفاس نہیں؛ بلکہ استحاضۃ ہے جو مانع صلاۃ نہیں، حلبی کبیر میں ہے ”امرأۃ خرج راس ولدھا وخافت فوت الوقت توضأت إن قدرت وإلا تیممت...... وصلت قاعد“ (۳)

سلس البول (incontinence) کا حکم:

جس شخص کو کوئی ایسا زخم ہو ہر دم بہتا رہتا ہو یا کچھ کچھ پائخانہ نکلا کرتا ہو تو جیسا کہ چیچک یا بعض دنبل میں ہوتا ہے، یا ہمہ وقت پیشاب کے قطرات یا استحاضہ کا خون ہر وقت آتا ہو، یا آنکھ آنے کی وجہ سے پانی آتا ہو، اگر ان چیزوں میں ایسا تسلسل اور استمرار ہے کہ فرض نماز پڑھنے کی مقدار میں بھی نہ رکتا ہو تو جب پوری نماز کا وقت اس حالت میں گزر گیا تو ایسا شخص شریعت کی اصطلاح میں معذور کہا جاتا ہے اور یہ اس وقت تک معذور ہے جب تک کہ ایک نماز کا پورا وقت اس طور پر گذر جائے کہ اس کا مرض بالکل اثر نہ کرے، مثلاً ظہر کے اول وقت مثلاً صرف آدھ گھنٹہ بہ کر بند ہو گیا پھر بھی یہ معذور ہے؛ لیکن اگر ایک کے بعد مثلاً صبح صادق سے طلوع آفتاب تک زخم بالکل نہ بہا تو اب یہ معذور نہیں رہا۔

---

(۱) الفتاوی الھندیۃ: الباب الرابع عشر فی صلاۃ المریض: ۱/۱۳۸

(۲) أحکام المعذورین : ۳۸ (۳) حلبی کبیر: ۵۶۲

معذور کا حکم یہ ہے کہ وقت شروع ہونے کے بعد جب اس نے وضو کر لیا تو جب تک اس نماز کا وقت نہ نکل جائے اس وقت تک فرض، نفل، اداء قضاء جو چاہے پڑھ سکتا ہے، دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں، ہاں اس عذر کے علاوہ کسی اور وضو توڑنے والی چیز کا پیش آئے تو وضو ٹوٹ جائے گا، مثلاً زخم کے بہنے کی وجہ سے معذور ہو، اب اس نے ظہر کے لئے وضو کیا تو کتنا ہی بہہ جائے تو یہ ظہر کے آخر تک وضو نہ کرے، اسی وضو سے سب نمازیں پڑھ سکتا ہے، البتہ اگر ریاح نکل جائے یا استنجاء کیا یا ناک بہہ پڑی تو ان سب صورتوں میں وضو ٹوٹ گیا۔

اگر کوئی شخص مسلسل پیشاب کے قطرات آنے میں مبتلا ہے، اور کھڑے بیٹھے کسی بھی حالت میں مرض کا انقطاع نہیں ہوتا تو ایسے مریض سے قیام ساقط نہیں ہے، وہ کھڑے ہو کر رکوع اور سجدہ کے ساتھ نماز ادا کرے گا اور حسبِ قاعدہ معذورین کے حکم میں ہوگا:

”أقول : وقدمنا هناك أنه لو لم يقدر على الايماء قاعداً كما لو كان بحال لو صلیٰ قاعداً يسيل بوله أو جرحه ولو مستلقياً لا ، صلى قائما بركوع وسجود ؛لانّ الاستلقاء لا يجوز بلا عذر ، كالصلوة مع الحدث فيترجح ما فيه الاتيان بالأركان كما في المنية وشرحها “(١)

اور اگر سلسل البول یا ریح والا مریض اگر بہ تکلف رک کر نماز پڑھ سکتا ہے تو اس کو معذور نہیں کہیں گے؛ بلکہ واجب ہے کہ بہ تکلف روک کر نماز پڑھے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ:

”وأما إذا أمكنه أخرج عن كونه صاحب عذر “(٢)

---

(١) رد المحتار: باب صلاة المريض:٩٦/٢

(٢) رد المحتار: باب صلاة المريض:٣٠٥/٢

مسئلہ: ایک شخص کے ایک دنبل ہے جس سے ہر وقت خون وغیرہ سائل بہتا رہتا ہے، اس لئے وہ معذور ہے، دوسرے زخم سے بھی خون نکلا تو وضوٹوٹ گیا؛ کیوں کہ معذور یہ شخص پہلے زخم کی وجہ سے ہوا تھا نہ کی دوسرے کی وجہ سے؛ اس لئے مکرر وضو کرنا ہوگا۔ اگر اس صورت میں دوسرا زخم بھی مسلسل پہلے کی طرح بہہ پڑا تو اس دوسرے کے بہنے سے وضو نہ ٹوٹے گا۔

معذور کے لئے واجب ہے کہ اگر باندھنا مضر یا تکلیف دہ نہ ہو تو زخم کو باندھ دے؛ تا کہ بقدر امکان نجاست سے بچ سکے۔

اگر باندھنے سے یا اور کسی طریقے سے نجاست کا بہنا ختم ہوسکتا ہو اور وہ تدبیر مریض کے لئے مضر یا شدید تکلیف دہ نہیں ہے تو اس تدبیر کا انتظام کرنا واجب ہے اور یہ شخص مسلسل بہنے کی وجہ سے معذور شمار نہ ہوگا۔

معذور کے زخم سے جو خون وغیرہ نکل کر کپڑے کو لگ رہا ہے اگر وہ ایک درہم سے کم ہے تو دھونا مسنون ہے، اگر مساوی ہے تو دھونا واجب ہے، اگر زائد ہے تو دھونا فرض ہے۔

اگر زخم کا بہنا اس طرح ہوتا ہے کہ جب کپڑا دھوتا ہے تو فوراً دوسرا خون لگ جاتا ہے، اتنا موقع نہیں ملتا کہ دھو کر بغیر نجاست لگے ہوئے نماز پڑھ لے تو بغیر دھوئے ہوئے نماز پڑھنا جائز ہے۔

اگر دھونے کے بعد اتنا وقت مل سکتا ہے کہ فرض نماز کپڑے کی طہارت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے تو بغیر دھوئے نماز نہ ہوگی۔

”وإن أصاب الثوب من ذلك الدم أكثر من قدر الدرهم لزم غسله إذا علم أنه إذا غسله لا يتنجس ثانيا قبل أداء الصلاة ولو بحال يتنجس قبل الفراغ من الصلاة ثانيا جاز له أن لا يغسله“ (۱)

---

(۱) کبیری:۱۳۲

تھوڑی قئے جو منہ بھر نہیں ہے، یوں ہی اتنا خون جو سائل نہیں ہے اگر کپڑے میں لگ جائے تو ناپاک نہ ہوگا اگر چہ زیادہ مقدار کپڑے کی ملوث ہو جائے۔

صحیح یہ ہے کہ اس صورت میں اگر یہ قئے یا خون تھوڑے پانی میں گر جائے تو وہ پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

"والدم غير سائل والقئى القليل إذا أصاب الثوب لا بأس بمنع جواز الصلاة ولو فغش وكذا إذا وقع فى الماء القليل "(۱)

مریض کس طرح بیٹھ کر نماز پڑھے؟

مریض جس طرح سہولت ہو بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے؛ لیکن اولیٰ یہ ہے کہ اگر زیادہ کلفت نہ ہو تو تشہد کی ہیئت کی طرح بیٹھ کر نماز ادا کرے:

"صلى قاعداً ۔الى قوله ۔ كيف شاء علىٰ المذهب لأنّ المرض أسقط عنه الأركان فالهيئات أولىٰ ۔وقال زفر : كالمتشهد قيل به يفتىٰ ۔(درمختار) وفى الشامى أقول : ينبغى أن يقال : ان كان جلوسه كما يجلس للتشهد أيسر عليه من غيره أو مساوياً لغيره كا ن أولى، والّا اختار الأيسر فى جميع الحالات ،ولعلّ ذلك محمل القولين ، والله تعالىٰ أعلم"(۲)

اشارہ سے نماز پڑھنے والا رکوع، سجدہ کیسے کرے؟

بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنے والا سر جھکا کر رکوع اور سجدہ کرے گا اور سجدہ میں رکوع کی حالت سے زیادہ سر کو جھکائے گا، اس حالت میں سجدہ کی صحت کے لئے سرین کا اٹھانا لازم نہیں ہے:

---

(۱) کبیری:۱۳۴

(۲) در مختار مع حاشية ابن عابدين :باب صلاة المريض :۹۷/۲

”ویجعل سجوده أخفض من رکوعه لزوماً (درمختار) أشار الی أنّه یکفیه أدنی لانحناء عن الرکوع وأنّه لا یلزمه تقریب جبهته من الأرض ما یمکنه کما بسطه فی البحر عن الزاهدی“ (۱)

جو شخص کچھ دیر کھڑے ہونے پر قادر ہو وہ کیا کرے؟

جس شخص کی حالت یہ ہے کہ وہ کچھ وقت کے لئے کھڑے ہونے اور قرأت کرنے پر قادر ہے؛ لیکن دیر تک نہیں کھڑا رہ سکتا تو ایسے شخص پر لازم ہے کہ جتنی دیر تک کھڑا رہ سکے کھڑا ہو اور جب کھڑا ہونا مشکل ہو تو بیٹھ جائے، ایسا شخص اگر بالکل کھڑا نہ ہو تو اس کی نماز صحیح نہ ہونے کا اندیشہ ہے:

”وان قدر علیٰ بعض القیام ـ الی قوله ـ قام لزوماً بقدرما یقدر ولو قدر اٰیة أو خلافه عن أصحابه، ولو ترك هذا خفت أن لا تجوز صلاته“(۲)

بیٹھنے سے معذور شخص نماز کیسے پڑھے؟

جو شخص کسی طرح بھی بیٹھنے پر قادر نہ رہے یعنی تکیہ وغیرہ کے سہارے سے بھی بیٹھ نہ سکے تو ایسا شخص لیٹ کر اشارہ سے نماز پڑھے گا اور اس کے لئے درج ذیل دو طرح کے ہیئت اپنانا درست ہے:

۱) افضل یہ ہے کہ پیر قبلہ کی طرف کر کے گھٹنے کھڑے کر لے اور سر کے نیچے تکیہ لگا دیا جائے؛ تا کہ چہرہ قبلہ کی طرف ہو جائے اور پھر گردن کے اشارہ سے نماز ادا کرے۔

۲) دوسری صورت یہ ہے کہ مریض کو کروٹ پر لٹا کر اس کا چہرہ قبلہ کی طرف کر دیا جائے اور دائیں کروٹ پر لٹانا افضل ہے۔

---

(۱) در مختار مع حاشیة ابن عابدین : باب صلاة المریض :۹۸/۲

(۲) در مختار مع حاشیة ابن عابدین : باب صلاة المریض :۹۷/۲

”وان تعذر القعود ولوحكماً أومأ مستلقياً علىٰ ظهره ورجلاه نحو القبلة غير أنّه ينصب ركبتيه لكراهة مد الرجل الى القبلة ويرفع رأسه يسيراً ليصير وجهه اليها، أو علىٰ جنبه الأيمن أو الأيسرووجهه اليها والأول أفضل على المعتمد (درمختار) وفى الشامى : والأيمن أفضل به ورد الأثر“ (۱)

کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا:

جو شخص قیام پر قادر نہ ہو؛ لیکن کسی بھی ہیئت پر زمین پر بیٹھ کر رکوع وسجدہ کے ساتھ نماز ادا کرسکتا ہے تو اس کو زمین ہی پر بیٹھ کر رکوع وسجدہ کے ساتھ نماز ادا کرنا ضروری ہے، کرسی پر بیٹھ کر رکوع وسجدہ کے اشارہ سے نماز ادا کرنا جائز نہیں، نماز نہیں ہوگی۔

اگر قیام کی قدرت ہے؛ لیکن گھٹنے کمر میں شدید تکلیف کی وجہ سے سجدہ کرنا طاقت سے باہر ہو یا وہ شخص جو زمین پر بیٹھنے پر قادر ہے؛ مگر رکوع وسجدہ پر قدرت نہیں رکھتا، تو یہ حضرات زمین پر بیٹھ کر نماز ادا کریں، کرسیوں کو استعمال کرنا کراہت سے خالی نہیں، البتہ اگر زمین پر کسی بھی ہیئت میں بیٹھنا دشوار ہو تب کرسی پر نماز ادا کی جا سکتی ہے۔(۲)

اور ایک جگہ دارالعلوم کا مفصل فتاوی ہے کہ:

قیام اور سجدہ پر قادر شخص کے لئے قیام فرض اور نماز کا رکن ہے، اگر قیام اور سجدہ بر قدرت ہوتے ہوئے فرض نماز بیٹھ کر ادا کی جائے تو رکن کے فوت ہونے کی وجہ سے نماز نہیں ہوگی، نماز کا اعادہ ضروری ہوگا: ”من فرائضها القيام فى فرض لقادر عليه وعلى السجود“(۳)

یہاں تک کہ اگر نماز میں قیام کے کچھ حصے پر قدرت ہے، مکمل طور پر قادر نہیں تو

(۱) در مختار مع حاشية ابن عابدين: فروع مشى المصلى مستقبل القبلة: ۶۳۷/۱

(۲) فتوی دارالعلوم، دیوبند، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند: ۹۵، شمارہ: ۶، رجب ۱۴۳۲ جون ۲۰۱۱

(۳) الدر مع الرد: ۱۳۲/۲

جتنی دیر قیام کر سکتا ہے، خواہ کسی عصا یا دیوار یا ٹیک لگا کر ہی کیوں نہ ہو، اتنی دیر قیام کرنا فرض ہوگا، اگر اتنی دیر قیام نہ کیا یا ٹیک لگا کر کھڑا نہ ہوا اور بیٹھ کر نماز مکمل کی تو نماز نہیں ہولی:

"وإن قدر على بعض القيام ولو متكئا على عصا أو حائط قام لزوما بقدر ما يقدر ولو قدر آية أو تكبيرة على المذهب؛ لأن البعض معتبر بالكل "(۱)

اگر کوئی شخص قیام پر قادر ہے، مگر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں رکوع، سجدہ یا صرف سجدہ پر قادر نہیں تو اس کے لئے بیٹھ کر نماز ادا کرنا جائز ہے، وہ اشارہ سے رکوع وسجدہ ادا کرے، اس صورت میں کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے کے مقابلے میں بیٹھ کر اشارہ سے نماز ادا کرنا افضل بہتر ہے:

"وإن تعذرا ليس تعذرهما شرطا ؛ بل تعذر السجود كاف لا القيام أو ما قاعدا لأن ركنية القيام للتوصل إلى السجود ، فلا يجب دونه" (۲)

جو اعذار قیام کو ساقط کرنے والے ہیں وہ دو قسم کے ہیں:

(۱) حقیقی: یعنی اس طرح معذور ہو کہ قیام اس کے لئے ممکن نہ ہو۔

(۲) حکمی: یعنی اس درجہ معذور نہ ہو کہ قیام پر قدرت ہی نہ ہو؛ بلکہ قدرت تو ہو مگر گر جانے کا اندیشہ ہو یا ایسی کمزور حالت ہو جو عند الشرع عذر میں شامل ہے مثلاً بیمار ہے اور ماہر مسلم تجربہ کار ڈاکٹر نے کہا کہ کھڑے ہونے میں بیماری میں اضافہ ہوگا یا بیماری دیر سے صحیح ہوگی، یا کھڑے ہونے میں ناقابلِ برداشت درد ہوتا ہو، ان صورتوں میں بیٹھ کر نماز ادا کرنا جائز ہے:

"من تعذر عليه القيام لمرض حقيقي وحدّه أن يلحقه بالقيام ضرر"(قال في البحر: أراد بالتعذر، التعذر الحقيقي بحيث لو قام سقط) أو حكمي بأن

---

(۱) الدر مع الرد: ۲/۵۶۷ (۲) الدر مع الرد: ۲/۵۶۷

خاف (أی غلب علی ظنه بتجربة سابقة أو إخبار طبیب مسلم حاذق) زیادته أو بطء برئه بقیامه أو دوران رأسه أو وجد لقیامه ألما شدیدا صلی قاعدا" (۱)

جو شخص قیام پر قادر نہیں؛ لیکن زمین پر بیٹھ کر سجدہ کے ساتھ نماز ادا کرسکتا ہے تو اس کو زمین پر بیٹھ کر سجدہ کے ساتھ نماز ادا رنا ضروری ہے، زمین پر سجدہ نہ کرتے ہوئے کرسی پر یا زمین پر اشارہ سے سجدہ کرنا جائز نہیں:

"وإن عجز عن القیام وقدر علی القعود؛ فإنه یصلی المکتوبة قاعدا برکوع وسجود ولایجزیه غیر ذلك"(۲)

اگر رکوع وسجدہ پر قدرت نہیں اور زمین پر بیٹھ کر اشارہ سے نماز ادا کرسکتا ہے، تو تشہد ہی کی حالت میں بیٹھنا ضروری نہیں؛ بلکہ جس ہیئت پر بھی، خواہ تورک (عورت کے تشہد میں بیٹھنے کا طریقہ) کی حالت پر یا آلتی پالتی مار کر، بیٹھنا سہل وممکن ہو، اس ہیئت کو اختیار کرکے زمین ہی پر بیٹھ کر اشارہ سے نماز ادا کیا جائے، کرسیوں کو اختیار نہ کیا جائے، کیوں کہ شریعت نے ایسے معذورین کو زمین پر بیٹھنے کے سلسلے میں مکمل رعایت دی ہے کہ جس ہیئت میں بھی ممکن ہو، بیٹھ کر نماز ادا کریں۔

من تعذر علیه القیام لمرض... أو خاف زیادته ... أو وجد لقیامه ألماشدیدا ... صلی قاعدا ... کیف شاء (۳)

اس صورت میں بلاضرورت کرسیوں پر بیٹھ کر نماز ادا کرنا بچند وجوہ کراہت سے خالی نہیں:

۱) زمین پر بیٹھ کر نماز ادا کرنا مسنون طریقہ ہے، اسی پر صحابہ کرام اور بعد کے لوگوں کا عمل رہا ہے، نوے کی دہائی سے قبل تک، کرسیوں پر بیٹھ کر نماز ادا کرنے کا

(۱) الدر مع الرد: ۶۶۷/۲ (۲) تاتارخانیہ: ۶۶۷/۲

(۳) الدر مع الرد: ۹۵۶۶/۲

رواج نہیں تھا، نہ ہی خیر القرون سے اس طرح کی نظیر ملتی ہے۔

۲) کرسیوں کے بلا ضرورت استعمال سے صفوں میں بہت خلل ہوتا ہے؛ حالانکہ اتصالِ صفوف کی حدیث میں بہت تاکید آئی ہے۔

۳) بلا ضرورت کرسیوں کو مساجد میں لانے سے اغیار کی عبادت گاہوں سے مشابہت ہوتی ہے اور دینی امور میں ہم کو غیروں کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے۔

۴) نماز، تواضع وانکساری سے عبارت ہے اور بلا ضرورت کرسی پر بیٹھ کر ادا کرنے کے مقابلے میں زمین پر ادا کرنے میں یہ انکساری بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔

۵) نماز میں زمین سے قرب ایک مطلوب شیٔ ہے، جو کرسیوں پر ادا کرنے میں مفقود ہے۔

البتہ اگر زمین پر کسی بھی ہیئت میں بیٹھ کر نماز ادا کرنا دشوار ہو جائے تو پھر کرسیوں پر ضرورت کی وجہ سے نماز ادا کی جاسکتی ہے؛ لیکن زمین پر بیٹھ کر رکوع وسجدہ کی قدرت ہونے کی صورت میں کرسی پر اشارے سے نماز ادا کرنا جائز نہیں۔(۱)

مریض اشارہ سے بھی نماز پڑھنے سے بھی عاجز ہو جائے:

اگر کوئی شخص سر کے اشارہ سے نماز پڑھنے پر بھی قادر نہ رہے تو اس کی درج ذیل صورتیں ممکن ہیں:

۱) یہ کیفیت چوبیس گھنٹے سے کم رہے (خواہ ہوش وحواس ہوں یا نہ ہوں) اور بعد میں وہ ان نمازوں کو ادا کرنے پر قادر ہو جائے تو اس پر قضا لازم ہے اور اگر اس نے قضا نہ کی تو فدیہ کی وصیت لازم ہے۔

۲) اگر یہ کیفیت چوبیس گھنٹے سے کم رہی اور اس کے ہوش وحواس بھی بجا رہے؛ لیکن نماز پر قدرت ہونے سے پہلے ہی اس کا انتقال ہو گیا تو ایسی صورت میں نہ قضا لازم ہے اور نہ فدیہ۔

---

(۱) چند اہم عصری مسائل: طہارت اور نماز سے متعلق مسائل: ۱۲۹، یہ دار العلوم دیوبند سے صادر شدہ جدید مسائل سے متعلق مجموعہ ہے۔

۳) اگر کوئی مریض اشارہ سے نماز پڑھنے پر قادر نہ ہو اور اس حالت پر چوبیس گھنٹے سے زیادہ گذر جائیں تو خواہ ہوش وحواس بجا ہوں یا نہ ہوں اس سے مذکورہ اوقات کی نماز پڑھنا ساقط ہو جائے گا۔

”وان تعذر الایماء برأسه وکثرت الفوائت بأن زادت علی یوم ولیلة سقط القضاء عنه وان کا ن فی ظاهر الروایة وعلیه الفتوی کما فی الظهیریة ، لأنّ مجرد العقل لا یکفی لتوجه الخطاب (درمختار) وفی الشامی : أمّا کانت یوماً ولیلة أو أقلّ وهو یعقل فلاتسقط ، بل تقضی اتفاقاً وهذا اذاأصح ، فلو مات ولم یقدر علی الصلاۃ لم یلزمه القضاء حتی لا یلزمه الایصاء بها ۔الی قوله۔ أمّا ان قدر علیه بعد عجزه فانه یلزمه القضاء وان کان موسعاً فائدته فی الایصاء بالأطعام عنه “ (۱)

زندگی میں نماز کا فدیہ معتبر نہیں:

اگر کوئی شخص نماز پڑھنے سے عاجز ہو جائے اور اسکے ذمہ بہت سی نمازیں قضا ہوں تو جب تک بھی وہ زندہ ہے اس کی طرف سے نمازوں کا فدیہ ادا کرنا معتبر نہیں؛ بلکہ اگر قدرت حاصل ہو جائے تو قضا کرے اور اگر مرنے سے پہلے تک قضا کا موقع نہ ملے تو فدیہ کی وصیت کرے:

”ولا فدیة فی الصلوات حالة الحیاۃ بخلاف الصوم (۲)

”ولو فدی عن صلاته فی مرضه لا یصح بخلاف الصوم “ (۳)

(۱) در مختار مع حاشیة ابن عابدین :باب صلاۃ المریض :۹۹/۲

(۲) در مختار مع حاشیة ابن عابدین : باب صلاۃ المریض:۱۰۰/۲

(۳) در مختار مع حاشیة ابن عابدین : باب صلاۃ المریض:۱۰۰/۲

صحت کے بعد اگر کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کی استطاعت ہے تو کھڑے ہوکر ورنہ بیٹھ کر یا لیٹ کر اپنی وقتی نمازوں کے ساتھ ساتھ ان قضا نمازوں کی بھی ادائیگی کی جائے، اگر طاقت آجانے کے بعد بھی نہ پڑھیں تو ان کی قضا رہ گئی بعد میں ان کا فدیہ ہوگا اور واس کی وصیت کرنا واجب ہے۔

اسی طرح اگر کوئی آدمی بیہوش ہوگیا اور اس کو چھ نمازوں کا وقت گذرنے سے پہلے ہوش آگیا تو یہ نمازیں قضاء فرض ہیں، بعد میں فدیہ دیا جائے اور اگر زیادہ عرصہ میں ہوش آیا تو نہ قضا رہے نہ فدیہ، فدیہ ایک دن میں چھ نمازوں کا دیا جاتا ہے، پانچ فرض اور ایک وتر، ایک نماز کا فدیہ پونے دو کلو گیہوں یا اس کی قیمت ہے۔(۱)

آنکھ اور بھوؤں کے اشارہ سے نماز پڑھنے کا اعتبار نہیں:

اگر کوئی شخص سر کے اشارہ سے نماز پڑھنے سے عاجز ہو جائے تو اسے آنکھ یا بھوؤں کے اشارہ سے نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا جائے گا؛ کیونکہ ان کے اشارہ سے پڑھی گئی نمازیں غیر معتبر ہیں: ”ولو يؤم بعينه وقلبه وحاجبه خلافاً لزفر “(۲)

روزہ کی رخصتیں

یہ رخصتیں صرف رمضان کے سلسلے میں ہیں، اصل اس بارے میں اللہ عزوجل کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿فَمَنْ كَانَ مِنكُم مَّرِيضاً أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ (البقرة :۱۸۴)

امامِ قرطبیؒ اپنی تفسیر میں اللہ عزوجل کے اس ارشاد کی تفسیر ”مریضاً“ فرماتے ہیں: مریض کی دو حالتیں ہوتی ہیں:

۱- مریض بالکل روزہ کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو افطار کرنا واجب ہے

۲- روزہ تو رکھ سکتا ہو؛ مگر اس کو مشقت ہوگی، نقصان ہوگا تو یہ شخص افطار کرسکتا ہے،

(۱) فدیہ وقضاء:۴-۵، مولانا جمیل احمد تھانویؒ

(۲) در مختار مع حاشية ابن عابدين :۱۰۰/۲

اورفرماتے ہیں:’’وقال جمهور من العلماء : اذا كان به مرض يؤلمه ، ويؤذيه أو يخاف تماديه أو يخاف تزيده صح له الفطر‘‘ (۱) جمہور علماء نے کہا ہے کہ: اگر اسے ایسا مرض ہو جو اس کی تکلیف کا باعث ہو، یا اسے اس کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہو تو اس کے لئے افطار کرنا صحیح ہے۔

اس لئے بیمار شخص کے لئے روزہ رکھنا دشوار ہو تو اس کے حق میں روزہ توڑنا واجب ہوگا، اگر وہ مشقت کے ساتھ روزہ رکھ سکتا ہے، اس کی جان کے چلے جانے کا اندیشہ نہیں تو اسے روزہ رکھنے اور نہ رکھنے میں اختیار رہے، اگر ڈاکٹروں نے روزہ نہ رکھنے کا مشورہ دیا اور وہ روزہ رکھا اور اسے مشقت اور تکلیف ہونے لگی تو اس کے لئے روزہ توڑنے کی اجازت ہے، اس صورت میں صرف ڈاکٹروں کے کہنے پر یہ رخصت موقوف نہ ہوگی، وہ اس بارے میں اپنے تعلق سے خود ہی زیادہ جانتا ہے۔

ڈاکٹروں کو چاہئے کہ اگر جانوں کے ضیاع اور چلے جانے کا اندیشہ ہو تو وہ بیماروں کو روزہ توڑ دینے کو کہیں، اسی طرح عضو کے فوت ہونے کا خدشہ ہو تو بھی روزہ توڑنے کو کہیں، چونکہ انسان کی جان چلے جانے اور عضو کے تلف ہونے کی مشقت یہ بہت بڑی مشقت ہے جو رخصت کا باعث بن سکتی ہے۔

امام عزالدین عبدالسلامؒ کہتے ہیں:

’’وأمّا الصوم فالأعذار فيه خفيفة ، كالسفر والمرض الذي يشقّ الصوم معه ، كمشقة الصوم على المسافر ، وهذان عذران خفيفان وما كان أشدّ منها كا لخوف على الأطراف والأرواح كان أولى بجواز الفطر‘‘ (۲)

رہا روزہ تو اس کے اعذار ہلکے ہیں، جیسے سفر اور وہ مرض جس کے ساتھ روزہ مشقت کا باعث ہوتا ہے، جیسے مسافر کے لئے روزہ کا مشقت کا باعث ہونا، یہ دونوں

(۱) تفسیر القرطبی: سورۃ البقرۃ: ۱۸۳: ۲/ ۲۷۶

(۲) قواعد الأحكام للعز بن عبد السلام فصل في المشاق الموجبة : ۲/ ۱۲، مكتبة الكليات الازهرية

معمولی عذر ہیں اور جو اس سے بڑھ کر اور برتر ہوں جیسے اعضاء یا جانوں کے ضیاع کا اندیشہ تو اس میں بدرجۂ اولی افطار کی اجازت ہوگی۔

اس قسم کی مشقت کو روزہ توڑنے کے جواز کی رخصت پر باتفاق اجماع نقل کیا گیا ہے، اسی کی جانب ابن حزمؒ نے اشارہ کیا ہے۔(۱)

ڈیلیسس (blooddialysis)(گردہ فیل) مریض کے روزہ توڑنے کا حکم:

اگر کسی کے گردے فیل ہو جائیں اور اطباء نے اسے روزانہ پانی کی ایک دو لیٹر مقدار پینے کے لئے کہا ہو اور دو یا تین گھنٹے تک اس کا پانی کا نہ پینا ڈاکٹروں نے اس کے لئے خطرہ بتایا ہو تو ایسا شخص اگر یہ اطباء ثقہ، بھروسہ مند اور ماہر ہیں تو ان پر اعتماد کرتے ہوئے یہ مریض روزہ توڑ سکتا ہے، اگر بعد میں صحت ہو جائے اور روزہ پر قدرت ہو جائے تو قضا کرے ورنہ اگر بیماری سے شفایابی کے آثار نظر نہ آ رہے ہوں تو ہر روزہ کی طرف ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔(۲)

ڈیلیسیس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے (علماء سعودیہ کی رائے)

ڈیلیسیس میں یہ ہوتا ہے کہ جس مریض کے گردے کام کرنا بالکل بند کر دیتے ہیں تو اس کو مہینے میں دو تین مرتبہ ڈیلیسس کرنا پڑتا ہے، جس میں ایک نلکی کے ذریعے جسم کا سارا خون نکال کر اس کو صاف کیا جاتا ہے اور اس میں کیمیائی پاکیزہ اجزاء شامل کئے جاتے ہیں، اگر یہ ڈیلیسس کا عمل نہ ہو تو وہ انسان مر سکتا ہے، اس لئے ڈیلیسیس کے اس طریقۂ کار سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔(۳)

روزہ میں ڈیلیسیس (گردے کی دھلائی) کرانا (علماءِ ہند کی رائے)

روزہ کی حالت میں ڈیلیسس (گردے کی دھلائی) کے عمل سے روزہ نہیں ٹوٹے گا؛ کیوں کہ اس عمل کا تعلق صرف خون کی صفائی ہے اور براہِ راست جوفِ معدہ

---

(۱) مراتب الاجماع :۴۰

(۲) من فتاوی اللجنۃ الدائمہ : الفتوی رقم :۱۳۸۱

(۳) فتاوی اللجنۃ الدائمۃ : الفتوی رقم :۹۹۴۴

میں اس کے سبب کوئی چیز داخل نہیں ہوتی۔

وأكثر مشائخ اعتبروا الوصول فى الجائفة والآمة أن عرف اليابسة وصل إلى الجوف، يفسد صومه بالاتفاق، وإن لم يعرف أن الرطب لا يصل إلى الجوف لا يفسد (۱)

شوگر کا مریض:

اگر شوگر کے مریض کے بارے میں اطباء یہ کہیں کہ روزہ اسکے لئے نقصان دہ ہے تو وہ افطار کرسکتا ہے، اگر اللہ عز وجل اس کو صحت دے تو اس کے بعد روزہ کی قضا کرے۔

اور اگر اطباء یہ بتلائیں کہ اس کو روزہ دائمی طور پر نقصان دہ ہے اور اس مرض کے بارے میں یہ بھی بتلائیں کہ یہ مرض اسی طرح مستقل رہے گا، اس سے شفایابی کی امید نہیں تو یہ مریض ایک مسکین کو روزانہ نصف صاع یعنی تقریباً ڈیڑھ کیلو کھانا کھلائے۔(۲)

فدیہ کی مقدار:

فدیہ کی مقدار یہ ہے کہ ہر ایک روزہ کے عوض میں ایک صدقہ فطر یا اس کی قیمت فقراء کو دیا جاء، اور ایک صدقہ فطر کی مقدار نصف صاع گیہوں ہے جو موجودہ اوزان کے حساب سے ڈیڑھ کیلو چوہتر گرام چھ سو چالیس ملی گرام ہے۔(۳)

جسم سے خون نکالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا:

روزہ دار کے خون کا اس طرح نکلنا جیسے نکسیر پھوٹے، یا استحاضہ کا خون یا اس جیسی چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا، حیض، نفاس وغیرہ سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اگر مریض کو خون کا تجزیہ کرانے کی ضرورت درپیش ہو تو کوئی حرج نہیں، اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ خون کے عطیہ دینے کے لئے افطار کے بعد تک انتظار کرنا چاہئے، چونکہ عطیہ دینے والے کا

---

(۱) تاتارخانیۃ: ۳/۳۷۹، کتاب المسائل: ۲/۱۵۴

(۲) من فتاوى سماحة الشيخ عبد العزيز بن عبد الله بن باز رحمه الله، فتاوى الطب والمرضى

(۳) ایضاح المسائل: ۹۰، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

خون زیادہ مقدار میں ہوتا ہے تو یہ پچھنا لگانے کے مماثل ہو جائے گا۔(۱)

روزہ سے متعلق چند جدید مسائل:

اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن روزہ بھی ہے، روزہ صبح صادق سے غروب آفتاب تک مفطراتِ ثلاثہ: کھانے، پینے اور جماع سے بچنے کا نام ہے، کھانے، پینے کا اطلاق عموماً حلق کے راستے سے معدہ تک پہنچنے والی چیزوں پر ہوتا ہے، پھر فقہاء کرام نے بطورِ احتیاط کے کھانے، پینے کے دائرہ کو وسیع کرتے ہوئے کسی بھی چیز کے فطری راستے سے جوفِ معدہ یا جوفِ دماغ تک پہنچنے کو قرار دیا ہے اور اسی کو ناقض صوم کہا ہے۔

لہٰذا دماغ یا پیٹ تک دوا یا غذائی چیز فطری منفذ سے داخل ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اگر جوفِ دماغ یا جوفِ بطن تک غذا یا دوا کی قبیل کی چیزیں فطری راہوں سے نہ پہنچیں؛ بلکہ رگوں یا مساماتِ بدن کے واسطے سے پہنچے تو اس سے روزہ نہ ٹوٹے گا۔

۱- امراضِ قلب سے متعلق جو دوا زبان کے نیچے رکھی جاتی ہے، اگر روزہ کی حالت میں اس کا استعمال کیا جائے اور اس دوا کے اجزاء یا اس دوا کے ملے ہوئے لعاب کو نگلنے سے مکمل طور پر بچا جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا؛ کیونکہ معدہ یا دماغ میں کوئی چیز براہِ راست داخل نہیں ہوتی۔

الف: "الفطر ممّا دخل وليس ممّا خرج "(۲) روزہ داخل ہونے والی چیز سے ٹوٹتا ہے نکلنے والی چیز سے نہیں۔

ب: ابراہیم نخعیؒ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:" لا بأس أن تمضغ المرأة لصبيها وهي صائمة ما لم تدخل حلقها "(۳) اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ عورت اپنے بچے کے لئے روزہ کی حالت کچھ میں چبائے جب کہ کوئی چیز حلق میں داخل نہ ہو۔

---

(۱) من فتاوى الشيخ عبد العزيز بن عبد الله بن باز ،فتاوى الطب والمرضى

(۲) مصنف ابن ابی شيبه :لا رخص للصائم أن يحتجم: حدیث:۹۳۱۹

(۳) مصنف ابن ابی شيبه :فی الصائمة تمضغ لصبيها :حدیث:۹۲۹۳

ابن نجیمؒ فرماتے ہیں کہ:

”وفی الولوالجیة والظهيرية ولو مصّ الهليلج وجعل يمضغها فدخل البزاق حلقه ولا يدخل عينها فی جوفه لا يفسد صومه “(۱)

ولوالجیۃ اور ظھیر یہ میں ہے کہ اگر وہ ھلیلج (گوند) کو چبائے اور پھر تھوک حلق میں چلا جائے اور اس کا عین جوف میں نہ جائے تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔

روزے کی حالت میں دانت نکلوانا

روزے کی حالت میں دانت نکلوانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، اگر خون نکل آیا اور جلدی جلدی کلی کر لی اور خون کا ذائقہ منہ میں نہ گیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اگر دانت نکلواتے ہوئے خون نکل گیا اور تھوڑا سا منہ میں چلا گیا تو اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس کی قضاء لازم ہوگی۔(۲)

روزے کی حالت میں آنکھ میں دوائی ڈالنا

آنکھ میں دوائی ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اگرچہ دوائی کا اثر حلق میں محسوس ہو۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

”ولو أقطر شيئا من الدواء فی عينه لا يفطر صومه عندنا وإن وجد طعمه فی حلقه وإذا بزق فرأي أثر الكحل ولونه فی بزاقه عامة المشائخ علی أنه لا يفسد صومه، كذا فی الذخيرة وهو الأصح كذا فی التبيين“(۳)

روزہ میں انہیلر یا گیس پمپ کا استعمال:

جن لوگوں کو تنفس کا مرض ہوتا ہے، انہیں بعض اوقات انہیلر یا (spray

(۱) البحرا لرائق : با ب ما يفسد الصوم وما لا :۲/۲۹۴،دار الکتاب الاسلامی

(۲) جدید مسائل کا حل: طب ومیڈیکل سائنس:۵۱۷

(۳) فتاوی هنديه :الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد:۱/۲۰۳

asthma) یا گیس پمپ استعمال کرنا پڑتا ہے، جس کے ذریعہ ہوا اور اس کے ساتھ دوا جو غالبا سفوف کی شکل میں ہوتی ہے کا نہایت مختصر جزء پھیپھڑے تک پہنچ جاتا ہے، یہ حلق ہی کے راستہ سے جاتا ہے؛ لیکن معدہ تک نہیں پہنچتا تب بھی روزہ فاسد ہو جائے گا؛ کیونکہ ہمارے نزدیک قصدا وارادۃ دھویں یا غبار کو حلق میں داخل کرنے سے بھی روزہ فاسد ہو جاتا ہے، جب کہ یہ دھواں بھی معدہ تک نہیں پہنچتا۔ چنانچہ درمختار میں ہے:

"أو دخل حلقه غبار أو ذباب أو دخان "تنوير" ومفاده أنه لو أدخل حلقه الدخان أفطر أيّ دخان كان"(۱)

بحالت روزہ امراضِ معدہ میں آلات داخل کرنا

امراضِ معدہ کی تحقیق کے لئے بعض آلات معدہ میں داخل کئے جاتے ہیں، اگر ان پر کوئی سیال مادہ (liquid) وغیرہ لگایا گیا ہو، جس سے آلہ کا داخل ہونا آسان ہو جاتا ہے تو اس آلہ پر لگے لکویڈ (liquid) معدہ میں داخل ہونے کی وجہ سے روزہ فاسد ہو جانا چاہئے، کیوں کہ اس پر غیبوبت فی الجوف صادق آرہا ہے، جو فسادِ صوم کی شرط ہے، جیسا کہ شامی کی عبارت سے پتہ چلتا ہے:

"مفاد ما ذكرنا متنا وشرحا وهو أن ما دخل في الجوف إن غاب فيه فسد وهو المراد بالاستقرار"(۲)

مرد کے آگے کے راستے میں نلکی ڈالنا:

اگر مرد کے آگے کے راستے میں نلکی ڈالی جائے اور اس پر کوئی لکویڈ (liquid) وغیرہ لگی ہوئی ہو تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس صورت میں روزہ فاسد ہو جائے گا؛ کیوں کہ آپ فرماتے ہیں کہ: مثانہ اور معدہ کے درمیان منفذ ہے، جس سے یہ دوا یا لکویڈ (liquid) معدہ تک پہنچ جاتی ہے؛ چنانچہ بحر الرائق میں ہے:

"وإن أقطر في إحليله لا ...... أي لا يفطر ، أطلقه

---

(۱) در مختار: ۳۶۶/۳، كتاب الصوم ، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد

(۲) رد المحتار : باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد: ۳۹۷/۲

فشمل الماء والدهن ، وهذا عندهما خلافا لأبی یوسف رحمه الله ۔(۱)

طلوعِ فجر کے بعد دوا کا اثر منہ میں محسوس کرنا:

دوائی کھانے کے بعد اگر طلوع فجر کے وقت یا اس کے بعد منہ میں دوائی کا اثر محسوس ہو تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، بشرطیکہ حلق سے نیچے نہ جائے، لیکن جب حلق سے اتر کر پیٹ کے اند پہنچ جائے تو پھر روزہ باقی نہیں رہے گا؛ بلکہ فاسد ہو جائے گا۔(۲)

کان میں دوا یا تیل ڈالنا مفسد صوم ہے:

اگر کوئی شخص کان میں دوا یا تیل ڈالے تو چونکہ وہ دوا یا تیل دماغ تک پہنچ جاتا ہے اور دماغ کو فائدہ دیتا ہے؛ لہٰذا روزہ فاسد ہو جائے گا، طحطاوی میں ہے:

" أو أقطر أذنه اتفاقا أو أقطر فی أذنه ماء فی الأصح لوصول المفطر دماغه بفعله فلا عبرة بصلاح البدن وعدمه " (۳)

عورت کی شرمگاہ میں نلکی کا داخل کرنا:

اگر عورت کے آگے کے راستے میں نلکی ڈالی جائے اور اس پر لکویڈ (liquid) یا کوئی اور دوا وغیرہ لگی ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ ردالمحتار میں ہے:

"أو أدخل إصبعه الیابسة فیه أی دبره أو فرجها ولو مبتلة فسد......قوله : لبقاء شیء من البلة فی الداخل" (۴)

عورت کی شرمگاہ میں دوا رکھنا:

اگر بحالتِ روزہ عورت کی شرمگاہ میں سیال یا جامد دوا رکھی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ جیسا کہ فتاوی ہندیہ میں ہے:

---

(۱) البحر الرائق: ۴۸۸/۲، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد

(۲) فتاوی حقانیہ: ۱۶۰/۴

(۳) طحطاوی: ۳۶۸،باب ما یفسد الصوم ویوجب القضاء

(۴) رد المحتار : ۳۶۹/۳، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد

"وفی الإقطار فی إقبال النساء یفسد بلا خلاف وھو الصحیح" (۱)

ذیابیطس کا مریض روزے کا فدیہ دے سکتا ہے

اگر کوئی شخص ذیابیطس کا سخت مریض ہو یا بہت زیادہ بوڑھا ہو اور اس کے لئے روزہ رکھنا دشوار ہو تو روزہ نہ رکھ کر فدیہ دیدے تو جائز ہے؛ چنانچہ ردالمحتار میں ہے:

"وللشیخ الفانی العاجز عن الصوم الفطر ویفدی"(۲)

ٹی بی کا مریض روزہ رکھے یا نہیں؟

اگر ٹی بی کے مریض کو روزہ رکھنے کی وجہ سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو اور ماہر ڈاکٹر یا حکیم منع کرے تو روزہ نہ رکھے، جب تندرست ہو جائے اور روزہ رکھنے کے قابل ہو جائے تو فوت شدہ روزوں کی قضاء کرے اور اگر موت تک صحت کی توقع نہیں ہے تو فدیہ دیدے، ایک روزے کا فدیہ ایک صدقہ فطر کے برابر ہے اور اگر یہ فدیہ دینے کے بعد تندرست ہو جائے تو فدیہ کا حکم باطل ہو جائے گا اور فوت شدہ روزوں کی قضا لازم ہوگی، چونکہ ارشاد باری عزوجل ہے:

"فَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ اَيَّامٍ اُخَرَ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَه فِدْيَةُ طَعَامِ مِسْكِيْنَ" (سورۃ البقرۃ :۸۴)

کتے کے کاٹے کا انجکشن مفسد صوم ہے

کتے کے کاٹے کا انجکشن جو براہ راست معدہ تک پہنچایا جاتا ہے تو اس سے روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟ اس سلسلے میں حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ:

عام انجکشن جو رگوں یا گوشت میں لگائے جاتے ہیں، ان سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، روزہ فاسد صرف اس نجکشن سے ہوتا ہے جس کے ذریعہ

(۱) الفتاوی الھندیة: ۲۰۴/۱، الباب السابع فیما یفسد وما لا یفسد

(۲) رد المحتار: ۴۱۰/۳

سے غذا یا دوا بعینہ معدہ میں پہنچائی جائے جیسے پاگل کتے کے کاٹے کا انجکشن۔(۱)

اور مولانا رضاء الحق صاحب صدر مفتی دار العلوم زکریا لکھتے ہیں:

وہ انجکشن جو براہِ راشت پیٹ میں رکھا جاتا ہے مثلاً کتے کے کاٹے کا تو یہ مفسد صوم ہونا چاہئے، اس لئے کہ دوائی براہِ راست پیٹ میں پہنچائی گئی، لہٰذا روزہ کی حالت میں اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔(۲)

حج کی رخصتیں

احرام باندھنے والے کے لئے آپریشن کے جائز اور مشروع ہونے کا ثبوت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے "أنّ النبی ﷺ احتجم وھو محرم" (حضور ﷺ نے حالتِ احرام میں پچھنا لگایا)۔(۳)

اس حدیث سے پتہ چلا کہ احرام کی حالت میں خواہ یہ احرام حج کا ہو یا عمرہ کا اس میں آپریشن کے ذریعہ علاج کرنا جائز ہے؛ چونکہ آپریشن میں حج کے ممنوعہ چیزوں کو اپنانا پڑتا ہے جیسے سر کے بال مونڈھنے ہوتے ہیں، اس جگہ پر پٹی باندھنا جس جگہ زخم ہے اور اس جگہ کو ڈھکنا اور بیمار کو حج کی ادائیگی کے لئے جانے سے روکنا، یہ تمام چیزوں کے کرنے کے لئے رخصت ہوتی ہے، اصل اس رخصت کے جواز کے بارے میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿فَمَنْ كَانَ مِنكُم مَرِيضاً أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ﴾ (البقرۃ:۱۹۶)

اس آیتِ کریمہ سے پتہ چلا کہ حجاج اور عمرہ کرنے والوں کو بیماری اگر ہو جائے تو ایسے عذر کی حالت میں ان کو حلق کرنے اور احرام کے محرمات کے ارتکاب پر جنایت لازم نہ آئے گی۔

(۱) منتخب نظام الفتاوی:۱/۱۳۳ (۲) فتاوی دار العلوم زکریا:۳/۲۹۰

(۳) بخاری: باب الحجامة والقیء للصائم: حدیث:۱۸۳۶

کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی اس بارے میں حدیث ہے:

"أنّ النبی ﷺ مرّ علیه وهو ینفخ تحت قدرله ، فقال له : أیؤذیك هو ؟ أم رأسك ؟ قال: نعم ! قال : فاحلق وصم ثلاثة أیّام أو أطعم ستّة مساكین أو أنسك نسیة "(۱)

نبیٔ کریم ﷺ کا گذران کے پاس سے ہوا وہ اپنی ہانڈی میں پھونک مار رہے تھے تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: کیا یہ جوئیں تم کو تکلیف دیتی ہیں؟ یا تمہارے سر کو؟ فرمایا: ہاں ! تو آپ ﷺ نے فرمایا: سر کے بال نکال لو، اور تین دن روزہ رکھو یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ یا حج کرو۔

اس لئے اگر محرم کو اپنے سر کے بال بغرضِ علاج نکالنے ہوں تو جس جگہ آپریشن کرنا ہے ، اس جگہ کے بال نکالے جاسکتے ہیں ، اسی طرح اعصابی آپریشن کی بعض صورتوں میں سر کے پیچھے کے حصہ میں علاج کیا جاتا ہے اس کے لئے بھی سر کے بال نکالے جاتے ہیں؛ تاکہ ڈاکٹر یہ ضروری کاروائی کرسکے۔(۲)

اسی طرح اگر جسم کے دوسری جگہوں جیسے ناف کے نیچے کے بال، بغل کے بال، یا سینے یا پنڈلی وغیرہ کے بال نکالنے ہوں تو یہ بال بھی کاٹے جاسکتے ہیں، اور اس کے لئے فدیہ دینا ہوگا۔(۳)

اگر اطباء کو بالوں والی کھال کو نکال دینا پڑے تو اس کے نکالنے میں کوئی حرج نہیں ، مریض کو فدیہ دینا بھی نہ ہوگا؛ چونکہ قاعدہ ہے کہ: تابع میں ضمان نہیں ہوتا، یہ بال کھال کے تابع ہیں، یہ مقصودِ اصلی نہیں ہیں۔

امام ابنِ قدامہؒ کہتے ہیں:

"اذا قلع جلدة علیها شعر فلا فدیة علیها ، لأنّه أزال تابعاً لغیره والتابع لا یضمن كما لو قطع أشفار عینی

---

(۱) بخاری : باب غزوۃ الحدیبیة: حدیث:۳۹۵۴

(۲) الجراحة العصبیة : بکداش:۱۸

(۳) حاشیة ابن عابدین :۲/۲۷۴

انسان ، فانّه لا یضمن أهدابها" (۱)

"جب وہ ایسی کھال کاٹے جس میں بال ہوں تو اس پر فدیہ نہ ہوگا ، چونکہ اس نے تابع کو زائل کیا ہے اور تابع کا ضمان نہیں ہوتا، جیسا کہ کوئی کسی انسان کے آنکھوں کے پلکوں کی جڑ کاٹے تو اس کو اس کے پلکوں کا ضمان دینا نہ ہوگا"۔

اس طرح فدیہ کے ساقط ہونے کی صراحت امامِ شافعیؒ اور ان کے اصحاب نے بھی کی ہے۔(۲)

یہ جو قاعدہ ہے کہ: اصل یہ تابع کو ساقط کرتا ہے "الأصل الموجب لاسقاط ضمان التابع "اس قاعدہ پر یہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے۔

اگر محرم کی ہتھیلی اور اس کے بال اور اس کے ناخن پر مشتمل انگلیاں کٹ جائیں تو اس میں فدیہ نہ ہوگا، اس کی جانب امامؒ نووی نے اشارہ کیا ہے "لو قطع يده ، أو بعض أصابعه ، وعليها شعر وظفر فلا فديه عليه بلا خلاف " (۳) اگر وہ اپنے ہاتھ کو کاٹ لے یا اس کی بعض انگلیوں کو کاٹ لے اور اس پر بال یا ناخن ہوں تو اس پر بالاتفاق فدیہ نہیں۔

یہاں امام نوویؒ نے کہا ہے کہ: ہاتھ اور انگلیوں کے کاٹنے میں جس میں ناخن اور بال بھی ہوں تو فدیہ واجب نہ ہوگا، اس سابقہ قاعدہ کی وجہ سے۔

حجاج کو ابتدائی طبی امداد پہنچانے کے لئے لازمی آپریشن کرنے کی ڈاکٹروں کو رخصت ہوگی ، گرچہ اس کی وجہ سے ان کا حج ہی کیوں نہ فوت ہوجائے ، جب کہ اس آپریشن کی تاخیر میں جان کے چلے جانے کا خوف ہے، یا بہت بڑا نقصان ہوسکتا ہے، اگر اس طرح کے ایمرجنسی حالات جو آپریشن کے متقاضی ہوں اور اس سے حج فوت ہو تو اس

---

(۱) المغنی لابن قدامة : فصل خلل المحرم شعره فسقطت شعره :۴۳۲/۳

(۲) المجموع للنووی :من مذاهب العلماء متعلقة بالحلق: ۲۴۸/۷

(۳) المجموع للنووی :من مذاهب العلماء متعلقة بالحلق: ۲۴۸/۷

کو حج سے رکنے کی اجازت ہوگی ، جب اس کا حج چھوٹ جائے تو وہ شفا حاصل ہونے کے بعد عمرہ کر کے حلال ہو جائے گا: "فاذ فاته تحلّل بعمرة بعد شفاء ه "(۱)

البتہ اس نے حج سے پہلے حج کی نیت کے ساتھ کوئی شرط رکھی ہو تو وہ ملحوظ ہوگی ، ضباعہ بنت الزبیر رضی اللہ عنہما کی حدیث کی وجہ سے

"أن النبی ﷺ قال لها : لعلّك أردتّ الحج ؟ قالت : واللّه لا أجدنی الّا وجعة فقال لها: حجّی واشترطی ، قولی اللهمّ محلی حیث حبستنی "(۲)

"حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: شاید کہ تم حج کا ارادہ رکھتی ہو؟ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم ! مجھے تکلیف ہے، تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: تم حج کرو اور شرط لگاؤ اور یوں کہو : اے اللہ ! میرا محل وہی ہے جہاں تو مجھے روک دے"۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ حج میں شرط لگانا بھی جائز ہے، جس نے شرط کے ساتھ حج کیا تو وہ شخص کسی ایسے عذر کی وجہ سے جو اس کو حج سے روک دے یہ خود بخود حلال ہو جائے گا۔

اگر اسے آپریشن کے بعد اس جگہ پٹی باندھنے کی ضرورت ہو تو عذر کی وجہ سے رخصت ہوگی اور اس پر فدیہ لازم ہوگا:

"واذا احتاج المحرم بعد فعل الجراحة الی عصب موضعها جاز له ذلك لمكان العذر الموجب للرخصة ولزمت الفدية بذالك "(۳)

ضرورت جب تک ہو یہ پٹی باندھی جائے گی، جب ضرورت ختم ہو جائے تو اس پٹی کو نکال دیا جائے گا۔

(۱) الدر المختار للحصکفی :۲۳۷/۱

(۲) بخاری : باب الأکفاء فی الدین ،حدیث:۴۸۰۱

(۳) جواهر الاکلیل :۱۸۸/۱

عورتوں کا دورانِ حج ماہواری کو روکنے والے گولیوں کا استعمال

عورتیں ماہ واری کو روکنے والے گولیوں کا استعمال کرسکتی ہیں؛ لیکن عادت کو دوران حج روکنے کے لئے ان ادویہ کے استعمال کے تعلق سے اسپیشلسٹ ڈاکٹر سے مشورہ کرنا ہوگا، اسی طرح رمضان میں بھی اگر وہ لوگوں کے ساتھ روزہ رکھنا چاہتی ہیں، لیکن ان گولیوں کے استعمال سے عورت کو ضرر اور نقصان نہ ہو۔(۱)

(۱) من فتاوی اللجنة الدائمة :س:۲،فتوی:۲۸۳۰،مزید جزئیات کے لئے دیکھئے: اُحکام حیض، ونفاس واستحاضہ، جو درحقیقت علامہ ابن شامی کا مفصل رسالہ ہے، جس کو مفتی ممتاز احمد خان نے چالیس تمرینات ترتیب دے کر شائع کیا ہے، بہت جامع رسالہ ہے، مزید حج سے متعلق جدید مسائل پر عربی زبان میں مستقل کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں، اُس کی طرف رجوع کیا جائے۔

قرآنیات

القرآن الكريم

تفسير الخازن — دار الفكر بيروت

تفسير القرطبى — دار الكتب المصرية ،القاهرة

أضواء البيان لمحمد أمين الشنقنطى — مطابع الأهلية الأوفست

فتح الرحمن فى تفسير القرآن — دار القرآن الكريم ،بيروت

جامع البيان فى تاويل القرآن — دار هجر للطباعة والنشر

أنوار التنزيل وأسرار التأويل للبيضاوى — دار إحياء التراث العربى، بيروت

أحكام القرآن للجصاص — دار إحياء التراث العربى

تفسير الطبرى،محمد بن جرير الطبرى — مؤسسة الرسالة ، بيروت

التبيان فى أقسام القرآن — دار المعرفة ، بيروت

بيان القرآن — مولانا اشرف على تهانوى

کتبِ حدیث وشروحِ حدیث

بخارى محمد بن اسماعيل البخارى — دار ابن كثير بيروت

مسلم: لمسلم بن الحجاج القشيرى — دار احياء التراث العربى

ترمذى محمد بن عيسى الترمذى — دار احياء التراث العربى

ابو داؤد: لسليمان بن اشعث — دار الفكر بيروت

ابن ماجة احمد بن يزيد القزوينى — دارالفكر بيروت

مؤطا مالك للامام مالك بن انس — مؤسسة زائد بن سلطان

مسند احمد للامام احمد بن حنبل	مؤسسة قرطبة القاهرة
مسند ابويعلى احمد بن على	دارالمأمون للتراث
دار قطنى لعلى بن عمر	دار المعرفة بيروت
مصنف ابن أبى شيبه، ابوبكر ابن شيبة	دارالفكر بيروت
المعجم الاوسط ابو القاسم سليمان بن احمد	دار الحرمين القاهرة
السنن الكبرى، احمد بن حسين البيهقى	دائرة المعارف حيدرآباد
شعب الايمان،احمد بن حسين البيهقى	دارالكتب العلمية بيروت
المستدرك، ابو عبد الله حاكم نيشافورى	دارالكتب العلمية بيروت
مجمع الزوائد للهيثمى	دار الفكر بيروت
حلية الأولياء لأبى نعيم	دار الكتاب العربى ، بيروت
مصنف عبد الرزاق للصنعانى	المكتب الإسلامى ، بيروت
أحاديث الأربعين النووية	الجامعة الإسلامية ،مدينة منورة
معرفة السنن والآثار للبهقى	دار الوفاء ، المنصورة ، القاهرة
فتح البارى، احمد بن حجر عسقلانى	دار الفكر بيروت
إكمال المعلم بشرح صحيح مسلم	لقاضى عياض
شرح السنة للبغوى	المكتب الإسلامى ، بيروت
المنتقي شرح المؤطا للطباخى	مطبعة السعادة ، بجوار محافظة مصر
شرح النووى علي مسلم	دار احياء التراث ، بيروت
حاشية ابن قيم	دار الكتب العلمية ، بيروت
الأربعون النووية مع شرحها لابن دقيق	مؤسسة الريان
مصباح الزجاجة شهاب الدين البوصيرى	دارالجنان بيروت
التلخيص الحبير، على بن حجر عسقلانى	دارالكتب العلمية بيروت
البدر المنير ابن الملقن سراج الدين	دار الهجرة للنشر والتوزيع الرياض

اتحاف المهرة الخيرة دار الوطن للنشر الرياض
احمد بن أبى بكر اسماعيل البوصيرى

کتب فقہ

رد المحتار مكتبة زكريا ديوبند
ابن عابدين محمد بن امين الدمشقى دار الكتب العلمية بيروت
الفتاوى الهندية ، نظام الدين واصحابه مكتبة دار الفكر بيروت
البحر الرائق زين الدين ابن نجيم المصرى دارالمعرفة بيروت
بدائع الصنائع ، علاء الدين الكاسانى دارالكتب العربى بيروت
المغنى ، عبد الله بن احمد بن قدامة المقدسى دار الفكر بيروت
الهداية ، ابوالحسن على بن بكر مرغينانى المكتبة الاسلامية
المبسوط، محمد بن أحمد شمس الأئمة السرخسى
دار المعرفة ، بيروت
إغاثة اللهفان لابن القيم دار المعرفة ، بيروت
الإقناع للحجاوى دار المعرفة بيروت
كشف القناع للبهوتى دار الكتب العلمية بيروت
المقدمات المهامت لابن رشد مطبعة السعادة بمصر
نيل الأوطار للشوكانى إدارة الطباعة المنيرية
المحلي لابن حزم دار الفكر ، بيروت
الفروع لشمس الدين المقدسى مؤسسة الرسالة ، بيروت
الفروع لابن مفلح مؤسسة الرسالة ، بيروت
أحكام النساء لابن الجوزى
مجموع فتاوي الشيخ عبد العزير بن باز مؤسسة الحرمين الخيرية
قضايا فقيهة معاصرة للسنبهلى دار القلم ، دمشق

التمهيد لابن عبد البر — دار الحديث ، القاهرة
المواهب الجليل للحطاب الرعينى — دار الفكر ، بيروت
الإنصاف للمرادوى — دار إحياء التراث العربى
المجموع للنووى — دار الفكر ، بيروت
الفواكه الدوانى لابن غنيم النفراوى — دار الفكر ، بيروت
فتاوي ابن عثيمن — دار عالم الكتب ، الرياض
فتاوى علماء البلد الحرام اعداد: دـ خالد بن عبد الرحمن الجريسى
مجموع فتاوى ورسائل ابن عثيمن — دار الوطن ، الرياض
فتاوي اللجنة الدائمة للبحوث العلمية — طبعت الرياسة العامة للجنة
تحفة الفقهاء لجلال الدين السمرقندى — دار الكتب العلمية، بيروت ،لبنان.
فقه النوازل — لجنة إعداد المناهج بالجامعة الأمريكية
فتح الوهاب للأنصارى — دار الفكر للطباعة والنشر
المبدع لابن مفلح — دار الكتب العلمية
إعانة الطالبين لأبى بكر الدمياطى — دار الفكر للطباعة والنشر.
فيض القدير للمناوى — المكتبة التجارية الكبري مصر
الخرشى علي خليل — الطبعة الكبري الأميرية، بمصر
فتح القدير للشوكانى — دار ابن كثير ، بيروت
مغني المحتاج للشربينى — دار الكتب العلمية
أحكام الأحكام لابن دقيق العيد — مطبعة السنة المحمدية
جامع العلوم والحكم لابن رجب الحنبلى — دار المعرفة ، بيروت
الاختيار والتعليل — مطبعة الحلبى ، القاهرة .
الأم للشافعى — دار المعرفة ، بيروت
مجموع فتاوي شيخ الإسلام — مجمع الملك فهد للطباعة

نهاية المحتاج للرملی	دار الفكر ، بير
الاختيارات الفقهية	دار المعرفة ، بيروت
شرح الزرقانی علي مختصر خليل	دار الكتب العلمية ، بيروت
الفتاوي الكبري الفقهية للهيثمی	المتكتبة الإسلامية
تبصرة الأحكام لابن فرحون	مكتبة الكليات الأزهرية
التاج والإكليل	دار الكتب العلمية ، بيروت
حواشی الشروانی والعبادی	المكتبة التجارية بمصر
تحفة المودود لابن	مكتبة دار البيان.
الفتاوي للإمام محمود شلتوت	دار العلم ، القاهرة.
أحسن الكلام فی الفتاوي والاحكام	لعطية صخر، دار الغد العربی
الفتاوي الإسلامية من دار الإفتاء المصرية	القاهرة
قرارات مجلس المجمع الفقه الإسلامی	القاهرة
الفقه علي المذاهب الأربعة	دار الكتب العلمية ، بيروت.
الفقه الإسلامی وأدلته	دار الفكر، دمشق
جامع أحكام الصغار للأسرونی	مطبع النجوم الخضراء بغداد
حاشية العدوی علي شرح كفاية الطالب	دار الفكر، بيروت
الحاوی للماوردی	دار الكتب العلمية ، بيروت
مطالب أولي النهي فی شرح غاية المنتهي	المكتبة الإسلامی
مختصر الخرقی	دار الصحابة للتراث
الاستذكار	دار الكتب الإسلامی
الإجماع لابن منذر	دار المسلم للنشر والتوزيع
مجمع الأنهر	دار إحياء التراث العربی
تكملة البحر الرائق للطوری	در الكتاب الإسلامی

فتح الجواد للهيثمى	دار الكتب العلمية ، بيروت.
البيان والتحصيل لابن رشد	دار الغرب الإسلامى ، بيروت
أحكام الأطعمة فى الشريعة الإسلامية	رياض
سبل السلام للصنعانى	دار الحديث .
مختصر الفتاوي المصرية للبعلى	دار ابن قيم ، الدمام
بدائع الفوائد لابن قيم	دار الكتاب العربى ، بيروت
الآداب الشرعية لابن مفلح	عالم الكتب
الإصابة لابن حجر	دار الكتب العلمية ، بيروت
المختار ات الجلية	دار الآثار للنشر والتوزيع
الفقه الإسلامى ومروئته	للشيخ جاد الحق
فتاوي معاصر	دار الوفاء ، المنصورة

طب ومتعلقات

الطب النبوى لابن قيم	دار الهلال ، بيروت
السلوك المنهى للأطباء للراجى التكريتى	دار الأندلس للطباعة والنشر
التعريف الذين فى مناجزة سقم العيند	محمد بن عبد العزيز مطبع الإهرام التجارية.

موسوعة الطبية الجديثة لمجموعة من الأطباء لجنة النشر العلمى مصر.

علم التشريح عند المسلمين ، د محمد علي البار

تشريح جثة المسلم ، من بحوث اللجنة الدائمة.

أحكام الجراحة الطيبة للشنقيطى	دار الصحابة ، جدة.

الانتفاع بأجزاء الآدمى فى الفقه الإسلامى

أحكام جراحة التجميل د/عثمان شبير

أحكام الزينة ، بعير بنت محمد المديفر	إدارة العامة للثقافة والنشر.

أحکام زراعة الشعر وإزالته ، سعد الخثلان موقع رسالة الإسلام.
الجراحة التجمیلة للصالح الفوزان .
الأمراض الجراحیة لمجموعة من الأطباء.
أحکام جراحة التجمیل فی الفقه الإسلامی ضمن دراسات فقهیة طبیة المعاصرة. دار النفائس ، الأردن.
آفاق جدیدة فی الجراحة للقشیری مطابع الوطن ، بالکویت.
الجدید والقدیم فی جراحة التقویم، للدکتور سید محمد وهب دار المعارف ، مصر.
زراعة عضو استؤصل فی حد ، محمد آل شیخ، من بحوث مجمع الفقه الإسلامی
غشاء البکارة من منظور إسلامی، من بحوث ندوة الرؤیة الإسلامیة.
الأحکام الطبیة للنساء فی الفقه الإسلامی ، للدکتور محمد خالد منصور دار النفائس ، الأردن.
الطبیب فقهه وأدبه ، للدکتور زهیر أحمد السباعی، محمد علی البار دار القلم ، دمشق.
التلقیح الصناعی ، محمد مصطفي أحمد الزرقاء
إثبات النسب فی ضوء المعطیات العلمیة المعاصرة ، عائشة سلطان إبراهیم، جامعة القاهرة.
حکم العقم فی الإسلام ، عبد العزیز الخیاط
النظام القانونی للإنجاب الصناعی.
أحکام النسب فی الشریعة الإسلامیة، د/علي محمد یوسف المحمدی.
طفل الأنبوب والتلقیح الصناعی، د/ محمد علي البار.
أعمال ندوة الرؤیة الإسلام للبعض الممارسات الطبیة.
سلوکیات وآداب وقوانی مزاولة مهنة الطب دار الهلال للطباعة والتجارة، مصر

حکم العلاج بنقل دم الإنسان بحث منشور بمجلة الفقه الإسلامی
الطب فی الکتاب والسنة دار المعرفة ، بیروت
التشریح الجثمانی والتنقل والتعویض بکر بن زید
نقل ورزاعة الأعضاء الآدمیة من منظور إسلامی ، د اسماعیل حسن .
القانون الجنائی الطب الحدیث دار النهضة ، القاهرة
الولاء علي النفس، شیخ أبو زهرة
المواریث والوصیة والهبة د بدران الو العثیمین
الطبیب وفقهه ، زهیر السباعی ، د محمد علي البار دار القلم، دمشق
الفشل الکلوی وزرع الأعضاء محمد علی البار دار القلم، دمشق
سوق لبیع لحوم البشر ، د عبد العاطی مجلة الجریدة
اختیار جنس الجنین دراسة فقهیة طبیة، مکتبة الأسري– مکة المکرمة
المسائل الطیبة المستجدّة ، عبد الستار أبو غدة.
أحکام الهندسة الوراثیة سعد بن عبد العزیر دار کنوز أشبیلیة
أختیار جنس المولود قبل تخلقه دار النفائس ، الأردن
قضایا طبیة معاصرة جمعیةالعلوم الطیبة الإسلامیة
دار البشیر ،عمان.
خلق الطبیب المسلم دار ابن قیم الدمام
أحکام التداوی والحالات المیؤوس د/علي البار دار المنارة للنشوالتوزیع، جدة.
حکم الانتفاع بعضو من مولود حی عدیم الدماغ بکر بن زید .
هل هناك طب نبوی ، محمد علي البار الدار السعودیة ، جدة.
التداوی والمسئولیة الطبیة فی الإسلام قیس بن مبارك ، دمشق
الحدود الإنسانیة والشرعیة والقانونیة للإنعاش الصناعی ، د أحمد شرف الدین،

مجلة الحقوق
موت القلب أو موت الدماغ للشيخ مختار السلامی.
نقل الأعضاء بين الطب والدين د۔ مصطفي الذهبی، دار الحديث ، القاهرة
أحكام الأدوية فی الشريعة الإسلامية ، مقالة للدكتوراة حسن بن الفكی
استخدام الجيلاتين الخنزيری فی الغذاء والدواء، لعبد الفتاح محمود ادريس
الدواء من فجر التاريخ إلي اليوم ، د/ رياض رمضان العلمی عالم المعرفة.
اجهاض الجنين المشوه وحكمه فی الشريعة الإسلامية د /مسفر بن عليي بن محمد القحطانی
أحكام التوائم الملتصقة أ.فيصل سعيد بالعمش مجمع الفقهی الإسلامی
الأحكام الفقهية المتعلقة بالتوائم الملتصقة د.ناصر عبد الله الميمان
الموسوعة الطيبية الفقهية ، الدكتور أحمد محمد كنعان، دار النفائس ، بيروت
نوازل التوائم الملتصقة الدكتور عبد الناصر موسي أبو الفيصل ، مجمع الفقه الإسلامی
أضواء علي أجرة الطبيت ، د/ تمام اللودعی
الأحكام الشرعية للأعمال الطبية الدكتور احمد شرف الدين
الإذن بالعمل الطبی ، إذن المريض وإذن الشارع ، د محمد علی البار
الوجيز فی أحكام الجراحة الطبية ، فهد بن عبد الله .
علم الطب أهميته وشرفه ومعاييره الأخلاقية والعلمية عند المسلمين ،
د/مريزن سعيد مريزن عسيری جامعة أم القري .
قصة علوم الطبية فی الحضارة الإسلامية د راغب السرجانی
مؤسسة اقرأ للنشر والتوزيع .
نفح الطيب فی آداب وأحكام الطبيب .
فتاوی الطب والمرضی.

اردو کتابیں

فتاوی محمودیہ — دارالافتاء، جامعہ فاروقیہ، کراچی
آپ کے مسائل اور ان کا حل — مکتبہ لدھیانوی، کراچی
جدید مسائل اور ان کا حل — مکتبہ اشرفیہ مجلس علم و تحقیق
مکتبہ امدادیہ، سہارنپور
کتاب المسائل (مفتی سلمان منصور پوری) — مکتبہ الحق، ماڈرن ڈیری، جوگیشوری
منتخب نظام الفتاوی — ایفا پبلکیشنز
احسن الفتاوی — ایچ، ایم سعید کمپنی، کراچی
فتاوی رحیمیہ مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ — دارالاشاعت، کراچی
جدہ اکیڈمی کے فیصلے — ایفا پبلیکیشنز
مکہ اکیڈمی کے فیصلے — ایفا پبلیکیشنز
یورپ اکیڈمی کے فیصلے — ایفا پبلیکیشنز
جواہر الفقہ، مفتی شفیع صاحبؒ — مکتبہ دارالعلوم، کراچی
پلاسٹک سرجری — ایفا پبلکیشنز
میڈیکل انشورنس، فقہ اسلامی کی روشنی میں — ایفا پبلکیشنز
ڈی این اے ٹسٹ اور جنیٹک سائنس سے متعلق شرعی مسائل — ایفا پبلکیشنز
نواقض صوم سے متعلق نئے مسائل — ایفا پبلکیشنز
طبی اخلاقیات، دائرے اور ضابطے، قاضی مجاہد الاسلام — ایفا پبلکیشنز
پگڑی، اعضاء کی پیوند کاری اور ضبط تولید — اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا، دہلی
احکام المعذورین، حضرت مولانا سید عبدالمجید کوٹھاوی مجاز بیعت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ — ادارہ تالیفات اولیاء، دیوبند۔
فدیہ وقضا، حضرت مولانا جمیل احمد تھانوی صاحب، یادگار خانقاہ امدایہ اشرفیہ، پاکستان

اہم مسائل (جن میں ابتلاء عام ہے) مفتی جعفر ملی

جامعہ اسلامیہ اکل کنواں، نندوبار، مہاراشٹر۔

کرسی پر نماز کا جواز اوعدم جواز، ایک مطالعہ وتجزیہ: مفتی محمد جعفر ملی رحمانی

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکوا، مہاراشٹر۔

ایضاح المسائل، مفتی شبیر صاحب کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند۔

چند اہم عصری مسائل، مفتی زین الاِسلام صاحب مکتبہ دار العلوم، دیوبند